300 سے زائد کتب سے استفادہ شدہ کتاب جسکی تکمیل
روضہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں بیٹھ کر کی گئی

خصوصیاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی
خطیب جامع مسجد سرور کونینؐ









پسند فرمودہ

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ

استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

تقاریظ

مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ،

استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مولانا مفتی عبدالمجید دینپوری مدظلہ،

نائب رئیس دار الافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

دار الاشاعت

اُردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان فون: 2631861

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

خصوصیاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین کی سیرت کے عظیم گوشے سے چیدہ چیدہ سو امتیازی خصوصیات وکمالات پر جدید اسلوب میں جامع، مفصل و قابل قدر ذخیرہ

جلد دوم

تالیف

مولانا محمد ھارون معاویہ

فاضل جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
و استاد مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپورخاص

دارالاشاعت

اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : فروری ۲۰۰۷ء علمی گرافکس
ضخامت : 542 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

……ملنے کے پتے……

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر

انتساب

حضور سرورِ کائنات، فخرِ مجسّم، شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کے نام، جو باعثِ تخلیق کائنات بن کر دنیا میں تشریف لائے اور اپنی ضوفشانیوں سے دنیا کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں سے روشن کر گئے۔

رخِ مصطفیٰ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب مرے محمد ؐ تو دنیا نے چلنا سیکھا

محمد ہارون معاویہ

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں اور انہیں زینت رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سراسر رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات وفضائل تمام مخلوقات کے لئے باعث رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عین رحمت اور آپ ﷺ کا رفیق اعلیٰ سے ملنا عین رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن وانس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ورفعنا لک ذکرک ''اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا۔''

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا، دنیا وآخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب، واعظ اور نمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہو اور اشھد ان لاالٰه الاالله کے ساتھ اشھد ان محمدا رسول اللہ نہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رؤف اور رحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رئوف رحیم ''دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل ربا شکل وصورت سے نوازا جو رعنائی وزیبائی میں بے مثل اور انتہائی حسین وجمیل ہے اور اس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن وجمال میں آپ ﷺ کا شریک وسہیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور دل ربائی کی جملہ اداؤں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادا اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامان طمانیت پائیں اور کوئی بھی زاویہ ان کے ذوق پر گرانی کا باعث نہ ہو۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک بے شمار انبیاءؑ بھیجے، ان میں اکثر انبیاءؑ وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیاء کرامؑ کے نام آئے ہیں۔

ان انبیاء کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیاءؑ کا احترام کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر، سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے۔ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی، ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا، انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔ انہیں عزت وعظمت سے سرفراز کیا گیا۔ ہم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف ہمارے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

چنانچہ انبیاء ورسلؑ کی اس مقدس جماعت میں جناب محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ ﷺ کو سینکڑوں امتیازی خصوصیات حاصل ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے ''خصائص کبریٰ'' میں اڑھائی سو کے قریب حضور ﷺ کے خصائص جمع کئے ہیں ان سب کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ اسی طرح دیگر اور بھی کتابیں اس عظیم موضوع پر لکھی گئیں لیکن عربی زبان میں۔

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت کے اس عظیم گوشے کے بارے میں چونکہ اب تک اردو زبان میں ہماری معلومات کے مطابق مستقل کوئی کتاب ترتیب نہیں دی گئی تھی، اس لئے عرصے سے اس ضرورت کو محسوس کیا جارہا تھا، چنانچہ بندے کے ایک قریبی دوست مولانا محمد عمران سردار صاحب نے اس موضوع کی طرف توجہ دلائی کہ اس عظیم الشان موضوع پر کچھ کام ہوجائے تو ایک سعادت کی بات ہوگی، محترم موصوف کا مشورہ دل کو لگا، لہٰذا اسی وقت بندے نے اللہ رب العٰلمین کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے اس عظیم سعادت کے حاصل کرنے کا عزمِ مصمم کرلیا اور اپنی طاقت کی بقدر سیرت کے عنوان پر لکھی جانے والی چھوٹی بڑی تقریباً ساری کتب کو خریدا، اور شب وروز کی محنت کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس قدر مواد جمع ہوگیا کہ جو چار جلدوں کی ضخامت تک پہنچ گیا، اور بحمد اللہ اس طرح سیرت النبی ﷺ کا یہ عظیم باب، چار ضخیم جلدوں میں آپ تک پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی، جس میں حضور ﷺ کی چیدہ چیدہ سو

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحبِ خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینۃ المنورہ میں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر کیا جائے، چنانچہ اللہ رب العلمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی، تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہٰذا بندے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب و روز روضۂ رسول کے سائے میں بیٹھ کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تمہیدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا، ورنہ ''من آنم کہ من دانم''، بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تاکہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں البتہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر باریک بینی اور شب و روز کی

محنت سے کام لینا پڑا، میرا علیم وخبیر خدائے وحدہٗ لاشریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابل احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے، پرواہ یا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیئے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جا بجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصطفیٰ کو لکھنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام ومرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ نیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیمات نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام ومرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح وکامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہٰذا ذہن میں رہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے دل میں دیگر انبیاء کرامؑ سے متعلق ادنیٰ سا بھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جارہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! بندۂ عاجز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے دو بول ادا کر دیجئے گا، اور اگر کچھ خامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک کمزور اور ناقص سا مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشوروں کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشوروں کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سر دست میرے استاذِ محترم میری

مادرِ علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاذ محترم نے اس کتاب کے لئے گراں قدر تقریظ تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں استاذ محترم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاذ محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاذ کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب وروز گزارے، استاذ الحدیث اور ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاذ صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

اور اسی طرح استاذ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاذ العلماء مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے اس کام کو خوب پسند فرمایا، میری حوصلہ افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے اچھے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادرِ کبیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک وقتاً فوقتاً ان کے مشورے بھی میرے شامل حال رہے، علاوہ ازیں

مفتی صغیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدخشانی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث "مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص مکتبہ یوسفیہ کے مالک برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب استاذ الحدیث مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسان ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شامل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اساتذہ اور تمام پرخلوص معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرمائے، آمین۔

ان کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب سے لے کر کمپوزنگ اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جو میری تمام کتابوں کو اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کی بارگاہ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح مفید اور کارآمد بنادے اور ہم سب کو خلوص نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے، میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی خامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا دلی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

والسلام آپ کا خیر اندیش محمد ہارون معاویہ

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گذشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین ومقالات لکھے جا چکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین و عاشقین کے لیے ایک مستقل میدانِ تحقیق وتصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا حاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع ومصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم وفنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

۱۔قرآن مجید ۲۔کتب تفاسیر ۳۔کتب تاریخ ۴۔کتب شمائل نبوی ۵۔کتب دلائل النبوۃ ۶۔کتب شروح احادیث ۷۔کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاہدات، دستاویزات، ۸۔کتب آثار واخبار ۹۔اطلس وخرائط سیرت ۱۰۔کتب نعت رسول ۱۱۔کتب انساب ۱۲۔کتب جغرافیہ عرب ۱۳۔کتب تاریخ حرمین ۱۴۔کتب اسماء رجال ۱۵۔ادب عربی ۱۶۔سفرنامہ حرمین

سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر

کتابوں کی کثرت اس کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جارہا ہے مگر ہنوز روز اول کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذات خود امتیازات سیرت کا ایک حسین اور حیران کن باب ہے، رحمت عالم کی ذات وسیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے ازخود پانچ درج ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے: (۱) ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری روئے زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے سو جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خصائص وامتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی ''الخصاص الکبری'' اور حافظ ابن قیمؒ کی ''زاد المعاد'' سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانیؒ کی ''دلائل النبوۃ'' بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فارسی زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں ''شواہد نبوت'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں انہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی اوصاف جو حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں سات الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات وکمالات پر ایک مستقل اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، اس کمی کو ہمارے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد ہارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر امید ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ طالب علمی سے ہی

جامعہ میں تقریری وتحریری سرگرمیوں میں پیش پیش رہے اور اب میر پور خاص میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر ان کی تقریباً تیرہ کتابیں زیب طبع ہوکر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس محنت کو حضور ﷺ کے طفیل قبول فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت اور سنت پر چلنے والا بنائے، آمین۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا) محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی

نائب رئیس دار الافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

سیرت کا موضوع سدابہار گلشن کی طرح ہے، جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل چین کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا ہے۔ لیکن جو پھول چننے سے رہ جائے وہ ہرگز چنے ہوئے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدیم وجدید، اپنے پرائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا اسلوب دیا ہے۔ ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ'' ایسا موضوع ہے، جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اور اردو میں اگرچہ سیرتِ نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قابلِ قدر ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علمہٗ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالا مال کر دیا۔ کتاب کی اجمالی فہرست پیشِ نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیّت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ عزیز موصوف نے بندہ ناچیز سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، بندہ لکھنے لکھانے کے فن سے نابلد ہے۔ پھر بھی صاحبِ خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفاعتِ مصطفوی ﷺ کے حصول کی امید پر چند سطور حوالہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دیں، (آمین)۔

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی) عبد المجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نائب رئیس دار الافتاء واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

﴿الحمد للّٰہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ المصطفی ورسولہ المجتبیٰ علی الہ وصحبہ وعترتہ واھل بیتہ الاطھار الاتقیاء وعلی کل من بھدیھم اھتدیٰ. امابعد! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ،بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ،وماارسلنٰک الارحمۃ للعٰلمین﴾ ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انوارالبیان، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل وکمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا، بعض کو اولوالعزمی کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل وکمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرمادیا، یہ ہستی مجمع فضل وکمال، سید الانبیاء، مقصود الخلائق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ للعٰلمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث وسیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع ومستند کتاب، نویں صدی ہجری کے مشہور مفسر ومحدث علامہ جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ۔۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات کو تقریباً ایک سو پچاس ابواب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تتبع واستقراء کے طور پر چیدہ چیدہ وہ تمام خصوصیات ومعجزات تقریباً جمع فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور ہستی شریک نہیں، علامہ سیوطیؒ نے اس کتاب کا نام ''كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب ﷺ'' رکھا، جو بعدازاں ''الخصائص الکبری للسیوطی'' کے نام سے مشہور ومتداول ہوئی، عرب وعجم کے مختلف مطابع متعدد باراس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی وسیع پیمانے پر خدمت یہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت وکرامت ہے، اسی کرامت وخصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیرِ نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطیؒ کی پیروی واقتداء سے باوصف ہوتے ہوئے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو(۱۰۰) منفرد خصوصیات وامتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت پسندی کے تناظر میں ممکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطیؒ کی خصائص کبری جو اپنے اردو ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتنی بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہلاسکتی یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصائص پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست وروانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس ورواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعبیرات میں رونما ہونے والے تغیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب بنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جواب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر وبیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت وتعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں ومسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی وعملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع وترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ''خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اورکمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے، فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا، اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت واہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللھم ابلغنا بغیتنا ،بمنزلته صلی الله علیه وسلم لدیک﴾.

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے، اس لئے ایک اصولی بات کی یاددہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل فضل وکمال میں سے کسی صاحبِ فضل وکمال کی خصوصیت اور امیتازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو ''تقابل'' کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی ہستی کے درجہ ورتبہ کو تقابلی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جارہا ہو تو پھر الفاظ وتعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفضیل وتکریم کسی دوسری ہستی کی تنقیص وتوہین کا مظہر نہ ہو، ورنہ یہ عملِ خیر اپنی اصلیت سے جدا ہوکر مواخذہ اخروی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذلک.

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دلایا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط، ذمہ داری اور تیقظ کا حسنِ ظن ہے، اس حسنِ ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے اصل مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع وماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تالیفی خدمات کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین ومؤلفین عام طور پر ''سرقہ علمیہ اور علمی خیانت'' جیسے القاب والزامات کے لئے بجا طور پر محل ومورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، واقعات اور حکایات بلکہ پورے کے پورے مضامین ومقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے ''من وعن'' نقل کردینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنایا اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام ڈال دیا یا پھر ضمائر اور متکلم کے صیغوں پر اکتفاء فرمالیا۔

چوری اور بد دیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین، پوری امانت داری، دیانتداری، اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منظر عام پر لائے تو یقیناً وہ تحسین وتشجیع کا مستحق ہے، سیرت طیبہ کی خدمت سے ادنی تعلق کے طمع کے بعد یہ دوسرا باعث ہے کہ یہ چند سطریں تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کے علم وعمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے لئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر عمل کی توفیق وقبولیت اسی کے پاس ہے۔﴿وصلی اللہ علی النبی الکریم وعلی الہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بالاکوٹی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرنالوی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

فاضل: جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش واہل قلم اور زعماءِ امت مسلسل لکھتے آرہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعداز خدا آمنہ کے دریتیم ہی کا مقام ہے۔اسی بناپر کہا گیا۔

بعداز خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط نعلین مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت واخلاق حسنہ کی عکاسی کررہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اسقدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین ثبوت صدیقہ بنت صدیق ؓ اماں عائشہ ؓ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔

خدائے بزرگ وبرتر کے بعد سب سے اونچی ہستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی ورہبر سردار انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض وسماء نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اے پیغمبر میں تمہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہوجائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں ورفعنا لک ذکرک فرماکر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلندو بالا کردیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمدؐ) لے تو باعتبار معنیٰ خود بخود آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہوجائے، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاءؑ نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو حبیب کا لقب ملا اور خود اللہ تعالیٰ نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ امر باعثِ مسرت ہے کہ فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد ہارون معاویہ نے عوامی، علمی اور دینی خدمت کے احساس کے تحت ہادی برحق ﷺ کی اہم اہم خصوصیات کو یکجا کرنے کا عزم مصمم کیا اور چار جلدوں میں آپ کی سو خصوصیات کو جمع کر دیا۔

مولانا محمد ہارون معاویہ سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ بندۂ عاجز کے ماموں زاد بھائی ہیں، ایشیاء کی معروف دینی درسگاہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے سند فراغت حاصل کی ہے، زمانہ طالب علمی سے ہی تحریر وتقریر اور کتب اسلاف کا مطالعہ موصوف کا محبوب مشغلہ رہا ہے، دورۂ حدیث والے سال سے باقاعدہ میدان تالیف میں قدم رکھا اور تا دم تحریر (۱۳) کتب شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں، چنانچہ میدان تالیف وتصنیف کے نشیب وفراز سے بخوبی آگاہی حاصل کرنے کے بعد خصوصیات کے لئے قلم اٹھایا ہے، یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ ﷺ کی ۱۰۰ خصوصیات کا گرانقدر، جاذب نظر اور قابل فخر مجموعہ ہے، اس کی عظیم خصوصیت یہ بھی ہے کہ موصوف مؤلف نے صاحب خصوصیات ﷺ کے روضۂ اطہر کے سامنے بیٹھ کر ان گنت صفحات تحریر فرمائے ہیں، جسے قارئین دورانِ مطالعہ محسوس بھی کریں گے اور بہرہ اندوز بھی ہوں گے، بلاشبہ آپ اس کتاب میں ایک ایسی عظیم ہستی (ﷺ) کی ۱۰۰ خصوصیات کو پڑھ سکتے ہیں جس کے عام وخاص حالات بھی بالتفصیل محفوظ ہیں، اور ان پر نازل شدہ الہامی کتاب بھی ہو بہو محفوظ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نونہال نوجوان نے اتنی کم عمری میں بہت بڑا کام کر دکھایا ہے، یہ محض خالق کائنات ہی کی کرم نوازی ہے۔

راقم الحروف نے چاروں جلدوں پر اک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور فہرست کو بغور پڑھا ہے، بحمد اللہ ایک جامع اور منفرد کام کیا ہے، بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہوں کہ رب ذوالجلال موصوف کی شب وروز کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور علم وعمل، صحت وعمر میں برکت نصیب فرمائے، اور خود ان کے لئے اور ہمارے پورے خاندان کے لئے ذریعہ نجات بنائے، اور اہل علم وعامۃ الناس کو اس سے مستفیض فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

(مولانا حافظ) محمد اصغر کرنالوی (صاحب مدظلہ العالی)

ناظم اعلیٰ: معہد الارشاد الاسلامی (مہاجر مکی مسجد) صدر کراچی

انبیاء کرامؑ کے مراتب میں جزئی تفاوت اور ایک ضروری تطبیق

ہم جب قرآن وحدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک طرف تو ہمیں اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ تمام انبیاء کرامؑ کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے۔ دوسری طرف ارشاد ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (بقرہ)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدوس یعنی جبرئیل سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ

فرمایئے:۔

حضرات انبیاء کرامؑ تمام کمالات نبوت وفضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصالح الٰہی کی بناپر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت یہ کمال ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہوتو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیاء کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیم وعیسیٰؑ کی، اور اے عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا۔

(دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاءؑ کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپ ﷺ کے تمام کمالاتِ نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پرُنور

ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نعوذ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاءؑ کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاءؑ کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاءؑ میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے ہی انکار نہ کر دے، جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاءؑ پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاءؑ میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے ہی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجہ میں پھر وہ شخص عیاذ باللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

مقدمۃ الکتاب

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ (جلد دوم)

قابلِ احترام قارئین! خصوصیات مصطفیٰ ﷺ کی جلد دوم شروع کرنے سے پہلے جلدِ اول کی طرح ایک مقدمہ پیش کیا جارہا ہے، جس میں تمام انبیاء کرام سے متعلق اسلام کی تعلیمات پیش کی جائیں گی، مثلاً اس مقدمے میں ایک عنوان قائم کیا گیا کہ ''تمام انبیاء کا احترام کرنا اوران کی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے۔'' اس کے ذیل میں وضاحت کی گئی کہ ہمارے رسول اکرم ﷺ نے دیگر انبیاء کا کس قدر احترام کرنے کی تاکید کی ہے، اسی طرح ایک عنوان قائم کیا گیا کہ ''رسولِ اکرم ﷺ کی تمام انبیاء کرام کے بارے میں تعلیمات اوراس کا مثبت نتیجہ'' اسی طرح اگلا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل کے حالات اور انبیاء سے متعلق لوگوں کے نظریات'' اور آگے چل کر ایک عنوان ہے کہ ''نبوت ورسالت کی سب سے اہم خصوصیت'' اور ایک عنوان ہے کہ ''تعلیماتِ محمدیؐ کی انبیاء کرام کے بارے میں وسعتِ نظری۔''

چنانچہ خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کچھ عنوانات کے تحت مفید اور ضروری مباحث کو پیش کیا گیا، تاکہ انبیاء کرامؑ کے بارے میں کسی اعتراض وغیرہ کی گنجائش ہی نہ رہے، اور یہ بات ویسے بھی ہم بار بار واضح کرتے آرہے ہیں کہ آپ ﷺ کی خصوصیات کو لکھنے کا مقصد دیگر انبیاء کرامؑ کی تنقیص نہیں ہے، بلکہ صرف اور صرف امت میں آپ ﷺ کی محبت وعقیدت پیدا کرنے کے لئے آپ کے مقام ومرتبے کو واضح کرنا مقصد ہے، بہر حال اب ہم اپنی ان

تمہیدی باتوں کو ختم کرتے ہیں اور مقدمے کو شروع کرتے ہیں لیجئے ملاحظہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

تمام انبیاء کرام کا احترام کرنا اور انکی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے

ہمارے رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہ عقیدہ دیا کہ تمام انبیاء کرام کا احترام کرنا اوران کی نبوت کو برحق ماننا ضروری ہے، چنانچہ یہ عقیدہ اسلام کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کی تکمیل صرف اسی کے ذریعے سے انجام کو پہنچی ہے، آنحضرت ﷺ کے وجود مبارک سے پہلے دنیا کی ہر قوم کو بجائے خود یہ خیال تھا کہ وہی اللہ تعالیٰ کی خاص محبوب اور پیاری ہے، تمام دنیا کی قوموں میں ہدایت ربانی کے لیے وہی منتخب کی گئی ہے، اس کے علاوہ دنیا کی تمام قومیں اس فیض سے قطعاً محروم ہیں اور رہیں گی اسی کی سرزمین دیوتاؤں کا مسکن اور اسی کی زبان خدا کی خاص مقدس زبان ہے، بابل و نینوا ہو یا مصر و یونان، ایران ہو یا آریہ ورت ہندوستان، ہر ملک کے لوگوں کو بجائے خود تنہا خدا کی مقدس اور برگزیدہ مخلوق ہونے کا دعویٰ تھا، اور وہ صرف اپنے کو خدا کے پیغام اور خطاب سے مشرف ہونے کا مستحق جانتے تھے، لیکن تعلیم محمدی نے تنگ خیالی کے اس محدود دائرہ کو دنیا کی عظیم الشان وسعت سے بدل دیا، آپ ﷺ نے یہ سکھایا کہ دنیا کی تمام قومیں خدا کی نظر میں یکساں ہیں، نہ عرب کو عجم پر اور نہ عجم کو عرب پر فضیلت ہے اور نہ کالے کو گوروں پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی تقدم حاصل ہے۔ (بحوالہ مسند احمد)

ساری زمین خدا کی ہے، اور تمام قومیں خدا کی مخلوق ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا لوگو: تم سب ایک ہی باپ و آدم کی اولاد ہو، اور وہ مٹی سے پیدا ہوا تھا)۔ (بحوالہ ترمذی)

اسی طرح یہ بھی تعلیم دی کہ انسانوں اور قوموں کا امتیاز رنگ و روپ ملک زبان سے نہیں، بلکہ صرف تقویٰ اور نیکوکاری ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی تمام انبیاء کرامؑ کے بارے میں تعلیمات اور اس کا مثبت نتیجہ

اس تعلیم کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ قوموں اور ملکوں کی فطری فضیلت کی پرانی داستان فراموش ہوگئی، دنیا کی تمام قومیں ایک سطح پر آگئیں اور مساوات انسانی کا راستہ صاف

ہوگیا، بنی اسرائیل جن کو خدا کا کنبہ ہونے پر ناز تھا، وحی محمدی ﷺ نے ان کی اس حیثیت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ بلکہ تم بھی خدا کی مخلوقات میں سے بشر ہو۔"

بنی اسرائیل کو دعویٰ تھا کہ نبوت اور پیغمبری صرف انہی کے خاندان کا ورثہ ہے، جس طرح اس آریہ درت کا دعویٰ ہے کہ خدا کی بولی صرف یہیں کے رشیوں اور نبیوں نے سنی جو وید کے اوراق میں محفوظ ہے، اسی طرح دوسری قوموں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر یہی خیال تھا اسلام نے اس تخصیص کو خدا کے انصاف وعدل وکرم اور رحمت عام کے منافی قرار دیا، اور کہہ دیا: ﴿ذٰلِکَ فَضلُ اللهِ یُؤتِیهِ مَن یَّشآءُ واللهُ ذُو الفَضلِ العَظِیمِ﴾

"یہ (نبوت) اللہ کی مہربانی ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑی مہربانی والا ہے۔"

﴿قُل اِنَّ الهُدٰی هُدَی اللهِ أَنْ یُّؤتٰی اَحَدٌ مِّثلَ مَااُوْتِیتُم اَوْ یُحَاجُّوکُم عِندَ رَبِّکُمْ قُلْ اِنَّ الفَضلَ بِیَدِ اللهِ یُؤتِیهِ مَن یَّشآءُ ،واللهُ وَاسِعٌ عَلِیمٌ .یَختَصُّ بِرَحمَتِهٖ مَنْ یَّشآءُ واللهُ ذُوالفَضلِ العَظِیمِ﴾

"کہہ دو کہ ہدایت اللہ کی ہدایت ہے، (اسرائیلی علماء اپنے ہم مذہبوں سے کہتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ جیسا دین تم کو دیا گیا کسی اور کو دیا جائے، یا یہ نئے دین والے تم سے خدا کے آگے جھگڑ سکیں کہہ دو کہ یہ نبوت کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے وہ اللہ کی رحمت سب پر عام ہے اور وہ اپنی مصلحتوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کیساتھ مخصوص کرتا ہے وہ بڑا فضل والا ہے۔"

﴿مَایَوَدُّ الَّذِینَ کَفَرُوا مِن اَهلِ الکِتٰبِ وَلَا المُشرِکِینَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیکُمْ مِّنْ خَیرٍ مِّنْ رَّبِّکُم واللهُ یَختَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشآءُ واللهُ ذُوالفَضلِ العَظِیمِ﴾

"اہل کتاب میں جو منکر ہیں وہ یہ نہیں پسند کرتے اور نہ مشرکین پسند کرتے ہیں کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو، اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

☆ اس نے یہ تعلیم دی کہ روئے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھانے والے، اس کی آواز پہنچانے والے، اور انسانوں کو ان کی غفلت سے چونکانے والے پیغمبر یا نائب ہیں اور یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک برابر جاری رہا۔

رسولِ اکرم کی بعثت سے قبل کے حالات اور انبیاءؑ سے متعلق لوگوں کے نظریات

بعثت محمدی ﷺ سے پہلے دنیا کی کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی اور ایک دوسرے سے ناآشنا تھی، ہندوستان کے رشیوں اور نبیوں نے آریہ ورت سے باہر کی دنیا کو خدا کی آواز سننے کا کبھی مستحق نہیں سمجھا تھا، ان کے نزدیک پرمیشور صرف آریہ ورت کی ہدایت اور رہنمائی کا خواہاں تھا، زردشت نے پاک نژادان ایران کے جلوہ نورانی سے محروم یقین کیا تھا، بنی اسرائیل اپنے خانوادہ کے سوا کہیں اور کسی نبی یا رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے، عیسائی صرف اپنے کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ نے آکر بتادیا کہ خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے ظہور کے لیے کسی ملک، قوم اور زبان کی تخصیص نہیں، اس کی نگاہ میں عرب وعجم، شام وہند سب برابر ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے آنکھوں نے پورب، پچھم، اتر دکھن ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا، اور ہر زبان میں اس کی آواز سنی، ﴿ولِکُلِّ اُمَّةٍ﴾ ''اور ہر امت کے لیے رسول ہے۔'' ﴿ولَقَد بَعَثنَا فِی کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُولًا﴾ ''اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا۔'' ﴿ولَقَد اَرسَلنَا مِن قَبلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَومِھِم﴾ ''اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔'' ﴿وَلِکُلِّ قَومٍ ھَاد﴾ ''اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما آیا'' ﴿وکَم اَرسَلنَا مِن نَّبِیٍّ فِی الاَوَّلِین. وما اَرسَلنَا مِن رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَومِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُم﴾ ''اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبر بھیجے اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی بولی میں بھیجا، تا کہ وہ ان کو بتا سکے۔''

اس آخری آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول یہ تعلیم الٰہی تشریح و بیان کے لئے مامور ہیں۔

ایک یہودی کے لیے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زردشتی تمام عالم کو بحر ظلمات کہہ کر بھی نورانی ہو سکتا ہے، اور وہ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے، آنحضرت تہجد میں جو دعا پڑھتے تھے، اس میں ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا، ''والنَّبِیُّونَ حقٌّ ومُحمَّدٌ حقٌّ'' سب نبی حق تھے اور محمد بھی برحق ہیں۔

غرض کوئی شخص اس وقت تک محمدی نہیں ہو سکتا، جب تک وہ پہلے موسوی، عیسوی اور سلیمانی داؤدی نہ بن لے اور کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت، حقانیت، راستبازی، اور معصومیت کا اقرار نہ کرے اور یہ یقین نہ کرے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالی نے عرب کی طرح ہر قوم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی سے سرفراز کیا ہے اور ان کا ماننا ایسا ہی ضروری ہے جیسا خدا کا ماننا۔

﴿اِنَّ الَّذِینَ یَکفُرُونَ بِاللهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیدُونَ اَنْ یُّفَرِّقُوا بَینَ اللهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُولُونَ نُؤمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکفُرُ بِبَعضٍ وَّیُرِیدُونَ اَنْ یَّتَّخِذُوا بَینَ ذٰلِکَ سَبِیلاً. اُولٰٓئِکَ هُمُ الکٰفِرُونَ حَقًّا وَّاَعتَدنَا لِلکٰفِرِینَ عَذَابًا مُّهِینًا. وَالَّذِینَ اٰمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوا بَینَ اَحَدٍ مِّنهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوفَ یُؤتِیهِمْ اُجُورَهُمْ وَکَانَ اللهُ غَفُورًا رَّحِیمًا﴾

''بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ بیچ کا کوئی راستہ نکالیں وہی تو حقیقت میں کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے، اور جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی

مزدوری خدا ان کو دے گا اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔''

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ ''اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر ایمان لانا نیکی ہے۔'' ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا﴾ ''اور جس نے خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کا انکار کیا وہ نہایت سخت گمراہ ہوا۔''

سورۂ بقرہ کے خاتمہ میں ہے: ﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ ہر ایک خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر ایمان لایا، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے

تمام انبیاء کرامؑ خدا کے نائب اور برحق ہیں

پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں سے بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اسلام نے اس کی ممانعت کی اور عام حکم دیا کہ دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور راست باز تسلیم کیا جائے۔

یہودی حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب سمجھتے اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے تھے، اور اب بھی ان کا یہی عقیدہ ہے یہودیت اور اسلام میں جو اشتراک ہے، وہ مسیحیت سے زیادہ ہے، اس لیے اگر اسلام کی راہ میں حضرت مسیح کا نام نہ آئے تو بہت سے یہود مسلمان ہونے کو تیار ہو جائیں، مگر اسلام نے کبھی یہ ننگ گوارا نہیں کیا، اور جب تک کسی یہودی سے حضرت عیسیٰ کی نبوت، معصومیت اور تقدس کا اقرار نہیں لے لیا، اس کو اپنے دائرہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی، چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بہت سے یہودی آپ ﷺ کی رسالت اور شریعت پر ایمان لانے کو تیار تھے، مگر حضرت عیسیٰ کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دوستی کے عظیم الشان فائدوں سے محروم رہنا گوارا

کیا، مگر مسیحؑ کی سچائی سے ان کا محروم رہنا قبول نہ فرمایا۔ (بحوالہ تفسیر ابن جریر)

اوران سے صاف کہا: ﴿یَا اَھلَ الکِتَابِ ھَلْ تَنقِمُوْنَ مِنَّا اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا باللہ وَمَا اُنزِلَ اِلَینَا وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبلُ وَاَنَّ اَکثَرَکُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''اے یہود! کیا بیر ہے تم کو ہم سے، مگر یہی کہ ہم خدا پر اور جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو پہلے اتارا گیا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تم میں اکثر بے حکم ہیں۔''

خود قریش کا یہ حال تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ کے نام سے چڑتے تھے، تاہم ان کی خاطر سے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اقدس اور معصومیت کا انکار نہیں کیا گیا، قرآن نے کہا: وَلَمَّا ضُرِبَ ابنُ مَریَمَ مَثَلًا اِذَا قَومُکَ مِنہُ یَصِدُّونَ. وَقَالُوا ءَ اٰلِھَتُنَا خَیرٌ اَمْ ھُوَ مَا ضَرَبُوہُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ ھُمْ قَومٌ خَصِمُوْنَ. اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبدٌ اَنعَمْنَا عَلَیہ (سورۃ زخرف)

''اور جب مریم کے بیٹے کی کہاوت بیان کی گئی تو تیری قوم ان سے چلانے لگتی ہے، اور بولی کہ ہمارے معبود اچھے ہیں، یا وہ یہ نام جو وہ تجھ پر دھرتے ہیں صرف جھگڑنے کو، بلکہ وہ جھگڑالو ہیں، وہ ایک بندہ ہے جس پر ہم نے فضل کیا۔''

قریش کو معلوم تھا کہ اسلام عیسیٰ بن مریم کو بندہ اور رسول مانتا ہے خدا نہیں مانتا، باوجود اس کے کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں پر بھی حضرت عیسیٰ کے ماننے کی وجہ سے عیسیٰ پرستی کا الزام دھرتے تھے، قرآن نے ان کے اس بے معنی اعتراض کی تردید کی۔

اسلام میں پیغمبروں کی کوئی تعداد محدود نہیں ہے، طبرانی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے، دوسری روایت میں اس کی کم تعداد بھی مروی ہے، قرآن پاک میں نام کے ساتھ صرف انہی انبیاء کا ذکر ہے، جن سے عرب واقف تھے، اور یہود و نصاریٰ بے خبر تھے، مثلاً حضرت ہودؑ اور حضرت شعیب بعض ایسے بھی ہیں جن کو یہود و نصاریٰ جانتے تو تھے، لیکن پیغمبر نہیں تسلیم کرتے تھے، مثلاً حضرت سلیمان، وحی محمدی ﷺ نے ان سب کو پیغمبر تسلیم کیا، اور ان کی صداقت وعظمت کا اقرار کیا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے آکر نبوت ورسالت کا تعارف کرایا

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعیت کی طرف بھی اشارہ کردینا مناسب ہے، اسلام سے پہلے نبوت رسالت اور پیغمبری کی کوئی خاص واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہودی کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیشگوئی کے تھے، اور نبی پیشین گوکو کہتے تھے، اور جس کے متعلق وہ یقین رکھتے تھے، کہ اس کی دعا یا بددعا فوراً قبول ہوجاتی ہے، اسی لئے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی نبوت اور رسالت کا محض دھندلا ساخا کہ ان کے ہاں موجود ہے، بلکہ حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں شام کے کاہن مالک کی پیغمبرانہ شان ان کے نزدیک زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے، حضرت داؤد اور سلیمانؑ کی حیثیت ان کے ہاں صرف بادشاہ کی ہے اور ان کے زمانہ میں پیشین گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں، یہی سبب ہے کہ یہود کے قصوں اور کتابوں میں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف نہایت نحیف باتیں بے تأمل منسوب کی گئی ہیں، عیسائیوں کے ہاں بھی رسالت اور نبوت کی کوئی واضح حقیقت نہیں بیان کی گئی ہے، ورنہ یہ نہ کہا جاتا کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو تھے، موجودہ انجیلوں میں نہ خدا کے رسولوں کی تعریف ہے نہ ان کے تذکرے ہیں۔ نہ ان کی سچائی اور صداقت کی گواہی ہے، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ جن کے تذکرے انجیل میں ہیں، وہ بھی پیغمبرانہ شان کے ساتھ ان کے ہاں مسلم نہیں، لیکن محمد رسول ﷺ نے آکر اس جلیل القدر منصب کی حقیقت ظاہر کی، اس کے فرائض بتائے، اس کی خصوصیات کا اظہار کیا، اور ان سب پر ایمان لانے کو نجات کا ضروری ذریعہ قرار دیا، آپ نے بتایا کہ نبوت ورسالت خاص خاص انسانوں کو خدا کا بخشا ہوا ایک منصب ہے، جس کو دے کر وہ دنیا میں اس غرض سے بھیجے گئے، کہ وہ خدا کے احکام لوگوں کو بتائیں اور سچائی اور نیکی کا راستہ ان کو دکھائیں، وہ ہادی (رہنما) نذیر (ہوشیار کرنے والا) اور داعی (خدا کی طرف سے بلانے والا) مبشر (خوشخبری سنانے والے) معلم (سکھانے والے) مبلغ (خدا کے احکام پہنچانے

والے) اور نور (روشنی) تھے، خدا ان سے ہم کلام ہوتا تھا، اپنی باتوں سے ان کو مطلع کرتا تھا، اور وہ ان سے دوسرے انسانوں کو آگاہ کرتے تھے، وہ برائیوں سے محفوظ تھے وہ خدا کے نیک اور مقبول بندے تھے اور اپنے عہد کے سب سے بہتر انسان تھے ان کے سب کام خدا کے لئے تھے، اور خدا ان کے لیے تھا، یہ ہستیاں اپنے فرائض کو انجام دینے کے لیے ہر قوم میں پیدا ہوئیں جنہوں نے ان کو مانا، نجات پائی اور جنہوں نے جھٹلایا ہلاک و برباد ہوئے، قرآن پاک نے ان کی زندگی کے سوانح، ان کی تبلیغ کی روداد ان کے اخلاق کی بلند مثالیں اور ان کی خدا پرستی کا اخلاص اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے ان کی پیروی کا جذبہ ان کی اتباع کا شوق اور ان کی صداقت کا یقین دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے، اور ساتھ ہی اس نے شان نبوت کے خلاف جو غلط باتیں دوسرے صحیفوں میں ان کی طرف منسوب تھیں، ان کو چھوڑ دیا ہے، اور یا ان کی تردید کر دی ہے۔

نبوت ورسالت کی سب سے اہم خصوصیت

الغرض نبوت اور رسالت کی سب سے اہم خصوصیت اسلام نے جو یہ قرار دی کہ نبی ورسول گناہوں سے پاک اور برائیوں سے محفوظ اور معصوم ہوئے ہیں، بنی اسرائیل کو نبوت اور رسالت کے اس بلند تخیل کی ہوا بھی نہیں لگتی تھی، اس لیے انہوں نے نہایت بیباکی سے اپنے پیغمبروں کی طرف ہر قسم کے گناہ منسوب کر دیئے، عیسائی ایک حضرت عیسیٰ کو تو معصوم کہتے ہیں، باقی سب کی گنہگاری کے قائل ہیں لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کی عظمت کی ایک ہی سطح قائم کی ہے، اس کے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عصمت تمام انبیاء اور مرسلین کا مشترک وصف ہے، کیونکہ گنہگار، گنہگاروں کی رہنمائی کا مستحق نہیں۔ اور اندھا اندھے کو راہ نہیں دکھا سکتا، اس بنا پر محمد رسول اللہ ﷺ کی وحی و تعلیم نے خدا کے تمام معصوم رسولوں کی عظمت وجلالت دنیا میں قائم کی اور جن کور باطنوں نے ان کی عصمت و بے گناہی کے دامن پر اپنے وہم ونادانی سے داغ لگائے تھے، ان کو دھو کر پاک وصاف کیا، اور یہ رسالت محمدی ﷺ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

خود انجیل کے طرز سے ظاہر تھا کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے، قرآن نے اس کی تردید کی، اور حضرت عیسیٰ کی زبان سے کہلوایا: ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا﴾

''اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا، اور مجھ کو خدا نے جبار اور بدبخت نہیں بنایا۔''

کیونکہ احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بدبختی تھی، اسی طرح موجودہ انجیل نے حضرت عیسیٰؑ پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ نماز و روزہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے، قرآن نے ان کی زبان سے کہلوایا: ﴿وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَیًّا﴾ ''اور خدا نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں جیتا رہوں۔'' یہود حضرت مریمؑ پر تہمت رکھتے تھے، قرآن نے اس الزام کو دور کیا، اور کہا: ﴿وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ﴾ ''اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے پروردگار کی باتوں اور اس کی کتابوں کو سچ جانا، اور وہ بندگی کرنے والوں میں تھی۔''

وہم پرست یہود حضرت سلیمان کو گنڈہ تعویذ اور عملیات وغیرہ کا موجد سمجھتے تھے، حالانکہ سحر و جادو وغیرہ کو تورات میں شرک قرار دیا گیا تھا، قرآن نے علانیہ یہودیوں کے اس الزام کی تردید کی۔ ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾

''اور سلیمان نے کفر کا کام نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کیا وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔'' اسی طرح حضرت لوطؑ پر بدکاری کا جو الزام یہود لگاتے ہیں اس کی تردید کی، اوپر گزر چکا ہے کہ قرآن نے یا آنحضرت ﷺ نے دنیا کے تمام پیغمبروں کے نام نہیں لیے ہیں کہ صرف ناموں کی فہرست یا نامعلوم اشخاص کے نام لے لینے سے دلوں میں جوش عقیدت نہیں پیدا ہوسکتا، تاہم معلوم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی صدائے دعوت ایک دن دنیا کے کناروں تک پہنچے گی اور بہت سی غیر قومیں اور دوسرے انبیاء کی امتیں اس حلقہ میں داخل ہونگی، اور اپنے اپنے انبیاء کا نام و نشان صحیفہ محمدی ﷺ میں تلاش کریں گی، اس لیے ایک جامع آیت میں تمام انبیاء کا

تذکرہ کر دیا گیا اور ان کی صداقت کی پہچان بتا دی گئی فرمایا:

﴿اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ. وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا. وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ، وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا. رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا﴾

''ہم نے (اے محمد) تمہارے پاس وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد کے پیغمبروں کے پاس بھیجی اور ہم نے ابراہیمؑ کو اور اسماعیلؑ کو اور اسحاقؑ کو اور یعقوبؑ کو اور ان کے خاندان کو اور عیسیٰؑ کو اور ایوبؑ کو اور یونسؑ کو اور ہارونؑ کو سلیمانؑ کو وحی بھیجی اور داؤدؑ کو زبور عطا کی اور دوسرے رسولوں کو بھیجا جن کا حال تم سے ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور ان رسولوں کو جن کا حال ہم نے تم سے بیان نہیں کیا، اور خدا نے موسیٰ سے بات کی، اور ان رسولوں کو خوشخبری سنانے والا ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا تا کہ لوگوں کو رسولوں کے آ جانے کے بعد خدا کے آگے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور خدا غالب و دانا ہے۔''

انبیاء کے متعلق یہی حقیقت سورۂ مؤمن میں دوبارہ بیان کی گئی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ﴾ ''اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ان میں کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا،''

تعلیماتِ محمدی ﷺ کی انبیاء کرامؑ کے بارے میں وسعتِ نظری

تعلیم محمدی ﷺ کے اصول کے مطابق یہ یقین کرنا ضروری ہے کہ دنیا کی بڑی قوموں اور ملکوں جیسے چین، ایران، ہندوستان میں بھی آنحضرت ﷺ سے پہلے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں اور اس لیے یہ تمام قومیں اپنے جن بزرگوں کی عزت وعظمت کرتی ہیں اور اپنے دین و مذہب کی جن کی طرف منسوب کرتی ہیں ان کی صداقت اور راستبازی کا قطعی انکار کوئی

مسلمان نہیں کر سکتا، اسی بناء پر بعض علماء نے ہندوستان کے کرشن اور رام کو بلکہ ایران کے زردشت کو بھی اور بعض صاحبوں نے بودھ تک کو پیغمبر کہا ہے، بہر حال امکان میں تو شک ہی نہیں، لیکن یقین کے ساتھ ان ناموں کی تعیین بھی حد سے تجاوز ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن نے انبیاء کی دو قسمیں کی ہیں ایک وہ جن کے ناموں کی اس نے تصریح کی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام اس نے بیان نہیں کئے ہیں، اس لیے صحیح یہ ہے کہ جن انبیاء کے نام مذکور ہیں، تمام مسلمانوں کو ان پر نام بنام ایمان لانا چاہیئے، اور جن کے نام مذکور نہیں، معلوم ہیں وہ قومیں جن کا نام لیتی ہیں، اگر ان کی زندگی اور ان کی تعلیم نبوت اور رسالت کی شان کے مطابق ہیں، تو ان کی نبوت اور رسالت کی طرف رجحان اور میلان بلکہ قرینہ غالب ہوسکتا ہے، لیکن یقین اس لیے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ان باتوں پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف وحی ہے، اور وہ اس تخصیص وتعیین سے خاموش ہے۔

اس قسم کے انبیاء کے نام گو قرآن میں مذکور نہیں، مگر وہ آنحضرت ﷺ کے پہلے گزر چکے ہیں، اور ان کے پیروان کو اپنے ہاں نبوت ورسالت کا درجہ دیتے ہیں، ان کی شناخت اور پہچان کا ایک اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم دی ہے۔

﴿ولَقَد بَعَثنَا فِی کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُولًا اَنِ اعبُدُوااللہَ وَاجتَنِبُواالطَّاغُوت﴾

''اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو، اور جھوٹے معبود سے بچے رہو۔''

﴿وَمَا اَرسَلنَا مِنْ قَبلِکَ مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا نُوحِیْ اِلَیہِ اَنَّہٗ لَااِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعبُدُونَ﴾ ''اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا، لیکن اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں، مجھی کو پوجو۔''

اس لئے وہ تمام قدیم رہبران انسانی اور رہنما عالم جو دنیا میں کسی مذہب کو لائے، اور جن کی تبلیغ وتعلیم توحید کی دعوت اور بت پرستی سے اجتناب تھی، اور جن کی زندگی اس تعلیم کے شایان شان تھی، ان کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنی قوم کے اور اپنے وقت کے رسول اور پیغمبر نہ تھے کہ اتنی بڑی بڑی قومیں خود قرآن کے اصول کے مطابق انبیاء اور رسولوں

کے وجود سے خالی نہیں رہ سکتی تھی، اسی بناء پر اسلام کی ان تلقینات میں سے جن کے تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا، ایک یہ بھی ہے کہ وہ تمام ملکوں کے پیغمبروں اور تمام قوموں کے رسولوں کو جو حضرت خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ سے پہلے پیدا ہوئے یکساں صداقت کے ساتھ تسلیم کرے، ان سب نے تمام دنیا کو ایک ہی تعلیم دی ہے اور وہ توحید ہے۔

البتہ انبیاءؑ میں سے بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے

البتہ ان انبیاء میں سے ایک کو دوسرے پر بعض بعض حیثیتوں سے ترجیح ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ. وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. (سورۂ بقرہ)

”ان رسولوں میں سے ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی، ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام کیا اور کسی کے بہت درجے بڑھائے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو نشانیاں دیں اور پاکی کی روح سے اس کی تائید کی۔“

آپ ﷺ نے دوسرے انبیاء کی جائز تعظیم وتکریم یہاں تک کی ہے کہ ان کے مقابلہ میں کبھی کبھی اپنی پستی بھی فراموش کردی ہے، ایک دفعہ ایک صحابی نے آپ کو یا خیر البدیہ، اے بہترین خلق کہہ کر خطاب کیا، فرمایا، وہ تو ابراہیم تھے۔ (بحوالہ مسند احمد)

ایک دفعہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سب سے عالی خاندان کون تھا؟ فرمایا: یوسف پیغمبر بن پیغمبر بن پیغمبر بن خلیل اللہ۔ (بخاری شریف)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی مدینہ میں کہہ رہا تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو بشر پر فضیلت دی، ایک مسلمان یہ کھڑے سن رہے تھے، ان کو غصہ آگیا کہ ہمارے پیغمبر کی موجودگی میں تم یہ کیا کہہ رہے ہو، اور اس کو ایک تھپڑ کھینچ مارا، اس نے دربار نبوی میں جاکر شکایت کی آپ ﷺ نے صحابی کو بلا بھیجا اور مقدمہ کی روداد سنی، پھر برہم ہوکر فرمایا کہ پیغمبروں میں باہم ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو یعنی ایسی فضیلت جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص ہوتی ہو۔

یہی وہ تعلیمات محمدی ﷺ ہیں، جن کے ذریعہ سے دنیا میں وحدت مذاہب، روحانی مساوات، انسانی اخوت اور تمام انبیاء اور پیغمبروں کے ادب واحترام کے جذبات پیدا ہوئے، بنی اسرائیل کے وہ پیغمبر جن کو ماننے والے تمام دنیا میں چندلاکھ سے زیادہ نہ تھے، محمد رسول اللہ کے ذریعہ سے ان کی عظمت وجلالت اور ادب واحترام کرنے والے چالیس کروڑ سے زیادہ ہوگئے، وہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جو چھ سو برس تک یہودیوں کی جھوٹی تہمت سہتے رہے محمد رسول اللہ ﷺ نے آکر دفعۃً اس کو مٹادیا اور ان کی پاکی کی گواہی دی جس کی بدولت آج چالیس کروڑ زبانیں ان کی عصمت کی شہادت دے رہی ہیں، ہندوستان، ایران، چین جن کے سچے رہنماؤں کا ان کے ملک سے باہر کوئی ادب واحترام نہ تھا جہاں جہاں مسلمان گئے، ان کے جائز ادب واحترام کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔

وہ عرب جو پیغمبروں کے ناموں تک سے ناواقف تھے، جو نبوت ورسالت کے خصائص کے علم سے محروم تھے، جو انبیاء اور رسولوں کی سیرتوں سے ناآشنا تھے، جو ان کے ادب واحترام اور تصدیق واعتراف سے بیگانہ تھے، جن کو اپنے دیوتاؤں کے سامنے عیسیٰؑ بن مریم پر تحقیرانہ ہنسی آتی تھی، اور جو حضرت موسیٰ کی فضیلت کا ذکر سن کر اپنے غصہ کو ضبط نہیں کرسکتے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے ان کا یہ حال ہوا کہ وہ ایک ایک پیغمبر کے نام ونشان اور تاریخ وسیرت سے واقف ہوگئے اور تبرکاً ان کے ناموں پر اپنی اولادوں کے نام رکھنے لگے، اور جو آج بھی تمام مسلمانوں میں شائع اور رائج ہیں، انہوں نے پیغمبروں کی صداقت اور سچائی کی گواہی دی، ان کے ادب واحترام کو اپنے سینوں میں جگہ دی، ان کی تعظیم وتکریم کو اپنے دین وایمان کا جزو بنالیا، دنیا کی کسی قوم میں یہ رواج نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے نام ادب سے لئے جائیں، مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب کسی پیغمبر کا نام لے تو ادب سے لے اور ان پر درود وسلام پڑھے۔

(بحوالہ جستہ جستہ از سیرت النبی ﷺ جلد چہارم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۲۶

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیّین بنا کر مبعوث فرمایا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھبیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیّین بنا کر مبعوث فرمایا" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بھی بخشش ہو جائے گی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روز قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، بس اسی امید پر باوجود لوگوں کے اژدھام ہونے کے آقا ﷺ کی محبت میں لکھ رہا ہوں زبان پر درود جاری ہے، اور جس قدر روضہ مبارک کے سائے میں درود پڑھتا ہوں ایمانی کیفیت میں اضافہ نظر آتا ہے اور قلم چلاتے ہوئے ایک روحانی سرور نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی امتیازی، نمایاں اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف حضور ﷺ کو خاتم النبیین بنایا دیگر انبیاء کے بعد انبیاء اکرامؑ آتے رہے لیکن ہمارے نبی ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آیا ہے اور نہ آئے گا اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں، جو بھی اس عقیدے میں لچک رکھے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، کیونکہ آپ ﷺ کی ختم نبوت کا عقیدہ ایمان کا جزو لاینفک ہے، جیسا کہ

آنے والے اوراق میں اس کی مکمل تفصیل پیش کی گئی ہے جس کے لئے ہم نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھا ہے، امید ہے کہ اگر دلجمعی اور توجہ کے ساتھ آنے والے مضامین کو پڑھ لیا گیا تو انشاء اللہ عقیدہ ختم نبوت اچھی طرح سمجھ میں آجائے گا، اور دوسروں کو بھی سمجھانا آسان ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حضور ﷺ کے خاتم النبیّین ہونے کے عقیدے پر جمنے اور حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور ﷺ کی تعلیمات کو ساری دنیا میں عام کرنے کے لئے ہمیں اپنی جان، مال وقت لگانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

چھبیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سرور دو عالم فخر بنی آدم آقائے دوجہاں نبی عالمین امام النبین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرت سیدنا ومولانا وشفیعنا رسول اکرم آله واصحابه وازواجه وذریاته وسلم محض نبی ہی نہیں بلکہ خاتم النبیّین ہیں اور ختم کے معنی انتہا کر دینا اور کسی چیز کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہیں اس لئے خاتم النبیین کے معنی نبوت کو انتہا تک پہنچا دینے کے ہوئے، اور کسی چیز کے انتہا تک پہنچ جانے کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی آخری حد پر آجائے، کہ اس کے بعد کوئی اور درجہ باقی نہ رہے، جس تک وہ پہنچے اس لئے ختم نبوت کے معنی ہوئے کہ نبوت اپنے تمام درجات ومراتب کی آخری حد تک آگئی اور نبوت کا کوئی درجہ اور مرتبہ نہیں رہا، کہ جس تک وہ آئے اور اس کے لئے حرکت کر کے آگے بڑھے۔

اس سے ''خاتم النبیین'' کے حقیقی معنی یہ نکلے کہ خاتم پر نبوت اور کمالات نبوت تمام، مراتب پورے ہوگئے اور نبوت اپنے عملی اور اخلاقی کمالات مکمل کر کے ایسے انتہائی مقام پر آگئی کہ بشریت کے دائرے میں نہ علمی کمال کا کوئی حصہ باقی رہا نہ اخلاقی قدرروں کا کوئی مرتبہ کہ جس کے لئے نبوت خاتمیت لے کر آگے بڑھے، اور اس درجہ یا قدر

تک پہنچے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت و قطع رسالت کے نہیں کہ نبوت کی نعمت باقی نہ رہی، یا اس کی ضرورت کا وقت زائل ہو گیا، بلکہ تکمیل نبوت کے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوا کہ خاتم النبیین رسولِ اکرم ﷺ کی ذات پر تمام کمالات نبوت اپنی انتہا تک پہنچ کر مکمل ہو گئے جو پچھلے انبیاءؑ تک نہ ہوئے تھے، اور اب جو نبوت دنیا میں قائم ہے وہ خاتم کی انتہاء ہے، اس کامل نبوت ﷺ کے بعد کسی نئی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی نہ یہ کہ نبوت دنیا سے منقطع ہو گئی اور چھین لی گئی۔ معاذ اللہ

اس کا قدرتی ثمرہ یہ نکتہ ہے کہ نبوت جب سے شروع ہوئی اور جن کمالات کو لے کر شروع ہوئی اور آخر کار جس حد پر آ کر رکی اور ختم ہوئی اس کے اول سے لیکر آخر تک جس قدر بھی کمالات دنیا میں وقتاً فوقتاً آئے اور طبقہ انبیاء میں سے کسی کو ملے وہ سب کے سب خاتم النبیین میں آ کر جمع ہو گئے۔ جو خاتم سے پہلے اس کمال جامیت کے ساتھ کسی میں جمع نہیں ہوئے تھے، ورنہ جہاں یہ اجتماع ہوتا وہیں پر نبوت ختم ہو جاتی اور آگے بڑھ کر یہاں تک نہ پہنچتی، اس لئے خاتم النبیین کا جامع علوم نبوت جامع اخلاق نبوت، جامع احوال نبوت اور جامع جمیع شئون نبوت ہونا ضروری ٹھہرا جو غیر خاتم کے لئے نہیں ہو سکتا ورنہ وہی خاتم بن جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ جب انہی کمالات علم و عمل پر شریعتوں کی بنیاد ہے جو اپنی انتہائی حدود کے ساتھ خاتم النبیین میں جمع ہو کر اپنے آخری کنارے پر پہنچ گئے جن کا کوئی درجہ باقی نہ رہا کہ اسے پہنچانے کے لئے خدا کا کوئی اور نبی آئے تو اس کا صاف مطلب یہ نکلا کہ شریعت و دین بھی آ کر خاتم پر ختم یعنی مکمل ہو گیا، اور شریعت دین کا بھی کوئی تکمیل طلب حصہ باقی نہیں رہا کہ اسے پہنچانے اور مکمل کرنے کے لئے کسی اور نبی کو دنیا میں بھیجا جائے۔

اس لئے خاتم النبیین کے لئے خاتم الشرائع خاتم الادیان اور خاتم الکتب یا بالفاظ دیگر کامل الشریعت و کامل الدین اور کامل ہونا بھی ضروری اور قدرتی نکلا ورنہ ختم نبوت کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ کامل ہی ناقص کے لئے ناسخ بن سکتا ہے نہ کہ

برعکس، اس لئے شریعتِ محمدی ﷺ بوجہ اپنے انتہائی کمال اور نا قابل تغیر ہونے کے سابقہ شرح کومنسوخ کرنے کی حقدار ٹھہرتی ہے اور ظاہر ہے کہ ناسخ آخر میں آتا ہے اور منسوخ اس سے مقدم ہوتا ہے۔

اس لئے اس شریعت کا آخر میں آنا اور اس کے لانے والے کا سب کے آخر میں مبعوث ہونا بھی ضروری تھا، اس لئے خاتم النبیّین ہونے کے ساتھ آخر النبیّین بھی ثابت ہوئے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا زمانہ سارے انبیاءؑ کے زمانوں کے بعد میں ہو کیوں کہ آخری عدالت جوابتدائی عدالت کے فیصلوں کومنسوخ کرتی ہے آخر ہی میں رکھی جاتی ہے۔

پھر ساتھ ہی جب خاتم النبیین کے معنی منتہائے کمالات نبوت کے ہوئے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہی پر آکر ہر کمال ختم جاتا ہے تو یہ ایک طبعی اصول ہے جو وصف کسی پر ختم ہو جاتا ہے تو اسی سے شروع بھی ہوتا ہے جو کسی چیز کا منتہا ہوتا ہے وہی اس کا مبدأ بھی ہوتا ہے اور جو شئے کسی کے حق میں خاتم یعنی مکمل ہوتا ہے وہی اس کے حق میں فاتح اور سرچشمہ بھی ہوتا ہے، ہم سورج کو کہیں کہ وہ خاتم الانوار ہے جس پر نور کے تمام مراتب ختم ہو جاتے ہیں، تو قدرتاً اسی کو سرچشمہ انوار بھی ماننا پڑے گا۔

اس لئے روشنی کے حق میں سورج کو ختم کہہ کر فاتح بھی کہنا پڑے گا یا جیسے کسی بستی کے واٹرورکس کو ہم خاتم المیاہ (پانیوں کی آخری حد) کہیں جس میں شہر کے سارے نلوں اور ٹینکوں کے پانیوں کی انتہا ہو جاتی ہے، تو اسی کو ان پانیوں کا سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا۔ کہ پانی چلا بھی یہیں سے ہے۔ جو نلوں اور ٹینکیوں میں پانی آیا، اور جس کو بھی پانی ملا اس کے فیض سے ملا ہے۔

پس وجود کے حق میں ذات خداوندی ہی اول وآخر اور مبتداء منتہا ثابت ہوئی ہے، ٹھیک اسی طرح جبکہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا ''خاتم النبیین'' ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا اور اس کے معنی بھی واضح ہو گئے کہ نبوت اور کمالات نبوت رسولِ اکرم ﷺ ہی پر پہنچ کر ختم ہو گئے اور رسولِ اکرم ﷺ ہی کمالات علم کے منتہاء ہوئے تو اصولِ مذکورہ کی رو سے رسولِ

اکرم ﷺ ہی کو ان کمالات بشری کا مبداء اور سرچشمہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسولِ اکرم ﷺ ہی سے ان کمالات کا افتتاح اور آغاز بھی ہوئے اور جسے بھی نبوت یا کمالات نبوت کا کوئی کرشمہ ملا وہ رسولِ اکرم ﷺ ہی کے واسطے اور فیض سے ملا۔

اصول مذکورہ کی رو سے دائرہ نبوت میں جب جنابِ رسولِ اکرم ﷺ خاتم نبوت ہوئے تو رسولِ اکرم ﷺ ہی فاتح نبوت ہوئے، اگر نبوت رسولِ اکرم ﷺ پر رکی اور منتہی ہوئی تو آپ ﷺ ہی سے یقیناً چلی بھی اور شروع بھی ہوئی اس لئے آپ ﷺ نبوت کے خاتم بھی ہیں، اور آپ ﷺ ہی نبوت کے فاتح بھی ہیں۔ آپ ﷺ اخیر میں بھی ہیں اور اول میں بھی ہیں۔ ﴿انی عبد اللّٰہ و خاتم النبیین.﴾ (البیہقی والحاکم)

اور میں اللہ کا بندہ اور خاتم النبیّن ہوں۔ جہاں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے نبوت کو ایک قصر سے تشبیہ دے کر اپنے کو اس کی آخری اینٹ بتایا جس پر اس عظیم الشان قصر کی تکمیل ہوگئی۔ فانا سددت موضع اللبنة وختم بی اللبنات وختم بی الرسله (کنز العمال)

''پس میں نے ہی قصر نبوت کی آخری اینٹ کی جگہ کو پر کیا ہے۔ اور مجھ پر ہی یہ قصر مکمل کر دیا گیا۔ اور مجھ ہی پر رسول ختم کر دیئے گئے، کہ میرے بعد اب کوئی رسول آنے والا نہیں۔'' وہیں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے کو قصر نبوت کی اولین خشت اور سب سے پہلی اینٹ بھی بتلایا، فرمایا: ﴿کنت نبیا و الاٰدم بَینَ الرُّوحِ و الجَسَدِ﴾ ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور بدن ہی کے درمیان تھے۔''

چنانچہ ایک روایت میں اس فاتحیت اور خاتمیت کو ایک جگہ جمع فرماتے ہوئے ارشاد ہوا (جو حدیث قتادہ کا ایک ٹکڑا ہے) کہ: ﴿جعلنی فاتحا و خاتما. (خصائص کبریٰ)

''اور مجھے اللہ تعالیٰ نے فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔''

پھر چونکہ خاتم ہونے کے لئے اول و آخر ہونا بھی لازم تھا تو حدیث ذیل میں اسے بھی واضح فرما دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو رسولِ اکرم ﷺ کا نور دکھلاتے ہوئے بطور تعارف کہا گیا کہ ھٰذا ابنک احمد ھو الاول والاٰخر (کنز العمال)

''یہ تمہارا بیٹا احمد ہے جو (نبوت میں) اول بھی ہے اور آخر بھی ہے۔''

پھر حدیث ابو ہریرہؓ میں اس اولیت و آخریت جیسی اضداد کے جمع ہونے کی نوعیت پر روشنی ڈالی گئی کہ **کنت اول النبیین فی الخلق و اٰخر ھم فی البعث** (ابونعیم فی الدلائل)

''میں نبیوں میں سب سے پہلا ہوں بلحاظ پیدائش کے اور سب سے پچھلا ہوں بلحاظ بعثت کے۔'' اندریں صورت یہاں یہ ماننا پڑے گا جو کمال بھی کسی نبی میں تھا وہ بلا شبہ رسولِ اکرم ﷺ میں بھی تھا، وہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رسولِ اکرم ﷺ میں وہ کمال سب سے پہلے تھا اور سب سے بڑھ چڑھ کر تھا، اور امتیاز فضیلت کی انتہائی شان لئے ہوئے تھا اور یہ کہ وہ کمال آپ ﷺ میں اصل تھا اور اوروں میں آپ ﷺ کے واسطہ سے تھا۔

پس رسولِ اکرم ﷺ جامع کمالات ہی نہیں بلکہ خاتم کمالات اور خاتم کمالات ہی نہیں بلکہ فاتح کمالات اور سر چشمہ کمالات اور فاتح کمالات ہی نہیں بلکہ منتہائے کمالات اور منتہائے کمالات ہی نہیں بلکہ اعلی الکمالات اور افضل الکمالات ثابت ہوئے کہ رسولِ اکرم ﷺ میں کمال ہی نہیں بلکہ کمال کا آخری اور انتہائی نقطہ ہے۔ جس کے فیض سے اگلے اور پچھلے باکمال بنے۔ پس اول مخلوق یعنی اول ما خلق اللہ نوری کا مصداق، نورالٰہی کا جو نقش کامل اپنی استعداد کامل سے قبول کر سکتا ہے اس کی توقع بالواسطہ اور ثانوی نقوش سے اثر لینے والوں سے نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آ جاتی ہے۔ جو کہ کمالات انبیاء سابقین کو الگ الگ دیئے گئے، وہ سب کے سب اکٹھے کر کے اور ساتھ ہی اپنے انتہائی اور فائق مقام کے ساتھ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کو عطا کئے گئے۔ اور جو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ میں مخصوص کمالات ہیں وہ الگ ہیں۔ (جستہ جستہ از بحوالہ دینی دستر خوان جلد اول)

ختم نبوت سے متعلق ایک حدیث کی وضاحت

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری اور دوسرے تمام

انبیاءؑ کی مثال اس محل کی سی ہے جس کے در و دیوار نہایت شاندار اور عمدہ ہوں، لیکن اس دیوار میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی ہو اور جب لوگ اس محل کے گرد پھر کر عمارت کو دیکھیں تو عمارت کی شان وشوکت اور در و دیوار کی خوشنمائی انہیں حیرت میں ڈال دے مگر ایک اینٹ کے بقدر اس خالی جگہ کو دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہو پس میں اس اینٹ کی جگہ کو بھرنے والا ہوں اس عمارت کی تکمیل میری ذات سے ہے اور انبیاء و رسل کے سلسلہ کا اختتام مجھ پر ہو گیا ہے۔" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: "پس میں ہی وہ اینٹ ہوں (جس کی جگہ خالی رکھی گئی تھی) اور میں ہی نبیوں کے سلسلہ کو پایۂ اختتام تک پہنچانے والا ہوں۔"

تشریح...... یہ حدیث رسولِ اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے دنیا میں اپنے رسول اور نبی بھیجنے کا جو سلسلہ انسان اول حضرت آدمؑ سے شروع کیا تھا وہ رسولِ اکرم ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا، رسولِ اکرم ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی اور رسول اس دنیا میں آیا ہے اور نہ کبھی آئندہ آئے گا۔

اسی حقیقت کو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے بڑے نفسیاتی طریقہ سے ایک مثال کے ذریعہ فرمایا کہ: "مجھ سے پہلے دنیا میں جتنے اور رسول آئے، اور وہ خدا کی طرف سے جو شریعت، آئینِ ہدایت، علم و دین اور پیغام و احکام لائے ان کے مجموعہ کو ایک ایسا محل تصور کرو جو نہایت شاندار مضبوط اور پختہ اور دیدہ زیب ہو، لیکن اس کی دیوار میں ایک اینٹ کے برابر خالی جگہ چھوڑ دی گئی ہو اور خالی جگہ کسی ایسے شخص کی منتظر ہو جو آ کر اس کو پر کر دے اور اس خالی جگہ کے نقش کو پورا کر کے محل کی تعمیر کا سلسلہ ختم کر دے۔"

پس رسولِ اکرم ﷺ کے آنے سے پہلے آنے والے انبیاءؑ کی بعثت، ان کی لائی ہوئی شریعت و ہدایت اور ان کے تبلیغ و ارشاد کے ذریعہ دین کا محل گویا تیار ہو چکا تھا، لیکن کچھ کسر باقی رہ گئی تھی، اور وہ کسر ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ سے پوری ہو گئی ہے، اور اب نہ خدا کا دین ناقص ہے، اور نہ شریعت حقہ غیر مکمل ہے، اور نہ ہی کسی نبی کے آنے کی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

ختم نبوت کا معنی ومطلب اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت

اب ذیل میں ہم قرآن وحدیث کی روشنی میں ختم نبوت کا معنی اور عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کو پیش کر رہے ہیں، جس کے لئے ہم نے اپنے اکابرین کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے خصوصاً مناظر ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کی کتاب ''آئینہ قادیانیت'' سے استفادہ کیا ہے ملاحظہ فرمایئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے سلسلۂ نبوت کی ابتدأ سیدنا آدمؑ سے فرمائی اور اس کی انتہار سولِ اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر فرمائی، آپ ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی، آپ ﷺ آخر الانبیاء ہیں، آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا جائے گا، اس عقیدہ کو شریعت کی اصطلاح میں عقیدہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت

ختم نبوت کا عقیدہ ان اجماعی عقائد میں سے ہے جو اسلام کے اصول اور ضروریات دین میں شمار کئے گئے ہیں، اور عہد نبوت سے لے کر اس وقت تک ہر مسلمان اس پر ایمان رکھتا آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ بلا کسی تاویل اور تخصیص کے خاتم النبیین ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید کی ایک سو آیات کریمہ اور آپ ﷺ کی احادیث متواترہ (دوسودس احادیث مبارکہ) سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی امت کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر منعقد ہوا۔

چنانچہ امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنی آخری کتاب ''خاتم النبیین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''واول اجماعے کہ دریں امت منعقد شدہ اجماع بر قتل مسیمہ کذاب بودہ کہ بسبب دعویٰ نبوت بود، شنائع دگروے صحابہؓ رابعد قتل وے معلوم شدہ، چنانکہ ابن خلدون آوردہ سپس اجماع بلافصل قرناً بعد قرن بر کفر وارتداد وقتل مدعی نبوت ماندہ وہیچ تفصیلے از بحث

نبوت تشریعیہ وغیرہ تشریعیہ نبودہ۔"

ترجمہ:...... "اور سب سے پہلا اجماع جو اس امت میں منعقد ہوا وہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر اجماع تھا، جس کا سبب صرف اس کا دعویٰ نبوت تھا، اس کی دیگر گھناؤنی حرکات کا علم صحابہ کرامؓ کو اس کے قتل کے بعد ہوا تھا، جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے، اس کے بعد قرناً بعد قرنٍ مدعی نبوت کے کفر وارتداد اور قتل پر ہمیشہ اجماع بلا فصل رہا ہے اور نبوت تشریعیہ یا غیر تشریعیہ کی کوئی تفصیل کبھی زیر بحث نہیں آئی۔" (خاتم النبیین ص:۶۷ ترجمہ ص:۱۹۷)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اپنی تصنیف "مسک الختام فی ختم نبوۃ سید الانامؐ" میں تحریر فرمایا ہے کہ: امت محمدیہ (ﷺ) میں سب سے پہلے اجماع جو ہوا، وہ اسی مسلئہ پر ہوا کہ مدعی نبوت کو قتل کیا جائے۔" (احتساب قادیانیت ج:۲)

رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ حیات میں اسلام کے تحافظ ودفاع کے لئے جنگیں لڑی گئیں، ان میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کی کل تعداد ۲۵۹ ہے (رحمۃ للعالمین ج:۲ قاضی منصور پوریؒ)

اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ ودفاع کے لئے اسلام کی تاریخ میں پہلی جنگ جو سیدنا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں لڑی گئی، اس ایک جنگ میں شہید ہونے والے صحابہؓ اور تابعین کی تعداد بارہ سو ہے۔ (جن میں سے سات سو قرآن مجید کے حافظ وعالم تھے۔) (ختم نبوت کامل)

رسولِ اکرم ﷺ کی زندگی کی کل کمائی اور گراں قدر اثاثہ حضرات صحابہ کرامؓ ہیں، جن کی بڑی تعداد اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے جام شہادت نوش کر گئی۔ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے، انہی حضرات صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی حضرت حبیب بن زید انصاری خزرجیؓ کی شہادت کا واقعہ ملاحظہ ہو:

"حضرت حبیب بن زید انصاریؓ کو رسولِ اکرم ﷺ نے یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا، مسیلمہ کذاب نے حضرت حبیبؓ سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب نے فرمایا: "ہاں!......" مسیلمہ نے کہا کہ کیا تم

اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں (مسیلمہ) بھی اللہ کا رسول ہوں؟ حضرت حبیب نے جواب میں فرمایا کہ: "میں بہرہ ہوں یہ تیری بات نہیں سن سکتا۔" مسیلمہ بار بار سوال کرتا رہا، وہ یہی جواب دیتے رہے اور مسیلمہ ان کا ایک ایک عضو کاٹتا رہا حتی کہ حبیبؓ بن زید کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔"

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسئلہ ختم نبوت کی عظمت واہمیت سے کس طرح والہانہ تعلق رکھتے تھے۔ اب حضرات تابعینؒ میں سے ایک تابعیؒ کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو:۔

حضرت ابومسلم خولانیؒ جن کا نام عبداللہ بن ثوبؒ ہے اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرمادیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا، جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے پر مجبور کرتا تھا، اسی دوران اس نے حضرت ابومسلم خولانیؒ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابومسلمؒ نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد (ﷺ) کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابومسلمؒ نے فرمایا: "ہاں!......"

اس پر اسود نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابومسلمؒ کو اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرما دیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسود عنسی اور اس کے رفقاءؓ پر ہیبت سی طاری ہوگئی اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلاوطن کرو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل آجائے۔

چنانچہ انہیں یمن سے جلاوطن کر دیا گیا، یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی

مدینہ منورہ، چنانچہ یہ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتاب رسالت (ﷺ) روپوش ہو چکا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ وصال پا چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبویؐ کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آ کر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی، وہاں حضرت عمرؓ موجود تھے۔ انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: آپ کہاں سے آئے ہیں؟...... یمن سے، حضرت ابو مسلم نے جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: "اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ اور آگ نے ان پر کچھ اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود عنسی نے کیا معاملہ کیا تھا؟ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے۔ اتنی دیر میں حضرت عمرؓ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟ حضرت ابو مسلم خولانیؒ نے جواب دیا: "جی ہاں! حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر فرط مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لے کر حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں پہنچے، انہیں صدیق اکبرؓ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امت محمدیہؐ کے اس شخص کی زیارت کرادی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ (علیہ السلام) جیسا معاملہ فرمایا تھا۔" (تاریخ ابن عساکر و ترجمان السنہ ج:۴)

منصب ختم نبوت کا اعزاز

قرآن مجید میں ذات باری تعالیٰ کے متعلق "رب العالمین"، رسولِ اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے لئے "رحمۃ للعالمین"، قرآن مجید کے لئے "ذکر للعالمین" اور بیت اللہ شریف کے لئے "ھد اللعالمین" فرمایا گیا ہے۔" اس سے جہاں رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی آفاقیت وعالمگیریت ثابت ہوتی ہے، وہاں رسولِ اکرم ﷺ کے وصف ختم کا

اختصاص بھی آپ ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے علاقہ، مخصوص قوم اور مخصوص وقت کے لئے تشریف لائے، جب رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے تو حق تعالیٰ نے کل کائنات کو رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کے لئے ایک اکائی (ون یونٹ) بنادیا۔

جس طرح کل کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ ''رب'' ہیں، اسی طرح کل کائنات کے لئے جنابِ آپ ﷺ ''نبی'' ہیں۔ یہ صرف اور صرف جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا اعزاز واختصاص ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے لئے جن چھ خصوصیات کا ذکر فرمایا ان میں سے ایک یہ بھی ہے: ﴿ارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون﴾ ''میں تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔'' (مشکوٰۃ)

رسولِ اکرم ﷺ آخری نبی ہیں، آپ ﷺ کی امت آخری امت ہے، آپ ﷺ کا قبلہ آخری قبلہ (بیت اللہ شریف) ہے، آپ ﷺ پر نازل شدہ آخری کتاب ہے، یہ سب آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ منصب ختم کے اختصاص کے تقاضے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے پورے کر دیئے۔

چنانچہ قرآن مجید کو ذکر للعالمین اور بیت اللہ شریف کو ھدی للعالمین کا اعزاز بھی رسولِ اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے صدقے میں ملا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی امت آخری امت قرار پائی جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے: ''انا آخر الانبیاءٔ وانتم آخر الامم.'' (ابن ماجہ)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب خصائص الکبریٰ میں رسولِ اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، آپ ﷺ ہی کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ (خصائص الکبریٰ ج:۲)

اسی طرح امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ﴿وخاتم بودن رسولِ اکرم ﷺ ان میان انبیاء از بعض خصائص وکمالات مخصوصہ کمال ذاتی خوداست۔﴾

(خاتم النبیین فارسی)

''اور انبیاءؑ میں رسولِ اکرم ﷺ کا خاتم ہونا، رسولِ اکرم ﷺ کے مخصوص فضائل میں

سے خود رسولِ اکرم ﷺ کا اپنا ذاتی کمال ہے۔" (خاتم النبیین اردو)

آیت خاتم النبیین کی تفسیر

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ أَحدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ولكنْ رَّسولَ اللهِ وخَاتَمَ النَّبِيّين وكانَ اللهُ بِكُلِّ شيءٍ عَلِيماً.﴾ (سورۂ احزاب:۴۰)

ترجمہ:......"محمد ﷺ باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا۔"

آیت خاتم النبیین کا شان نزول

اس آیت شریفہ کا شان نزول یہ ہے کہ آفتاب نبوت (ﷺ) کے طلوع ہونے سے پہلے تمام عرب جن رسومات میں مبتلا تھے ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹے کو تمام احکام واحوال میں حقیقی اور نسبی بیٹا سمجھتے تھے، اس کو بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور مرنے کے بعد شریک وراثت ہونے میں اور رشتے ناطے اور حلت وحرمت کے تمام احکام میں حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے۔ جس طرح نسبی بیٹے کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد باپ کے لئے بیٹے سے نکاح حرام ہے، اسی طرح وہ لے پالک کی بیوی سے بھی اس کے مرنے اور طلاق دینے کے بعد نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ یہ رسم بہت سے مفاسد پر مشتمل تھی: نسب، غیر وارث شرعی کو اپنی طرف سے وارث بنانا، ایک شرعی حلال کو اپنی طرف سے حرام قرار دینا وغیرہ وغیرہ۔

اسلام جو کہ دنیا میں اسی لئے آیا ہے کہ کفر وضلالت کی بے ہودہ رسوم سے عالم کو پاک کرے۔ اس کا فرض تھا کہ اس رسم کے استیصال (جڑ سے اکھاڑنے) کی فکر کرتا، چنانچہ اس نے اس کے لئے دو طریقے اختیار کئے، ایک طریقہ قولی اور دوسرا طریقہ عملی ہے۔ ایک تو یہ اعلان فرمادیا کہ: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَ كُم أَبنآءَ كُم ذٰلِكُم قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ واللهُ يَقُولُ الحَقَ وهُوَ يَهْدِى السَّبِيل اُدْعُوهُم لِاٰبآءِ هِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللّٰهِ. (سورۂ احزاب)

''اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے، یہ تمہاری بات ہے اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک اور بات وہی سمجھتا ہے راہ، پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے، یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں۔

اصل مدعا تو یہ تھا کہ شرکتِ نسب اور شرکتِ وراثت اور احکام وحرمت وغیرہ میں اس کو بیٹا نہ سمجھا جائے، لیکن اس خیال کو بالکل باطل کرنے کے لئے یہ حکم دیا کہ متبنیٰ یعنی لے پالک بنانے کی رسم ہی توڑ دی جائے۔

چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ لے پالک کو اس کے باپ کے نام سے پکارو، نزول وحی سے پہلے رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارث کو (جو کہ رسولِ اکرم ﷺ کے غلام تھے) آزاد فرما کر متبنیٰ (لے پالک بیٹا) بنایا تھا اور تمام لوگ یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ بھی عرب کی قدیم رسم کے مطابق ان کو ''زید بن محمدؐ'' کہہ کر پکارا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی اس وقت سے ہم نے اس طریقے کو چھوڑ کر ان کو ''زید بن حارث'' کہنا شروع کیا۔

صحابہ کرامؓ اس آیت کے نازل ہوتے ہی اس رسم قدیم کو خیر باد کہہ چکے تھے، لیکن چونکہ کسی رائج شدہ رسم کے خلاف کرنے میں اعزہ واقارب اور اپنی قوم وقبیلہ کے ہزاروں طعن وتشنیع کا نشانہ بننا پڑتا ہے، جس کا تحمل ہر شخص کو دشوار ہے، اس لئے خداوند عالم نے چاہا کہ اس عقیدہ کو اپنے رسول ﷺ ہی کے ہاتھوں توڑا جائے۔

چنانچہ حضرت زیدؓ نے اپنی بی بی زینبؓ کو باہمی نا چاقی کی وجہ سے طلاق دے دی تو خداوند عالم نے اپنے رسول ﷺ کا نکاح اس سے کردیا۔ ''زوجنکھا''۔ تا کہ اس رسم وعقیدہ کا کلیۃ استیصال ہوجائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ''فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَراً زَوَّجنكَهَالِكَيْلَايَكُونَ عَلَى الْمُؤمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدعِيآءِ هِم'' (احزاب)

''پس جبکہ زید (رضی اللہ عنہ) زینبؓ سے طلاق دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کردیا، تا کہ مسلمانوں پر اپنے لے پالک کی بیبیوں کے بارے

میں کوئی تنگی واقع نہ ہو۔" ادھر رسولِ اکرم ﷺ کا نکاح حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) سے ہوا، ادھر جیسا کہ پہلے ہی خیال تھا، تمام کفار عرب میں شور مچا کہ لو اس نبی (ﷺ) کو دیکھو کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر بیٹھے۔ ان لوگوں کے طعنوں اور اعتراضات کے جواب میں آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی، یعنی: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖن﴾ (سورۂ احزاب: ۴۰)

"محمد (ﷺ) باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔" اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں تو حضرت زیدؓ کے نسبی باپ بھی نہ ہوئے، لہٰذا رسولِ اکرم ﷺ کا ان کی سابقہ بی بی سے نکاح کر لینا بلاشبہ جائز اور مستحسن ہے، اور اس بارے میں رسولِ اکرم ﷺ کو مطعون کرنا سراسر نادانی اور حماقت ہے۔ ان کے دعوے کے رد کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ حضرت زیدؓ کے باپ نہیں، لیکن خداوند عالم نے ان کے مطاعن کو مبالغہ کے ساتھ رد کرنے اور بے اصل ثابت کرنے کے لئے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا کہ یہی نہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ زیدؓ کے باپ نہیں بلکہ رسولِ اکرم ﷺ تو کسی مرد کے بھی باپ نہیں۔

پس ایک ایسی ذات پر جس کا کوئی بیٹا ہی موجود نہیں یہ الزام لگانا کہ اس نے اپنے بیٹے کی بی بی سے نکاح کر لیا کس قدر کجروی ہے، رسولِ اکرم ﷺ کے تمام فرزندان بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، ان کو مرد کہے جانے کی نوبت ہی نہیں آئی آیت میں "رجالکم" کی قید اسی لئے بڑھائی گئی ہے۔ بالجملہ اس آیت کے نزول کی غرض رسولِ اکرم ﷺ سے کفار منافقین کے اعتراضات کا جواب دینا اور رسولِ اکرم ﷺ کی برأت اور عظمت شان بیان فرمانا ہے اور یہی آیت کا شانِ نزول ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖن﴾ "لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔"

خاتم النبیین کی قرآنی تفسیر

اب سب سے پہلے قرآن مجید کی رو سے اس کا ترجمہ و تفسیر کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ ''ختم'' کے مادہ کا قرآن مجید میں سات مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

۱:......﴿خَتمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ﴾ (سورۂ بقرہ:۷)

''مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر۔''

۲:......﴿ختَمَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ﴾ (سورۂ انعام:۴۶)

''مہر کردی تمہارے دلوں پر۔''

۳:......﴿خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وقَلبِهٖ﴾ (سورۂ جاثیہ:۲۳)

''مہر کردی ان کے کان پر اور دل پر۔''

۴:......﴿اَليَومَ نَختِمُ عَلٰى أَفوَاهِهِمْ﴾ (سورۂ یٰسین:۶۵)

''آج ہم مہر لگائیں گے ان کے منہ پر۔''

۵:......﴿فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَختِمْ علٰى قَلْبِكَ﴾ (سورۂ شوریٰ:۲۴)

''سو اگر اللہ چاہے مہر کرے تیرے دل پر۔''

۶:......﴿رَحيقٍ مَّخْتُوم﴾ (سورۂ مطففین:۲۵)

''مہر لگی ہوئی خالص شراب۔''

۷:......﴿خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ (سورۂ مطففین:۲۶)

''جس کی مہر جمتی ہے مشک پر۔''

ان ساتوں مقام کے اول و آخر، سیاق و سباق کو دیکھ لیں ''ختم'' کے مادہ کا لفظ جہاں بھی استعمال ہوا ہے۔ ان تمام مقامات پر قدر مشترک یہ ہے کہ کسی چیز کو ایسے طور پر بند کرتا اور اس کی ایسی بندش کرنا کہ باہر سے کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے، اور اندر سے کوئی چیز اس سے باہر نہ نکالی جا سکے، وہاں پر ''ختم'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، مثلاً پہلی آیت کو دیکھیں

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے دلوں پر مہر لگادی، کیا معنی؟ کہ کفران کے دلوں سے باہر نہیں نکل سکتا اور باہر سے ایمان ان کے دلوں کے اندر داخل نہیں ہوسکتا۔ فرمایا: "ختم اللّٰہ علی قلوبھم" اب زیرِ بحث آیت خاتم النبیین کا اس قرآنی تفسیر کے اعتبار سے ترجمہ کریں تو اس کا معنی ہوگا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آمد پر حق تعالیٰ نے انبیاءؑ کے سلسلہ پر ایسے طور پر بندش کردی، بند کردیا، مہر لگادی کہ اب کسی کو نہ اس سلسلہ سے نکالا جاسکتا ہے اور نہ کسی نئے شخص کو سلسلہ نبوت میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ "فھو المقصود" لیکن قادیانی اس ترجمہ کو نہیں مانتے۔

خاتم النبیین کی نبوی تفسیر

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔" اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے لفظ "خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ" کی تفسیر "لانَبِیَّ بَعدِی" کے ساتھ خود فرمادی۔

اسی لئے حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت چند احادیث نقل کرنے کے بعد آٹھ سطر پر مشتمل نہایت ایمان افروز ارشاد فرماتے ہیں کہ: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور آپ ﷺ نے حدیث متواتر کے ذریعہ خبر دی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تاکہ لوگوں کو معلوم رہے کہ آپ ﷺ کے بعد جس نے بھی اس مقام (یعنی نبوت) کا دعویٰ کیا وہ بہت جھوٹا، بہت بڑا افترا پرداز، بڑا ہی مکار اور فریبی، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا، اگرچہ وہ خوارقِ عادات اور شعبدہ بازی دکھائے اور مختلف قسم کے جادو اور طلسماتی کرشموں کا مظاہرہ کرے۔"

خاتم النبیین کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے

حضرات صحابہ کرامؓ وتابعین کا مسئلہ ختم نبوت سے متعلق کیا موقف تھا؟ خاتم النبیین

کا ان کے نزدیک کیا ترجمہ تھا؟ اس کے لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ''کتاب ختم نبوت کامل'' کے تیسرے حصہ کا مطالعہ فرمائیں۔ یہاں پر صرف دو تابعین کرامؒ کی آرا مبارک درج کی جاتی ہیں۔ امام ابو جعفر ابن طبرانیؒ اپنی عظیم الشان تفسیر میں حضرت قتادہؒ سے خاتم النبیین کی تفسیر روایت فرماتے ہیں: ﴿عن قتادہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخر ھم.﴾ (ابن جریر)

''حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت کی تفسیر میں فرمایا: اورلیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین یعنی آخر النبیین ہیں۔''

حضرت قتادہ کا یہ قول شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر درّ منثور میں عبدالرزاق اور عبد بن حمید ابن منذر اور ابن ابی حاتم سے بھی نقل کیا ہے۔ (درّ منثور)

اس قول نے بھی صاف وہی بتلا دیا جو ہم اوپر قرآن عزیز اور احادیث سے نقل کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہیں، کیا اس میں کہیں تشریعی غیر تشریعی اور بروزی وظلی وغیرہ کی کوئی تفصیل ہے؟ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت ہی آیت مذکور میں ''ولکن نبینا خاتم النبیین'' ہے۔ جو خود اسی معنی کی طرف ہدایت کرتی ہے جو بیان کئے گئے، اور سیوطی نے درمنثور میں بحوالہ عبد بن حمید حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے: عن الحسن فی قولہ وخاتم النبیین قال ختم اللّٰہ النبیین بمحمد ﷺ وکان آخر من بعث. (درمنثور)

''حضرت حسنؒ سے آیت خاتم النبیین کے بارے میں یہ تفسیر نقل کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو رسولِ اکرم ﷺ پر ختم کر دیا اور رسولِ اکرم ﷺ ان رسولوں میں سے جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے آخری ٹھہرے۔'' کیا اس جیسی صراحتوں کے بعد بھی کسی شک یا تاویل کی گنجائش ہے؟ اور بروزی یا ظلّی کی تاویل چل سکتی ہے؟

خاتم النبیین اور اصحاب لغت

خاتم النبیین ''ت'' کی زبر یا زیر سے ہو قرآن وحدیث کی تصریحات اور صحابہؓ و

تابعینؒ کی تفاسیر اور ائمہ سلف کی شہادتوں سے بھی قطع نظر کرلی جائے اور فیصلہ صرف لغت عرب پر رکھدیا جائے تب بھی لغت عرب یہ فیصلہ دیتی ہے کہ آیت مذکور کی پہلی قرأت پر دو معنی ہوسکتے ہیں، آخرالنبیین اور نبیوں کے ختم کرنے والے، اور دوسری قرأت پر ایک معنی ہوسکتے ہیں، آخرالنبیین اورنبیوں کے ختم کرنے والے، اور دوسری قرأت پر ایک معنی ہوسکتے ہیں یعنی آخرالنبیین۔

لیکن اگر حاصل معنی پر غور کیا جائے تو دونوں کا خلاصہ صرف ایک ہی نکلتا ہے اور بہ لحاظ مراد کہا جاسکتا ہے کہ دونوں قرأتوں پر آیت کے معنی لغتاً یہی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ سب انبیاءؑ کے آخر ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ تفسیر ''روح المعانی'' میں بتصریح موجود ہے: ﴿والخاتم اسم آلة لما يختم به كالطابع لما يطبع به فمعنى خاتم النبيين الذى ختم النبيون به وما له آخر النبيين﴾ (روح المعانی)

''اور خاتم بالفتح اس آلہ کا نام ہے جس سے مہر لگائی جائے، پس خاتم النبیین کے معنی یہ ہوں گے ''وہ شخص جس پر انبیاء علیہم السلام ختم کیے گئے'' اور اس معنی کا نتیجہ بھی یہی آخرالنبیین ہے۔'' اور علامہ احمد معروف بہ ملاجیون صاحب نے اپنی تفسیر احمدی میں اسی لفظ کے معنی کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿والمال على كل توجيه هو الآخرو لذلك فسر صاحب المدارك قرأة عاصم بالآخرو صاحب البيضاوى كل القرأتين بالآخر﴾

''اور نتیجہ دونوں صورتوں (بالفتح و بالکسر) میں وہ صرف معنی آخر ہی ہیں اور اسی لئے صاحب تفسیر مدارک نے قرأت عاصم یعنی بالفتح آخر کے ساتھ کی ہے اور بیضاویؒ نے دونوں قرأتوں کی یہی تفسیر کی ہے۔''

روح المعانی اور تفسیر احمدی کی ان عبارتوں سے یہ بات بالکل روشن ہوگئی کہ لفظ خاتم کے دو معنی آیت میں بن سکتے ہیں، اور ان دونوں کا خلاصہ اور نتیجہ صرف ایک ہی ہے یعنی آخر النبیین اور اسی بنا پر بیضاویؒ نے دونوں قرأتوں کے ترجمہ میں کوئی فرق نہیں کیا، بلکہ دونوں

صورتوں میں آخر النبیین تفسیر کی ہے۔

خداوند عالم ائمہ لغت کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ لفظ خاتم کے معنی کو جمع کر دیا، بلکہ تصریحاً اس آیت شریفہ کے متعلق جس سے اس وقت ہماری بحث ہے صاف طور پر بتلا دیا کہ تمام معانی میں سے جو لفظ خاتم میں لغتاً محتمل ہیں، اس آیت میں صرف یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ سب انبیاءؑ کے ختم کرنے والے اور آخری نبی ہیں۔

ختم نبوت سے متعلق دیگر آیات

سورۂ احزاب کی آیت ۴۰ آیت خاتم النبیین کی تشریح وتوضیح پہلے گزر چکی ہے، اب دوسری آیات ملاحظہ ہوں۔

آیت نمبر ۱...... ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ (توبہ:۳۳، صف:۹)

اور وہ ذات وہ ہے کہ جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ تمام ادیان پر بلند اور غالب کرے۔"

نوٹ......غلبہ اور بلند کرنے کی یہ صورت ہے کہ حضور ہی کی نبوت اور وحی پر مستقل طور پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کو فرض کیا جائے اور تمام انبیاءؑ کی نبوتوں اور وحیوں پر ایمان لانے کو اس کے تابع کر دیا جائے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سب انبیاء کرامؑ سے آخر ہو اور رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کو مشتمل ہو۔ بالفرض اگر حضور ﷺ کے بعد باعتبار نبوت مبعوث ہو تو اس کی نبوت پر اور اس کی وحی پر ایمان لانا فرض ہوگا جو دین کا اعلیٰ رکن ہوگا تو اس صورت میں تمام ادیان پر غلبہ مقصود نہیں ہو سکتا، بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا اور رسولِ اکرم ﷺ کی وحی پر ایمان لانا مغلوب ہوگا کیوں کہ آپ ﷺ پر اور رسولِ اکرم ﷺ کی وحی پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اگر اس نبی اور اس کی وحی پر

ایمان نہ لایا تو نجات نہ ہوگی کافروں میں شمار ہوگا۔ کیوں کہ صاحب الزمان رسول یہی ہوگا، رسولِ اکرم ﷺ صاحب الزمان رسول نہ رہیں گے۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر۲...... ﴿واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جآءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ﴾

(آل عمران:۸۱)

ترجمہ:...... ''جب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے عہد لیا کہ جب کبھی تم کو کتاب اور نبوت دوں، پھر تمہارے پاس ایک ''وہ رسول'' آجائے جو تمہاری کتابوں اور وحیوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ (یعنی اگر تم اس کا زمانہ پاؤ) تو تم سب ضرور اس رسول (ﷺ) پر ایمان لانا ان کی مدد فرض سمجھنا۔''

اس سے بکمال وضاحت ظاہر ہے کہ اس رسول کی بعثت سب نبیوں کے آخر میں ہوگی اس سے مراد رسولِ اکرم ﷺ ہیں۔ اس آیت کریمہ میں دو لفظ غور طلب ہیں، ایک تو ''میثاق النبیین''، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے بارے میں یہ عہد دیگر انبیاءؑ سے لیا گیا تھا۔ دوسرا ''ثم جاءکم'' لفظ ''ثم'' تراخی کے لئے آتا ہے یعنی اس کے بعد جو بات مذکور ہے وہ بعد میں ہوگی اور درمیان میں زمانی فاصلہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی بعثت سب سے آخر میں اور کچھ عرصہ کے وقفہ سے ہوگی۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ کی آمد سے پہلے کا زمانہ، زمانۂ فترت کہلاتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے:

﴿قد جآءکم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل﴾ (مائدہ:۱۹)

آیت نمبر۳ ﴿وما ارسلناک الا کآفۃ للناس بشیرا و نذیرا﴾ (سبا)

''ہم نے تم کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔''

آیت نمبر۴ ﴿قل یآیھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا﴾ (سورۂ اعراف)

''فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

نوٹ...... یہ دونوں آیتیں صاف اعلان کر رہی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ بغیر استثنا

تمام انسانوں کی طرف رسول (ﷺ) ہو کر تشریف لائے ہیں جیسا کہ خود رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ﴿انا رسول من ادرکت حیا ومن یولد بعدی﴾
''میں اس کے لئے بھی اللہ کا رسول ہوں جس کو اس کی زندگی میں پالوں اور اس کے لئے بھی جو میرے بعد پیدا ہو۔'' (خصائص کبریٰ)

پس ان آیتوں سے واضح ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، قیامت تک آپ ﷺ ہی صاحب الزماں رسول ہیں۔ بالفرض اگر آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہو تو آپ ﷺ کافۃ الناس کی طرف اللہ تعالیٰ کے صاحب الزماں رسول نہیں ہو سکتے بلکہ براہ راست مستقل طور پر اسی نبی پر اور اس کی وحی پر ایمان لانا اور اس کو اپنی طرف اللہ کا بھیجا ہوا اور اعتقاد کرنا فرض ہوگا، ورنہ نجات ممکن نہیں اور رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت اور وحی پر ایمان لانا اس کے ضمن میں داخل ہوگا۔ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ۵...... ﴿وَمَا أَرسَلنَاکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعَالَمِینَ﴾ (سورۃ الانبیاء)
''میں نے تم کو تمام جہانوں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

نوٹ...... یعنی جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر ایمان لانا تمام جہان والوں کو نجات کے لئے کافی ہے۔ پس بالفرض رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہوا تو آپ ﷺ کی امت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان فرض ہوگا، اور اگر آپ ﷺ پر ایمان کامل رکھتے ہوئے بھی اس کی نبوت اور اس کی وحی پر ایمان نہ لاوے تو نجات نہ ہوگی اور یہ رحمۃ للعالمین (ﷺ) کے منافی ہے کہ اب جنابِ رسولِ اکرم ﷺ پر مستقلاً ایمان لانا کافی نہیں، آپ ﷺ صاحب الزمان رسول نہیں رہے؟ (معاذ اللہ)

آیت نمبر ٦...... ﴿اَلیومَ اَکمَلتُ لَکُمْ دِینَکُم واَتمَمتُ عَلَیکُمْ نِعمَتِی ورَضِیتُ لَکُمُ الاِسلامَ دِیناً﴾ (سورۂ مائدہ:٣)
''آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔''

نوٹ...... یوں تو ہر نبی اپنے اپنے زمانہ کے مطابق دینی احکام لاتے رہے مگر رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل زمانہ کے حالات اور تقاضے تغیر پذیر تھے اس لئے تمام نبی اپنے بعد آنے والے نبی کی خوشخبری دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مبعوث ہوئے رسولِ اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کے اختتام سے دین پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تو رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت اور وحی پر ایمان لانا تمام نبیوں کی نبوت اور ان کی وحیوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے، اسی لئے اس کے بعد "و أتممتُ عليكُمْ نِعمَتِي" فرمایا۔ "علیکم" یعنی نعمت نبوت کو میں نے تم پر تمام کر دیا، لہٰذا دین کے اکمل اور نعمت نبوت کے تمام کے بعد نہ تو کوئی نیا نبی آ سکتا ہے اور نہ سلسلۂ وحی جاری رہ سکتا ہے۔

اسی وجہ سے ایک یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ: "اے امیر المؤمنین! قرآن کی یہ آیت ہم پر نازل ہوتی ہم اس دن عید مناتے۔" اور رسولِ اکرم ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکیاسی دن زندہ رہے۔ (معارف القرآن ص:۱۴۱ ج۳)

اور اس کے نزول کے بعد کوئی حلال و حرام نازل نہیں ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ آخری نبی اور رسولِ اکرم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کامل و مکمل، آخری کتاب ہے۔

آیت نمبر ۷...... ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ (النساء:۱۳۶)

"ترجمہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولِ محمد ﷺ پر اور اس کی کتاب پر جس کو اپنے رسول (محمد ﷺ) پر نازل کیا ہے اور ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل کی گئیں۔"

نوٹ...... یہ آیت بڑی وضاحت سے ثابت کر رہی ہے کہ ہم کو صرف آپ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاءؑ اور ان کی وحیوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ اگر بالفرض رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی بعہدۂ نبوت مشرف کیا جاتا تو ضرور تھا کہ قرآن کریم اس کی نبوت اور وحی پر ایمان لانے کی بھی تاکید فرماتا، معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم

ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔

آیت نمبر۸...... ﴿والَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِمَا اُنزِلَ اِلَیکَ ومَا اُنزِلَ مِنْ قَبلِکَ وبِالآخِرۃِ ھُم یُوقِنُون اُولئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ المُفْلِحُوْن﴾ (سورۂ بقرہ:۴،۵)

''جو ایمان لاتے ہیں، اس وحی پر جو رسولِ اکرم ﷺ پر نازل کی گئی اور اس وحی پر جو رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے نازل کی گئی اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ خدا کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

آیت نمبر۹...... ﴿لکِنِ الرَّاسِخُونَ فِی العِلمِ مِنھُمْ وَالمُؤمِنُونَ یُؤمِنُونَ بِمَا اُنزِلَ اِلَیکَ وَمَا اُنزِلَ مِنْ قَبْلِکَ﴾ (سورۂ نساء:۱۶۲)

''لیکن ان میں سے راسخ فی العلم اور ایمان لانے والے لوگ ایمان لاتے ہیں، اس وحی پر جو رسولِ اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور جو رسولِ اکرم ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی۔''

نوٹ...... یہ دونوں آیتیں ختم نبوت پر صاف طور پر اعلان کر رہی ہیں بلکہ قرآن شریف میں سینکڑوں جگہ اس قسم کی آیتیں ہیں جن میں رسولِ اکرم ﷺ کی نبوت اور رسولِ اکرم ﷺ پر نازل شدہ وحی کے ساتھ آپ ﷺ سے پہلے کے نبیوں کی نبوت اور ان کی وحی پر ایمان رکھنے کے لئے حکم فرمادیا گیا لیکن بعد کے نبیوں کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ ان دو آیتوں میں صرف آپ ﷺ کی وحی اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی وحی پر ایمان لانے کو کافی اور مدار نجات فرمایا گیا ہے۔

آیت نمبر۱۰...... ﴿اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکْرَوَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُونَ﴾ (سورۂ حجر:۹)

''تحقیق ہم نے قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

نوٹ...... خداوند عالم نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ ہم خود قرآن کریم کی حفاظت فرمائیں گے یعنی محرفین کی تحریر سے اس کو بچائے رکھیں گے قیامت تک کوئی شخص

اس میں ایک حرف اور ایک نقطہ کی بھی کمی زیادتی نہیں کر سکتا، اور نیز اس کے احکام کو بھی قائم اور برقرار رکھیں گے اس کے بعد کوئی شریعت نہیں جو اس کو منسوخ کردے، غرض قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

تنبیہ...... یہ آیتیں بطور اختصار کے ختم نبوت کے ثبوت اور تائید میں پیش کردی گئیں ورنہ قرآن کریم میں سو آیتیں ختم نبوت پر واضح طور پر دلالت کرنے والی موجود ہیں۔

(مزید تفصیل کے لئے دیکھئے "ختم نبوت کامل" از حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ)

ختم نبوت سے متعلق احادیث مبارکہ

حدیث نمبر ۱...... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاءؑ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے بہت ہی حسین محل بنایا مگر اس کے کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ دی، لوگ اس کے گرد گھومنے اور عش عش کرنے لگے کہ یہ ایک اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں وہی (کونے کی آخری) اینٹ ہوں اور میں نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔ (صحیح بخاری)

حدیث نمبر ۲..... حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چھ چیزوں میں انبیاءؑ پر فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔ (۲) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ (۳) مال غنیمت میرے لئے حلال کردیا گیا ہے۔ (۴) روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ (۶) اور "مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے۔ (مسلم شریف)

اس مضمون کی حدیث صحیحین میں حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس کے آخر میں ہے: وکان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة. (مشکوٰۃ)

''پہلے انبیاءؑ کو خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا۔''

حدیث نمبر۳......سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ: ''میرے بعد نبوت نہیں۔'' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی تصنیف ''ازالۃ الخفاء'' میں مآثر علیؓ کے تحت لکھتے ہیں: فمن المتواتر: أنت منی بمنزلة هارون من موسیٰ (ازالۃ الخفاء مترجم)

''متواتر احادیث میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ (علیہما السلام) سے تھی۔''

حدیث نمبر۴......حضرت ابو ہریرہؓ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی قیادت خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اس کی جگہ دوسرا نبی آتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ (بخاری)

نوٹ:......بنی اسرائیل میں غیر تشریعی انبیاء؟ علیہم السلام آتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تجدید کرتے تھے، مگر رسولِ اکرم ﷺ کے بعد ایسے انبیاء علیہم السلام کی آمد بند ہے۔

حدیث نمبر۵......حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کسی قسم کا نبی نہیں۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر۶......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ رسالت و نبوت ختم ہو چکی ہے، پس میرے بعد نہ کوئی رسول ہے

اور نہ ہی کوئی نبی ہے۔ (ترمذی)

حدیث نمبر ۷...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم سب کے بعد آئے اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے، صرف اتنا ہوا کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی۔'' (ترمذی)

حدیث نمبر ۸...... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔ (حوالہ بالا)

حدیث نمبر ۹...... حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: ''میرے چند نام ہیں، میں محمد (ﷺ) ہوں، میں احمد (ﷺ) ہوں، میں ماحی (ﷺ) (مٹانے والا) ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے، اور میں حاشر (ﷺ) (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (ﷺ) (سب کے بعد آنے والا) ہون کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

اس حدیث میں (ﷺ) کے دو اسمائے گرامی (ﷺ) کے خاتم النبیین ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اول ''الحاشر''...... حافظ ابن حجرؒ ''فتح الباری'' میں اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''یہ اس طرف اشارہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی اور کوئی شریعت نہیں...... سو چونکہ امت کے بعد کوئی امت نہیں اور چونکہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، اس لئے حشر کو رسولِ اکرم ﷺ کی طرف منسوب کر دیا گیا، کیوں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد حشر ہوگا۔''

دوسرا اسم گرامی: ''العاقب''، جس کی تفسیر خود حدیث میں موجود ہے یعنی کہ: ﴿الذی لیس بعدہٗ نبی﴾ ''رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔''

حدیث نمبر ۱۰...... متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ﴿بعثت أنا والساعة كهاتين﴾

(مسلم ص:۴۰۶ ج:۲)

''مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا ہے۔''

ان احادیث میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے درمیان اتصال کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی تشریف آوری قربِ قیامت کی علامت ہے اور اب قیامت تک رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ امام قرطبی ''تذکرہ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کے طرح بھیجا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آخری نبی ہوں...... میرے بعد اور کوئی نبی نہیں ...... میرے بعد بس قیامت ہے ...... جیسا کہ انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے متصل واقع ہے...... دونوں کے درمیان اور کئی انگلی نہیں...... اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں۔'' علامہ سندھیؒ ''حاشیہ نسائی'' میں لکھتے ہیں کہ: ''تشبیہ دونوں کے درمیان اتصال میں ہے یعنی دونوں کے باہم ملے جلے ہوئے ہونے میں ہے یعنی جس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی انگلی نہیں، اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے درمیان اور قیامت کے درمیان اور کوئی نبی نہیں۔''

ختم نبوت پر اجماعِ امت

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ ''الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں کہ: ''بے شک امت نے بالاجماع اس لفظ خاتم النبیین سے یہ سمجھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول، اور اس پر اجماع ہے کہ اس لفظ میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں اور اس کا منکر اجماع کا منکر ہوگا۔''

حضرت ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں: **و دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالا جماع.** (شرح فقہ اکبر)

علامہ ابن نجیم مصریؒ (جن کو ابوحنیفہ ثانی کہا جاتا ہے) فرماتے ہیں: **اذا لم یعرف ان محمداً ﷺ اخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات.** (الاشباہ والنظائر)

حافظ ابن کثیرؒ آیت خاتم النبیین کے تحت لکھتے ہیں کہ: ''اور ختم نبوت پر رسولِ اکرم ﷺ سے احادیث متواترہ وارد ہوئی ہیں، جن کو صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت نے بیان فرمایا۔''

اور علامہ سید محمود آلوسی تفسیر روح المعانی میں زیرِ آیت خاتم النبیین لکھتے ہیں کہ: ''اور رسولِ اکرم ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسی حقیقت ہے جس پر قرآن ناطق ہے، احادیث نبویہ نے جس کو واشگاف طور پر بیان فرمایا ہے اور امت نے جس پر اجماع کیا ہے، پس جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔''

پس عقیدہ ختم نبوت جس طرح قرآن کریم کے نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور ہر دور میں امت کا اس پر اجماع واتفاق چلا آیا ہے۔ (چیدہ چیدہ از آئینہ قادیانیت)

اب ذیل میں ہم مشہور اور شہرہ آفاق کتاب رحمۃ للعالمین کے مصنف علامہ سلیمان منصور پوریؒ کی کتاب سے کچھ اقتباس نقل کر رہے ہیں جو موضوع کی مناسبت سے فائدے سے خالی نہیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

خاتم اور ختم دونوں کے ایک معنی ہیں، النبیین کا الف لام جنس جملہ انبیاء ورسل پر حاوی ہے کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ کے وجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک عجیب پیشن گوئی ہے، اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔

ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مبارشی ایسے ہوئے جن پر آکاش پانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دو دو چار چار نبی موجود پائے

گئے مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت ورسالت ہونے کے دعووں کو بلند کیا۔

لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت خاتم النبیین کا اعلان ہوا ہے اور ختم نبوت کا فرمان سنادیا گیا ہے، اس وقت سے ان سب مذاہب وادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے ہیں مجوسی اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ وزرتشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے، آریہ دت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف نہیں سنتا۔ بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتا۔

پیارے قارئین! یہ سب قدرت الٰہیہ کا روشن کارنامہ ہے، جس نے رسولِ اکرم ﷺ کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذاہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، ہی رسول اوتار کیا جائے۔

دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے، کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ (ﷺ) سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔ کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لئے ایسا فرمایا ہے۔

اول...... اس لئے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے، مگر زمانِ مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے، یہاں تو چودہ صدیوں کا زمانہ اور مختلف ومتعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔

دوم...... اگر رسولِ اکرم ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتو رسولِ اکرم ﷺ ایسا کرسکتے تھے۔ کہ اپنے متبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے، اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیہ کی نسبت یہ بات زبان زدعوام ہے کہ انہوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا، اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم...... اگر ثابت بھی ہوجائے

کہ کسی شخص نے ''انا الحق'' بھی کہا، یا ''سبحانی ما اعظم شانی'' بھی کہا، تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا، مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے، ایسے ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

اس کے بعد علامہ سلیمان منصوری پوریؒ رقم طراز ہیں کہ ذیل میں اب ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے، جو ختم نبوت کے حوالے سے رسولِ اکرم ﷺ سے باسناد صحیحہ ثابت ہیں۔

امام بخاری و امام مسلم نے بالاتفاق ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری مثال اور دیگر سب انبیاءؑ کی مثال ایک محل کی سی ہے، جسے خوب بنایا گیا تھا، مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی دیکھنے والے آتے تھے، مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے، اب میں ہوں جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعے ہی سے عمارت ختم ہوئی، اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کئے گئے، اور وہ اینٹ میں ہوں، اور میں سب انبیاء کا ختم کرنے والا ہوں۔''

اور صحیح مسلم میں متفقہ روایت جبیر بن مطعم سے ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی زبان سے سنا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے تھے میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائیں گے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔

ف...... اس حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے محمد، احمد، ان کے معانی نہیں فرمائے، ماحی، حاشر، عاقب، ان کے معانی بتائے، اس سے واضح ہوا کہ محمد اور احمد، ذاتی نام ہیں اور ماحی، حاشر، عاقب، رسولِ اکرم ﷺ کے وصفی نام ہیں۔

اور صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہؓ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے سب انبیاء

پر چھ باتوں میں فضیلت ہے۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔ رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی۔ مالِ غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے۔ مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اور ''مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔'' (مسلم)

ابن جرید اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا: ''لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔''

زرقانی شرح المواہب میں ہے کہ امام احمد اور امام ترمذی امام حاکم نے صحیح اسناد کے ساتھ انسؓ سے روایت کیا ہے، کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔

صحیح مسلم میں ہے رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں تیس شخص ایسے ہوں گے جو کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔''

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتے۔'' سب جانتے ہیں کہ عمر فاروقؓ نبی نہ تھے، ثابت ہو گیا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا۔ جنگ تبوک کے موقع پر جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا۔ سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا علیؓ نے عرض کیا کہ رسولِ اکرم ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لئے ویسے ہی ہو، جیسے ہارون موسیٰؑ کے لئے تھے، ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ (صحیحین)

حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات ربی کے لئے طور پر چالیس یوم ٹھہرے تھے، اور اپنے بعد حضرت ہارونؑ کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو بھی غزوۂ تبوک میں تقریباً

پچاس یوم مدینہ میں رہنے کا اتفاق ہوا، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس واقعہ میں خلافت بعد وفاتِ رسول کا اشارہ تک نہیں، کیوں کہ ہارون علیہ السلام کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہوئی تھی۔

سیدنا علیؓ جب رسولِ اکرم ﷺ کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرمارہے تھے **بابی انت و امی لقد انقطع بموتک ما ینقطع بموت غیرک من النبوۃ الا نباء و اخبار السمآء .** (نہج البلاغت)

''میرے ماں باپ رسولِ اکرم ﷺ پر قربان ہوں رسولِ اکرم ﷺ کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی، جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی، یعنی نبوت اور اخبارِ غیب اور آسمان سے خبر آنا اب ختم ہوگیا۔''

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قدرت قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرمائی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل رسولِ اکرم ﷺ ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہئے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایان ہے کہ اکمال دین اور تمام نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کی خصوصیت ختم المرسلین کو واضح کررہی ہے۔ "**والحمد للّٰہ علی ذٰلک.**"

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر اگر چاہے تو ان تیس کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشاد نبوی (ﷺ) کے سامنے اپنے زعم باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بن جائے۔

(بحوالہ رحمۃ للعالمین جلد سوم)

رسولِ اکرم ﷺ خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کی مشہور کتاب سیرت النبی ﷺ سے ختم نبوت سے متعلق ان کی تحقیق پیش کر دی جائے، بے شک ان حضرات کی تحریرات کا اپنا نور ہے، چنانچہ برکت کے لئے ذیل میں سیرت النبی ﷺ جلد سوم سے کچھ اقتباس نقل کئے جا رہے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمایئے:۔

یہ رعب ونصرت، یہ پیروؤں کی کثرت، یہ سجدہ گاہی عام، یہ اعجاز دوام، یہ جوامع الکلم، یہ دعوت عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیاتِ مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہو گیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہو گئی۔ اسی لئے قرآن پاک نے عہدِ نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ:۔اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (مائدہ)

''آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر کمال کر دی اور تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا''۔

یہ آیت ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، یہ اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے پانچ ہجری میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گزار ہو چکی تھی۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَااَحَدٍمِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (احزاب)

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں''۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے''۔ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی

شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں"۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے، اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اس کے معنی اور انتہا ختم کرنے کے بھی آتے ہیں، قرآن مجید میں یہ معنی مستعمل ہوئے ہیں مثلاً اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ.

"آج (قیامت کے دن) اُن کے منہ پر مہر لگا دیں۔ (یعنی بند کر دیں گے) بول نہ سکیں گے"۔

یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے" کے بالکل ظاہر ہیں۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ. (بقرہ)

"خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگا دی ہے یعنی ان کے دلوں کے دروازے بند کر دیئے۔ کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں، وہ ان کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ. (جاثیہ)

اور خدا نے اس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی یعنی اس کے کان اور دل بند کر دیئے۔" کہ اُس کے کان کے اندر دعوتِ رسول کی آواز اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ. (مطففین)

"اہل جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی۔"

وہ سر بمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھلی نہیں کہ اس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو اور نہ اس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اُس کی تیزی کم ہوگئی ہے اس کے بعد یہ آیت ہے:۔

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ. (مطففین)

"اس کی مہر مشک ہوگی (یا) اس شراب کا آخری مشک ہوگا۔"

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اُس میں سے نکلے گی یا یہ معنی

کے بوتل یا صراحی کا منہ غایت صفائی اور نزاہت کی غرض سے دُنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا مُوم کے بجائے مشکِ خالص سے بند ہوگا۔

بہر حال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں، لفظ خاتم کی دو قراتیں ہیں مشہور قرات تو خاتِم (بکسر تا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے، اور دوسری قرات خاتَم کی ہے جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے تا کہ وہ کھولی نہ جاسکے اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جاسکے"۔ الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ ﷺ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور اُن پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بنا پر وراثت اور حرمتِ نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپؐ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہئے اور اسی طرح آپ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہئے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے، مسند احمد میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت حذیفہؓ اور ترمذی میں صرف حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے۔

﴿وانا خاتم النبیین لانبی بعدی﴾

"بہ تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا"۔ لانبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپؐ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا، اس کے علاوہ آپ ﷺ نے تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت کی

جو مشہور تمثیل بیان کی ہے، اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا "میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں اور اس کی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں، لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا نا تمام نہ رہ جاتا تو خوب ہوتا۔"

اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں: جنکے مفہوم پیشِ خدمت ہیں۔ "تو میں وہی آخری اینٹ ہوں"۔ اور ایک مقام پر فرمایا: "تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں"۔ اور ایک مقام پر فرمایا کہ: "تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں، میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کردیا"۔ اور ایک مقام پر فرمایا کہ: "میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں"۔

آنحضرت ﷺ کے دیگر انبیاء کے مقابلے میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں، ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے، چنانچہ صحیح مسلم کتاب المساجد ترمذی کتاب السیر باب الغنیمہ اور نسائی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

وختم بی النبیین. ترجمہ:۔ "اور انبیاء مجھ سے ختم کئے گئے"۔

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: "پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں"۔

آپ ﷺ کا ختم نبوت ہونا کوئی کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ آپ ﷺ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لئے روز اول سے مقرر ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ انی عبداللّٰہ خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینته. "میں خدا کا بندہ اور خاتم الانبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے"۔

حضرت علیؓ کو جب آپؐ نے اہل بیت کی نگرانی کیلئے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا تو آپؐ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی. (صحیح بخاری)

''کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

صحیح مسلم مناقب علی میں یہ الفاظ ہیں:۔غیر انہ لانبی بعدی. ''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔الا انه لانبوة بعدی.''لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں''۔

صحیح بخاری کتاب الانبیاء اور صحیح مسلم کتاب الامارۃ میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ بنواسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے،ایک نبی جب مرتا تھا اور دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔و انه لانبی بعدی.''اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا''۔

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی مدح میں فرمایا۔لو کان نبی بعدی لکان عمربن الخطاب.''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو وہ خطاب کے بیٹے عمر ہوتے۔''عربی زبان جاننے والے کو معلوم ہے کہ ''لو امرِ محال کیلئے آتا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں،میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا،میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا اور میں عاقب (آخری) ہوں الّذی لیس بعده نبی جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے''الّذی لیس بعدی نبی یعنی میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا''۔

صحیح بخاری میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ''خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہ رہا''۔صحابہؓ نے پوچھا کہ یارسول اللہ!خوشخبریاں کیا ہیں؟فرمایا''رویائے صالحہ''(یعنی سچے خواب)۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امورِ غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر کئے ہیں،منجملہ ان کے ایک رویائے صالحہ بھی ہے،اسی لئے احادیث میں آیا

ہے کہ ''نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو مؤمن کا رویائے صالحہ ہے''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ ''تم سے پہلے قوموں میں محدثین ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں''۔

غرض ختمِ نبوت کے بعد اب جو نعمت اہلِ ایمان کیلئے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں، رویائے صالحہ اور الہام، لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے، اس لئے کسی مومن کے رویائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر حجت نہیں اور ان کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل کرنا اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور ان کی صداقت پر تحدّی کرنا ضلالت وگمراہی ہے، ان رویائے صالحہ اور الہامات کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے وہ احکام نہیں ہوتے بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں، یعنی امرِ غیب اور مستقبل کے کچھ اطلاعات اور مناظر۔ مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، حضرت ابوبکرؓ امام تھے اور صحابہ کرامؓ صف بستہ پیچھے، اُس وقت یہ آخری اعلان فرمایا:۔ یاایھاالناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الاالرویاالصالحۃ یراھاالمسلم اوتری لہ ''اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں (غیبی ذرائع جو علم وخبر ہیں) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی لیکن ایک رویائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔'' اس سے صاف ہوگیا کہ رویائے صالحہ شخصی احوال ومناظر سے متعلق ہے، اسی کتاب میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہمارے مقصد کے اثبات کیلئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلسِ نبویؐ میں خدام حاضر تھے، آپؐ نے فرمایا:۔ ان الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولانبی. ''رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی''۔ صحابہ پر یہ بات سخت گزری تو آپؐ نے فرمایا ولٰکن المبشرات، لیکن خوشخبریاں باقی ہیں، لوگوں نے عرض

کیا، یارسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا ''مردمومن کی رویائے صالحہ، وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے''۔ یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی وحاکم میں ہے، اس آیت کی تفسیر ہیں:۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ.

''ہاں اولیائے الٰہی کوکوئی خوف اورکوئی غم نہیں، جوایمان لائے اورتقویٰ کرتے تھے، اُن کودنیااورآخرت میں بشارت ہے''۔ صحابہ نے پوچھا کہ دنیامیں ان کیلئے بشارت کیاہے؟ فرمایا ''رویائے صالحہ!'' اس آیت پاک سے دوباتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کاذریعہ ایمان اورتقویٰ کی تکمیل ہے، اوردوسری یہ کہ ایسے لوگوں کانام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اولیاء اللہ ہے، اوراس لئے ان کے اس رتبہ کانام ولایت ہوگا۔ اسکوجزئی نبوت، لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوت ناقصہ، وغیرہ کے الفاظ سے اداکرناایسی لفظی گمراہی ہے جومعنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اوراس سے شرک فی النبوۃ کی اُسی طرح بُرائیاں پیداہوں گی بلکہ ہوئیں اور ہورہی ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کومجازی معنوں میں ابن اللہ کہہ کرحقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہوگئے۔ کیونکہ ہرقسم کی نبوتوں کاخاتمہ ہوچکا، دین کی تکمیل ہوچکی، دنیامیں خداکاآخری پیغام دعوتِ محمدیؐ نے ذریعہ سامعہ نواز ہوچکا، معمارِقُدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھرکواپنی جگہ پررکھ کراپنی تعمیرپوری کرچکا، درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعدوہ خورشیدانورطالع ہواجس کے لئے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعدباغِ کائنات میں وہ سدابہارموسم آگیاجس کے بعدخزاں نہیں۔ (بحوالہ کچھ ردوبدل کے ساتھ ازسیرت النبی ﷺ جلدسوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

دعاہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کوحضور ﷺ کی تمام تعلیمات پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۲۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا محسن اعظم بنایا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ستائیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کا محسن اعظم بنایا" بے شک آپ ﷺ کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے، کہ ہمارے نبی ﷺ کائنات کے سب سے بڑے محسن بن کر تشریف لائے، اگر چہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء اکرامؑ بھی محسن بن کر آئے لیکن وہ صرف اپنی امت کے لئے اور محدود علاقے ومحدود زمانے تک کے لئے محسن بن کر آئے جبکہ ہمارے نبی پوری کائنات اور کائنات میں موجود ہر مخلوق کے لئے بلکہ قیامت تک آنے والی ہر قسم کی مخلوق کے لئے محسن اعظم بن کر تشریف لائے جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت پیش کی جارہی ہے، جسکے مطالعے کے بعد یقیناً آپ بھی کہیں گے کہ حقیقتاً حضور ﷺ کو کائنات کا سب سے بڑا محسن اعظم بنایا گیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے اور محسن نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کرنے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے محترم قارئین اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے:۔

ستائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

درحقیقت سرورکونین رحمۃ للعلمین ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو، آپ کی سیرت کا ہر جز انقلاب آفریں پیغام اور آب حیات کا درجہ رکھتا ہے اور قیامت تک کے لئے انسانوں کی فوز وفلاح کا معیار بھی ہے، اور اس میں کوئی زاویہ بربریت اور وحشت کا نظر نہیں آتا۔

آپ نے مٹی کے زروں اور پانی کے قطروں، امنڈتے بادلوں، چڑھتی گھٹاؤں کوندتی بجلیوں، زمین کی پستیوں اور بلندیوں، خشکیوں اور تریوں میں خدا کے جلوے انسانوں کو دکھائے، دشمنوں کو اپنی دلفریب تعلیم وتربیت سے اپنا جانثار بنایا، انسانوں میں سے مال و دولت، نسل اور رنگ کے بھید بھاؤ کو یکسر مٹایا۔ حسب ونسب کے بت پاش پاش کئے، اونچ نیچ کے فرق کو نیست ونابود کر دیا۔

فخر الانبیاء ختم الرسل کی ذات مقدس کے جس شعبہ زندگی کا بھی مطالعہ کیا جائے شفقت ہی شفقت، رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔

رسمِ دنیا ہے اطاعت کے جواب میں شفقت، عقیدت کے جواب میں الفت بے مروتی کے بدلے سلوک، یہ خصوصیت ہے محسن اعظم ﷺ کی عام طور پر جب انسان کے پاس دولت وطاقت کی فراوانی ہوتی ہے تو اس کا اخلاق گر جاتا ہے۔ لیکن حضور اکرم ﷺ کو معاشی و سیاسی طاقت حاصل ہوتی گئی آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ پر مزید رنگ چڑھتا گیا۔

تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملے گی جس کو گالیاں دی گئی ہوں اسے تحفہ پیش کیا گیا ہو، جس کو خاردار راستہ پر چلایا گیا ہو، اس کے عوض پھول نچھاور کئے گئے ہوں، جس نے پتھر برسائے ہوں اس کو گلدستہ پیش کیا گیا ہو۔

اگر وہ مثال اور نمونہ ملے گا تو وہ سرزمین حجاز کے باسی، وہ ارض بطحا میں گشت کرتے سالار قوم حضرت محمد ﷺ کی ذات میں ملے گا۔

کون نہیں جانتا کہ فتحِ مکہ کے بعد صحن حرم میں دشمنان اسلام، سرداران قریش جمع تھے، ان میں وہ بھی تھا جو راہ مبارک پر کانٹے بچھایا کرتا تھا، ان میں وہ شقی بھی تھا جس نے گردن مقدس پر اوجھڑ ڈالی تھی، ان میں وہ ننگ انسانیت بھی تھا جس نے حضرت سمیہؓ کو شرمناک طریقے پر شہید کیا تھا۔ اور فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک کو دکھی کیا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے سب کو مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ اے قریش! کیا خیال ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟

قریش مزاج شناس تھے، تاڑ گئے، آواز میں رحمت کی بو آتی ہے، رحمت کا سہارا لے کر بولے آپ سے بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں، شریفوں سے نیکی ہی کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ نبی رحمت نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں جاؤ! تمہیں یتیم نہیں بنایا جائیگا، مکہ کی بہنوں سے کہہ دو تمہارے دوپٹے نہیں اتارے جائیں گے۔

آج جس نے گلے پر تلوار چلائی تھی آج اس کو گلے سے لگایا جائیگا، جس نے سینے میں خنجر گھونپا تھا اس کو سینے سے چمٹایا جائیگا۔ جو پیغام موت بن کر حملہ آور تھا اسکو جام حیات دیا جائیگا۔ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ! تم سب کے سب آزاد ہو۔ پھر اعلان فرمایا۔

آج جو ابوسفیان کے گھر چلا گیا اسکو امان ہے۔ جو مسجد حرام میں چلا گیا اسکو امان ہے۔ جس نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ آج بدلہ نہیں، معافی کا دن ہے۔''

وحشی جو آنحضرت ﷺ کے محترم حضرت امیر حمزہؓ کا قاتل تھا ندہ جو رئیس کفار ابوسفیان کی بیوی تھی، وہ ہندہ جو معرکہ احد میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر سپاہیوں کا دل بڑھاتی اور جوش دلاتی تھیں اس نے نذر مان رحمت کی تھی جب تک حمزہ کا کلیجہ چاک کر کے نہ چباؤں گی اس وقت تک چین نہ لوں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ شہید کر دیئے جاتے ہیں۔ ہندہ سینہ چاک کرتی ہے۔ کان، ناک کاٹ کر ہار بناتی ہے کلیجہ چباتی ہے اور اپنی ناپاک روح کی جھوٹی تسلی دیتی ہے۔

ان میں عکرمہ بھی تھا جو دشمن اسلام ابوجہل کا فرزند تھا۔ اس میں صفوان بن امیہ تھا جو مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا۔ بہار بن اسود جو ایک حد تک حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا قاتل تھا۔ ابوسفیان جو سرغنۂ کفر وشرک تھا، یہ سب ایک بارگاہ رسالت عزت مآب میں باریاب ہوئے اور اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ دفعۃً باب رحمت وا ہوا۔ دوست ودشمن کی تمیز یکسر مفقود ہوگئی۔

آپ نے طائف کا نام سنا ہوگا۔ وہ طائف جس نے مکہ کے عہدِ ستم میں آپ کو پناہ

نہیں دی۔ بات تک نہ سننی چاہی۔ جہاں آپ کی تحقیر کی گئی۔ جہاں بازار والوں نے آپ کی ہنسی اڑائی۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور پتھروں کی بارش برسائی۔ آپ لہولہان ہو گئے۔ حتیٰ کہ نعلین مبارکین خون سے بھر گئے۔ جب تھک کر بیٹھ جاتے تو شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھاتے جب آپ چلنے لگتے تو پتھر برساتے پہاڑ کے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے جاؤ ،میرے محبوب کو جس طرح ہو تسکین دو فرشتے دست بستہ عرضِ خدمت ہوئے ،یارسول اللہ، اجازت ہو تو بدبختوں اور گستاخوں کو پہاڑ کے بیچ پیس دیں کہ صفحۂ ہستی سے نام ونشان تک نہ باقی رہ جائے۔

موقع تھا کہ آج اوباشوں کے شر کا دنداں شکن جواب دیا جاتا۔ اینٹ کا جواب پتھر نہیں چٹانوں سے دیا جاتا۔ رحمت عالم کی صفتِ رحیمی ملاحظہ فرمایئے۔

جنابِ رحمت للعالمیں نے سن کے فرمایا کہ میں اس دہر میں قہر وغضب بنکر نہیں آیا
میں کیوں ان کیلئے قہر الٰہی کی دعا مانگوں بشر ہیں بے خبر کیوں تباہی کی مدد مانگوں

رسول اکرم ﷺ کو اس دن اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس بعد جب حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا کہ تمام عمر میں سب سے زیادہ تکلیف کا دن آپ پر کون سا آیا تو آپ نے اسی طائف کا ذکر فرمایا کہ وہ شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی۔

عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین تھا۔ حضور ﷺ کی در پردہ دشمنی میں کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ ہر موقعہ پر خفیہ سازشوں کا جال پھیلاتا۔ حضور اور مسلمانوں کی اہانت کا اعلانیہ مرتکب ہوتا۔ اسی پر بس نہیں حضرت عائشہؓ پر افترا پردازی سے باز نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ درگزر کیا۔ یہاں تک کے اس کے انتقال پر کفن کے لئے اپنا کرتہ مرحمت فرمایا۔

یکتائے روزگار کی شانِ رحیمی دیکھئے۔ سخی وقت حاتم طائی کی بیٹی سفانہ ۹ھ میں جنگی قیدی بنکر رسول اللہ کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ وہ ننگے سر تھی ،آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا میرا رومال اس کے سر پر ڈال دو۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا ،حضور ﷺ! رومال جس کے ایک ایک دھاگہ عفت و پاکیزگی پر فرشتے رشک کرتے ہیں وہ ایک کافرہ

کے سر پر؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا بیٹی بہر حال بیٹی ہوتی ہے دوست کی ہو یا دشمن کی۔ جس طرح بے پردگی اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں اسی طرح اوروں کی بیٹیوں کے لئے بھی گوارا نہیں۔ سرور عالم نے حاتم کی بیٹی کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا جاؤ! بیٹی تیرے باپ کی نیک نامی اور انسان دوستی کے صلہ میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ بنت حاتم عرض خدمت ہوئی۔

مروت نہ بینم رہائی ز بند   بہ تنہا و یارانم اندر کمند

اس نے عرض کیا میں بنت حاتم ہوں میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ قبیلے کے لوگوں کو گرفتار چھوڑ جاؤں اور خود آزادی حاصل کرلوں۔ حضور ﷺ! میں اپنی رہائی کے ساتھ اپنے قبیلے کے قیدیوں کی بھی رہائی کی تمنا رکھتی ہوں۔ سرورکونین ﷺ مسکرائے اور ارشاد فرمایا ۔جاؤ تمہیں تمہارے باپ کی سخاوت اور انہیں تمہاری انسانی مروت کی وجہ سے پروانۂ آزادی عطا کرتا ہوں۔ زادِراہ دے کر اسکے پاس ملک شام بھجوانے کا حکم صادر فرمایا۔

رحمت عالم ﷺ کی بے پایاں شفقت اور کردار کی حلاوت نے دل موہ لیا، قبیلہ طے کے لوگ اشکبار ہوگئے، اور عرض خدمت ہوئے یارسول اللہ! جب آپ ﷺ نے دنیا کی قید سے رہائی فرمادی تو ہمیں آخرت کی قید سے بھی خلاصی کروادیجئے ،اور اگلے لمحہ ہی وہ جام وحدت سے سرشار ہوگئے۔

پیغمبر اعظم ﷺ کا یہی انقلابی کردار تھا۔ جس نے دنیا کو مسخر کردیا۔ کہنے والے نے سچ کہا ہے، تلوار سر کاٹتی ہے کردار دل جیتتا ہے، تلوار کی پہنچ گلے تک اور کردار کی پہنچ دل کی گہرائی ہوتی ہے۔ جہاں تلوار کا نام ہوتی ہے وہاں کردار فتح کا جھنڈا گاڑتا ہے۔ تیر و تلوار کی طاقت سے زمین تو چھینی جاسکتی ہے۔ مگر کسی کا دل نہیں جیتا جاسکتا۔ دلوں کو ہاتھ میں لینے کے لئے ضروری ہے محسن اعظم ﷺ کے اخلاق حسنہ کی"۔

محسن اعظم ﷺ کے انسانوں پر احسان عظیم

ذی الحجہ ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر محسن انسانیت رحمت عالم ﷺ

نے میدان عرفات میں کم وبیش ایک لاکھ اصحاب کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: نہ کسی عربی کوکسی عجمی پر فوقیت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے، ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ (مسند احمد)

سرور کائنات فخر مجودات رحمت عالم ﷺ نے فرمایا اس حدیث پاک میں عالمگیر اخوت اور مساوات انسانی کا جو بلند نظریہ ایک سرکش اور نسلی امتیازات میں ڈوبی ہوئی دنیا کے سامنے پیش کیا، زمانہ قدیم وجدید کے سارے دانا وحکماء اس سے بہتر اور جامع تصورات اتنے مختصر الفاظ میں پیش نہیں کر سکے۔ محمد رسول ﷺ نے یہ آواز اس وقت بلند کی جب انسانوں نے رنگ نسل، وطن، زبان، معیشت، اور سیاست کی غیر عقلی تفریقوں سے انسانیت کی بیسیوں حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بادشاہوں نے خدائی کا رتبہ پایا تھا اور ان کو سجدے کئے جاتے تھے۔ مذہبی پیشواؤں نے رسولوں، ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت تک پہنچا دیا تھا۔ قوموں نے بھی اپنے الگ الگ امتیازی رتبے قائم کر لئے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کا کنبہ کہتے تھے اور دوسرے سب ان کے نزدیک ہیچ تھے۔ ہندوؤں میں برہمن خدا کے منہ سے اور شودر اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومی خاص بادشاہی کے لئے اور تمام غیر رومن صرف غلامی اور چاکری کے لئے تھے۔ عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی اور کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں اپنے سے کم رتبہ آدمی پر تلوار چلانا بھی باعث ننگ سمجھا جاتا تھا۔ غزوہ بدر کے آغاز میں قریش کے عقبہ، شیبہ اور ولید نے اپنے مد مقابل ہونے والے انصار سے اس عذر کی بناء پر لڑنے سے انکار کر دیا کہ اہل مدینہ ان کے ہم رتبہ نہیں ہیں۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی آواز تھی جس نے پستی و بلندی اور عزت وذات کی خود ساختہ دیواروں کو ڈھادیا، اور سب انسانوں کو انسانیت کی ایک سطح پر لا کھڑا کیا۔

اس سے پہلے فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جبابرہ قریش کے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا تھا: ''اللہ نے جاہلیت کا غرور اور باپوں پر فخر کا دعویٰ باطل کر دیا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے''۔

یہی وہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو خواہ عرب ہوں یا ہندی، فرنگی ہوں یا حبشی، ایرانی ہوں یا تورانی، کالے ہوں یا گورے سب کو ایک ہی صف میں دوش بدوش کھڑا کر دیا اور توحید و رسالت کے اقرار پر بلا امتیاز رنگ و نسل سب انسانوں کو بھائی بھائی قرار دیا اور تقویٰ کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی امتیاز کو باطل قرار دیا۔ سورۃ الحجرات میں ارشاد ہوا ہے۔

''تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جس سب سے زیادہ متقی ہے۔ گویا اسلامی اخلاقیات اور انسانی فضیلت کا قرآنی معیار صرف تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے لفظی معنی ڈرنے کے ہیں اور مجازی معنی پرہیز گاری کے ہیں۔ شریعت میں تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی سختی سے پابندی کی جائے اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے ہر صورت میں بچا جائے گویا جو شخص جتنا زیادہ خدا سے ڈرے گا۔ اچھے کاموں کی طرف سبقت کرے گا اور برے کاموں سے اپنا دامن بچائے گا، اسی کے مطابق اسلامی معاشرے میں اس کا مرتبہ و مقام متعین کیا جا سکے گا۔ اس معیار کی رُو سے اعتقاد اور عمل کی بنیاد پر تو انسانوں میں فرق مراتب ہو سکتا ہے لیکن ان میں انسانیت کا رشتہ بہر حال قائم رہتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان سے بلا لحاظ مذہب ملت اور رنگ و نسل اچھا برتاؤ کرنا بھی تقویٰ ہی کی ایک شاخ ہے۔ حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (یعنی کنبہ) ہے۔ اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال یعنی اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے''۔ (رواہ بیہقی)

سرورِ دو عالم ﷺ نے مساوات انسانی اور باہمی فضیلت کا جو اصول مقرر فرمایا اس کا صرف اعلان ہی نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہؓ نے دنیا کو اس کا عملی مشاہدہ بھی کرا دیا۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ ایک غریب الدیار غلام تھے۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد فرما کر اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور وہ زید بن محمد ﷺ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ان پر حضور ﷺ کی شفقت

کا یہ عالم تھا کہ لوگ انہیں حب الرسول (رسول اللہ ﷺ کے محبوب) کہا کرتے تھے حضور ﷺ نے ان سے اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی زینبؓ بنت جحش کا نکاح کر دیا اور زینبؓ جس رتبہ کی خاتون تھیں اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت زیدؓ سے علیحدگی کے بعد ان کو ام المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت زیدؓ کے فرزند حضرت اسامہؓ کو حضور ﷺ اپنے ایک زانو پر اور اپنے نواسے حضرت حسنؓ کو دوسرے زانو پر بٹھا کر فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ۔ اس بے پایاں شفقت کا مَورِد ہونے کی بنا پر اسامہؓ بھی حب النبی مشہور ہو گئے تھے۔ یہی اسامہؓ تھے، جن کو حضور ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے ایک لشکر کا امیر مقرر فرما کر سرحد شام کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور دوسرے بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام تھے۔ بعض لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں کہ ایک انیس سالہ نوجوان غلام زادے کو بزرگ صحابہؓ پر امیر مقرر فرمایا گیا ہے تو حضور ﷺ سخت ناراض ہوئے اور خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ اس کا باپ بھی مجھے محبوب تھا اور یہ بھی مجھے تم سب سے بڑھ کر محبوب ہے وہ بھی امارت کے اہل تھا اور یہ بھی امارت کا اہل ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کو حضور ﷺ نے اپنے گھر کا فرد قرار دیا۔ حضرت بلال حبشیؓ کو حضور ﷺ نے اپنے گھر کا سارا انتظام سپرد کر دیا اور مسجد نبوی کا مؤذن مقرر فرمایا۔ حضرت صہیب رومیؓ کو بہترین انسان قرار دیا۔ حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ کو مسلمان کا امام نماز مقرر فرمایا۔ حضرت مقدادؓ بن الاسود کندی سے اپنی بنتِ عم ضباعہؓ بنت زبیر کا نکاح کر دیا۔

حضرت بلال حبشیؓ کی صحابہ کرام کے نزدیک یہ قدر و منزلت تھی کہ وہ انہیں ”سیدنا“ اے ہمارے سردار کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ نے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تو تمام مہاجرین اور انصار نے جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے ان کے سامنے دیدہ و دل فرش راہ کر دیئے اور ہر ایک نے آگے بڑھ کر بصد خلوص کہا کہ آپ کو اپنا خویش بنانے سے بڑھ کر ہمارے لئے کون سی عزت ہو سکتی ہے۔ ایسا ہی مقام و مرتبہ

دوسرے غریب الدیار صحابہؓ میں اس قسم کی بیسویں مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔

یہ تو تھی مساوات انسانی اور معیار فضیلت کی نبوت تعلیم۔ اب ہم احترام انسانیات کو لیتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے جو اس دنیا میں تشریف لائے اللہ تعالیٰ نے ان کو کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک یا علاقے کے باشندے کی ہدایت واصلاح کے لئے مامور فرمایا تھا اور وہ بھی ایک محدود وقت کیلئے۔ یہ شرف اور اعزاز صرف رسولِ معظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کو صرف اپنے ملک یا اپنے زمانے کیلئے نہیں بلکہ قیامت تک پوری نوعِ بشری کیلئے مبعوث فرمایا گیا۔ یہ حقیقت قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے مثلاً سورۂ ''سباء'' میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ (آیت ۲۸) یعنی ہم نے آپ کو روئے زمین کے تمام انسانوں کی طرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

سورۂ ''الاعراف'' میں ارشاد ہوا ہے: قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (آیت ۱۵۸ یعنی اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

سورۂ ''الانبیاء'' میں فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (آیت ۱۰۷)
یعنی اے نبی ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

مسند احمد میں بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عنہ خود آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے بُعِثْتُ اِلَی الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ یعنی میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اپنے پیارے حضور ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً یعنی میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مسند احمد میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد نقل ہوا ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچا دوں یا ان کی تکمیل کو پہنچا دوں یا ان کی تکمیل کر دوں۔ گویا حضور ﷺ کی معلمانہ شان یہ تھی

کہ آپ انسانی زندگی کے تمام فضائل اخلاق کو کمال تک پہنچادیں اور یہ کام آپ نے اس طرح انجام دیا کہ یہ دنیائے رنگ و بو مومنین اور مومنات کے مکارم اخلاق کی خوشبو سے مہک اٹھی اور ان کی سیرت و کردار رضائے الٰہی کے طالبین کے لئے ابدالآباد تک نمونہ بن گئی ۔فضائل اور مکارم اخلاق کی تعریف اور مفہوم بہت وسیع ہے ۔اس میں رضا بالقضا ،اخلاص وللّٰہیّت ،راستبازی ،خوش خلقی ،حلم وتحمل ،صبر وشکر ،عفوو درگزر ،زہد وقناعت ،رحم وشفقت ، اطاعت والدین صلہ رحمی ،سخاوت وایثار ،باہمی انس ومحبت ،دیانت وامانت ۔اور خدمت خلق وغیرہ جیسے فضائل کے علاوہ احترام انسانیت کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔احترام انسانیت، رواداری اور کشادہ دلی کا دوسرا نام ہے اور اس سے امن وسلامتی کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے احترام انسانیت نام کی کسی چیز کا وجود دنیا میں نہ تھا اور دنیا کے مختلف مذاہب کے پیروؤں میں بعض ایسے غلط تصورات اور عقائد رواج پا گئے تھے جو انسانی شخصیت کی نشونما میں سنگ گراں بن کر حائل ہو گئے تھے مثلاً یہ کہ عبادت کا مقصد جسم کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دینا ہے، نجات اخروی دنیا سے یکسر قطع تعلق کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے، انسان کی اپنی اس کی بیوی اپنی اولاد سب کی جانیں اس کی ملکیت میں لہٰذا اسے خودکشی کرنے ،اولاد کو کسی بت کی بھینٹ چڑھانے یا زندہ درگور کرنے کا پورا حق ہے اور شوہر کے مرنے پر بیوی کو بھی اس کے ساتھ مرنا پڑے گا، دین اور دنیا بالکل الگ الگ ہے۔ خدا کا حق خدا کو دو اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو وغیرہ وغیرہ۔ آنحضور ﷺ نے ان تمام تصورات اور عقائد کو باطل قرار دیا اور دنیا کو بتایا کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر عبادت کرنا روا نہیں ۔ رہبانیت اسلام میں جائز ہیں ۔ان کی جان اللہ کی امانت ہے اسکو خود یا اپنی اولاد کو ہلاک کرنے کا کوئی حق نہیں اور نہ اس کی بیوی اس کے ساتھ مرنے کی پابند ہے۔ دنیا دین کی تابع ہے ان کو الگ کرنے سے گمراہی پھیل سکتی ہے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ خالق کائنات نے انسانوں کو اپنا خلیفہ ٹھہرایا ہے اور وہ کائنات کا انتہائی قابل احترام وجود ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو اپنا دستور العمل قرار دیا:

''یعنی جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے (یا قصاص) یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانی کو قتل کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی اس نے گویا تمام انسانیت کی جان بچائی۔''

مطلب یہ کہ جو شخص کسی ناحق کی جان لیتا ہے وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے اور جو کسی کی جان بچاتا ہے وہ پوری انسانیت پر احسان کرتا ہے۔

حضور ﷺ کے اسلوب دعوت وارشاد کے دو پہلو تھے، ایک تو اس ارشاد خداوندی کی تعمیل تھا ''یعنی آپ حکمت، شیریں زبانی اور نرمی سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے۔'' دوسرا پہلو یہ تھا کہ جو تعلیم آپ نے زبانی دی اس پر عمل کر کے بھی امت کو دکھایا۔ اس طرح آپ ﷺ کی ذات گرامی نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ بن گئی۔ آپ ﷺ نے عصبیّت اور تعصّب کو سخت گناہ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ جو شخص عصبیّت سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں ہے، پوچھا گیا! یارسول اللہ ﷺ! عصبیّت کیا ہے؟ فرمایا ظلم میں اپنی قوم کی حمایت کرنا (یا اپنی قوم کی بے جا حمایت کرنا یا اپنی قوم کی ناحق اور ناروابات پر مدد کرنا)

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تاسیس کے وقت غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کے برابر بنیادی حقوق عطا فرمائے۔ مثلاً جان و مال اور عزت وآبرو کا تحفظ، عقیدہ کی آزادی کا تحفظ وغیرہ۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جنازہ ہمارے پاس سے گزرا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، ہم لوگ بھی آپ ﷺ کے اتباع میں کھڑے ہو گئے، پھر ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ یہ تو ایک یہودی کی میت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ انسان نہیں تھا؟ اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کے نزدیک ایک انسان کی بلالحاظ مذہب وعقیدہ کیا قدر و قیمت تھی۔

آنحضور ﷺ نے بنی نوع انسان کو احترام انسانیت کا جو درس دیا اس کو ایک پہلو یہ

بھی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے قاصدوں کا چنداں احترام نہ کیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات انہیں قتل کیا جاتا تھا۔ اسی طرح عرب اور دنیا کی دوسری اقوام اسیرانِ جنگ سے نہایت برا سلوک کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ قاصدوں کو ہرگز قتل نہ کیا جائے اور اسیران جنگ سے نہایت اچھا سلوک کیا جائے۔ جنگ بدر میں جو لوگ قید کئے گئے ان کے بارے میں آپ ﷺ نے صحابہؓ کو تاکید فرمائی کہ ان کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ خود بھوکے رہتے تھے یا کھجوریں کھا کر گزارا کر لیتے تھے لیکن قیدیوں کو اچھے سے اچھا کھانا کھلاتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ عورتوں بچوں اور گوشہ نشین راہبوں پر بھی ہاتھ اٹھانے سے منع کر دیا۔

مختصر یہ کہ ہم پوری تحدی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسانیت کے سلسلے میں محسن انسانیت ﷺ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو رنگ و نسل پر تفریق اور امتیاز سے پیدا ہونے والے یکسر ختم ہو سکتے ہیں۔ (بحوالہ حسنت جمیع فصالہ)

محسن اعظم ﷺ کے مزید احسانات

محسنِ عالم سرورِ کائنات موجوداتِ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے کسی بھی پہلو پر نظر ڈالیں وہ اتنا پاکیزہ، کامل اور ارفع و اعلیٰ نظر آتا ہے کہ زبان بے اختیار محوِ درود وسلام ہو جاتی ہے۔ محسنِ عالم کی کفالتِ عامّہ بھی آپ ﷺ کی حیاتِ اقدس کا ایک ایسا درخشاں پہلو ہے کہ جس کے فیوض و برکات کی وسعتوں کو دیکھ کر انسان ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ کفالت کے لغوی معنیٰ ہیں ذمہ داری یا ضمانت اور عامّہ سے مراد ہے عُمومی یا عوام النّاس۔ اصطلاحی طور پر عام لوگوں یا مخلوقِ خدا کی مادّی ضروریات پورا کرنے کو کفالتِ عامّہ کہا جا سکتا ہے۔ اسے اگر مُعاشی یا فلاحی نظام بھی کہہ لیا جائے تو ایک حد تک صحیح ہوگا۔ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں تشریف لا کر جو انقلاب برپا کیا اس سے زیادہ بابرکت، جامع ہمہ گیر اور بھرپور انقلاب روئے زمین پر آج تک برپا نہیں ہوا۔

یہ انقلاب بیک وقت روحانی بھی تھا، اخلاقی بھی اور معاشی بھی۔ یہ تینوں پہلو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ اگر ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے تو اس پر محسنِ عَالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلامی انقلاب کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ یہ چیزیں دگر ہوگی۔ یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ محسنِ عَالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ قرآنِ حکیم کی عملی تفسیر تھی۔ قرآن پاک کے احکام ومنشاء اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل میں سرِ مُوفرق نہ تھا۔ آپ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا جو نظام قائم فرمایا وہ یکسر قرآنی انقلاب یا قرآنی نظام تھا۔ قرآنِ حکیم نے بنی نوعِ انسان کو جو معاشی تصور دیا وہ محض مادّی تصور نہیں ہے۔ قرآنِ حکیم انسان کو بندۂ شکم بننے کی تلقین نہیں کرتا بلکہ قرآن کا معاشی تصور ایک اخلاقی اور روحانی دستورالعمل ہے جو روح اور جسم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اور دونوں کی نشوونما اور بالیدگی کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ دونوں میں ایسی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے کہ دونوں ایک ہی راہ پر اور ایک ہی منزل کی جانب گامزن نظر آتے ہیں۔

محسنِ عَالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کا جو نقشہ ذہن پر ابھرتا ہے اسکا بنیادی نکتہ رزقِ حلال اور اس کے حصول کے لئے جدوجہد ہے، لیکن بات کسبِ حلال ہی پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اسلام جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت پر بھی کلی تصرُّف اور اختیار کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس پر کچھ ایسی پابندیاں اور شرائط عائد کرتا ہے، جن پر عمل کرنے سے معاشرہ ایک ایسی جنت بن جاتا ہے جس میں شرفِ انسانی کا احترام بھی ہے اور انسان کی روحانی اور معاشی احتیاج کا علاج بھی۔ اس میں طاقتور، کمزور کا استحصال نہیں کرسکتا۔ اس میں بھوک اور ننگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ غریب پر زندگی دوبھر نہیں ہوتی۔ امیر، امیر تر اور خزانے کا سانپ بننے کا موقع نہیں پاسکتا۔ اس میں بندہ اور آقا کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ گورے کا کالے سے اور عربی کا عجمی سے نفرت کا احساس ہی نہیں رہتا، اس میں کمزوروں، اپاہجوں، بوڑھوں، بے روزگاروں، یتیموں اور بیواؤں کے حق کو تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ داری قبول کی جاتی

ہے۔اس میں دولت مند غریبوں کو اپنی دولت میں حصہ دار بنانے پر مجبور ہیں۔اس میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ قوم کے غیر مسلم افراد بھی مسلمانوں کی مانند بیت المال سے اپنی احتیاج پوری کر سکتے ہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محسنِ عالَم صلی اللہ علیہ وسلم جو انقلاب لائے وہ شروع میں صرف روحانی اور اخلاقی انقلاب تھا لیکن جب ہم قرآنِ حکیم کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انقلاب ابتداء ہی سے بیک وقت روحانی اور اخلاقی بھی تھا اور معاشی بھی۔ہاں یہ درست ہے کہ ابتداء میں یہ انقلاب افراد کی ذاتی زندگیوں تک محدود تھا کیونکہ اس وقت تک کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کا دور تھا۔ہجرتِ مدینہ کے بعد جب ایک اسلامی ریاست کی تاسیس ہوئی تو یہ انقلاب ریاستی سطح پر بھی عمل میں آ گیا۔قرآنِ پاک کی ابتدائی مکی سورتوں میں جہاں نماز کی تلقین کی گئی ہے اور اللہ سے تعلق جوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے وہاں مال کو سینت سینت کرر کھنے، یتیموں کو دھکّے دینے اور مساکین کو کھانا کھلانے سے گریز کی سخت مذمّت کی گئی ہے۔ابتدائی مکی سورۃ "الھــــمــــزہ" میں فرمایا گیا ہے: "ہلاکت ہے ہر عیب چینی اور غیبت کرنے والے کیلئے جو مال جمع کرتا اور اسکو گن گن کر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ کی زندگی بخش دے گا، ایسا ہر گز نہیں ہوگا، اسے ہڈیوں کو چٹخا دینے والی دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔"

سورۃ "الماعون" میں ارشاد ہوتا ہے: "کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو جزا کے دن کو جھوٹ سمجھتا ہے یہی ہے جو یتیم کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور مسکین کو خود کھانا کھلانا تو در کنار اسکی ترغیب بھی نہیں دیتا۔تو ایسے شخص کیلئے ہلاکت ہے۔"

سورۃ "التــکــاثر" میں فرمایا گیا ہے: "تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر مال حاصل کرنے کی دُھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے اور یہ ہَوس تمہیں مرتے دم تک لگی رہتی ہے۔(اس ہوس کا نتیجہ تم بہت جلد دیکھ لوگے)"

کفالتِ عامہ کا جذبہ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرتِ پاک ہی میں ودیعت کیا گیا تھا۔ بعثت سے پہلے بھی آپ ﷺ کی جو کیفیت تھی اسکا اندازہ اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃُ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اُن الفاظ سے کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اُس وقت کہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے پہلی وحی کا ذکر فرمایا۔۔ یہ الفاظ بے اختیار ان کی زبان پر آگئے: ''آپ ﷺ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، امانتیں ادا کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں اور بے سہارا لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' (صحیح بخاری)

محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا یہی پہلو ہے جس کو مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسدّسِ حالی'' میں یوں بیان فرمایا:

وہ نبیوں میں رحمت کا لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ — یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

مکّی دورِ زندگی میں حضور ﷺ کی کفالت عامہ کی یہ شان تھی کہ رشتہ داروں کی مدد کرتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ غریبوں، یتیموں، بیواؤں اور بیکس غلاموں کی سر پرستی اور اعانت فرماتے تھے اور ساتھ ہی اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی احکامِ خداوندی کے مطابق اِنفاق فی سبیل اللہ کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کے ایثار وسخاوت کو دیکھ کر متموّل صحابہؓ کے اندر غریب پروری کا جذبہ خود بخود ابھرنے لگا اور وہ کسی جبر وتشدّد کے بغیر بلکہ رضاؤ رغبت کے ساتھ اللہ کی راہ میں بے دریغ مال خرچ کرنے لگے۔ مَدَنی دَور کا آغاز ہُوا اور آپ ﷺ نے حکومتِ الٰہیہ کی بنیاد رکھی تو کفالتِ عامّہ کا نہایت وسیع اور ہمہ گیر نظام قائم فرمایا۔ اس نظام کے تحت خُمس، فے، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج وغیرہ کے مال سے مسکینوں اور محتاجوں کی ضرورتیں پوری کی جاتی تھیں، مفلس مسلمانوں کے قرض اور خون بہا ادا کئے جاتے تھے۔ نادر مسلمانوں کے نکاح کرائے جاتے تھے اور اگر کبھی آمدنی کی کسی

بھی مد میں کچھ نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر قرض لے کر اہلِ حاجت کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے مستقلاً یہ قاعدہ وضع کر دیا کہ:

''جو شخص قرض چھوڑ جائے یا اہل وعیال اس حال میں چھوڑ جائے کہ ان کی کفالت کا کوئی سامان نہ ہو تو وہ میرے حصّے میں ہیں اور ان کی ذمّہ داری مجھ پر ہے۔'' (صحیح بخاری)

قرآنِ حکیم میں بار بار دولت مندوں سے کہا گیا ہے کہ تمہارے مال میں غریبوں کا حق ہے اور تم ان کی مدد کر کے ان پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احکامِ الٰہی لوگوں کو پہنچاتے وقت اغنیاء کو بار بار تاکید فرمائی کہ تمہارے پاس جو کچھ مال ومتاع ہے سب اللہ کا بخشا ہوا ہے۔ غریبوں، یتیموں، اور مسکینوں کا تمہارے مال میں حق ہے، ان کا حق انہیں لوٹا دو۔ آپ ﷺ نے ان پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کر اپنے آپ کو فارغ نہ سمجھ لو بلکہ تمہارے مال میں یقیناً زکوٰۃ کے علاوہ بھی غرباء ومساکین کا حق ہے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو زکوٰۃ وخیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا، اپنے اور اپنے اہلِ خاندان کیلئے زکوٰۃ اور صدقہ کے مال کو حرام قرار دیا لیکن دوسروں کے لئے سب کچھ وقف کر دیا، جو کچھ آیا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ غزوات اور فتوحات کے نتیجے میں مال واسباب کی کمی نہ تھی مگر وہ سب عامۃ الناس کیلئے تھا۔ اپنے لئے اگر کچھ تھا تو بالعموم فقر وفاقہ ہی تھا۔ کوئی سائل آپ ﷺ کے در سے کبھی خالی ہاتھ واپس نہ جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عُمر کسی سوال کے جواب میں ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔ کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی ہوتی مگر آپ ﷺ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے کوئی یتیم بے سہارا رہ جاتا تو اس کی سرپرستی فرماتے۔ کسی بیوہ عورت کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوتا تو اس کی کفالت فرماتے۔ جن لوگوں کو تن ڈھانکنے کیلئے کپڑے میسر نہ ہوتے ان کو کپڑے عنایت فرماتے۔ عرب کے کونے کونے سے وفود آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے آپ ﷺ انکو کئی کئی دن تک مہمان رکھتے اور خوب خاطر تواضع کرتے۔ جب وہ جانے لگتے تو سب کو کچھ دے دلا کر رخصت فرماتے۔ ایک دفعہ ایک

بدو نے آ کر کہا: اے محمد (ﷺ) یہ مال نہ تیرا ہے اور نہ تیرے باپ کا ہے، میرے اونٹ کو لاد دے حضور ﷺ نے اسکی بدتمیزی کا بُرا نہ مانا اور اسکے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ (ابوداؤد)

ایک بحرین سے خراج میں بہت بڑی رقم آئی اسے چھوٹا موٹا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے صحنِ مسجد میں ڈال دیا جائے۔ فجر کی نماز کیلئے آپ ﷺ تشریف لائے تو خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا جب سب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر اسطرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا گرد تھی جو دامن پر پڑ گئی تھی۔ (صحیح بخاری) ایک دفعہ ایک نو مسلم قبیلہ ہجرت کر کے مدینہ آیا۔ اس قبیلے کے لوگ بہت خستہ حال تھے اور ڈھنگ کا لباس بھی انہیں میسّر نہیں تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو مسجدِ نبوی میں جمع کیا اور انکو ترغیب دی کہ اس قبیلے کی مدد کریں اور غلّہ، کپڑا، درہم، کھجوریں غرض جو کچھ بھی راہِ خدا میں دے سکتے ہیں لے آئیں۔ اگر کسی شخص کو چھوہارے کا ایک ٹکڑا دینے ہی کی استطاعت ہو تو وہ ضرور دے۔ آپ ﷺ کی ترغیب کا یہ اثر ہوا کہ ہر صحابہ کے پاس جو کچھ تھا اس نے لا کر آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا، بعض نے گھر میں رکھا ہوا سارا غلّہ لا کر دے دیا۔ بعض نے اپنے کپڑے اتار کر دے دیئے۔ ایک انصاری نے اشرفیوں کا توڑا پیش کر دیا۔ یہ توڑا اتنا بھاری تھا کہ بمشکل ان سے اٹھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غلّہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے۔ نق درو پیہ اور دوسری اشیاء ان کے علاوہ تھیں۔ اس وقت خوشی سے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک کندن کی طرح دمک رہا تھا (کیونکہ نو وارد قبیلے کی ضرورتیں خود بخود پوری ہو گئی تھیں) (صحیح مسلم۔ باب الصدقات)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو ساتھی قبولِ اسلام کے بعد اس قدر تنگ دست ہو گئے کہ فاقوں کی وجہ سے ہماری نظریں کمزور ہو گئیں۔ ہم نے بہت سے لوگوں سے اپنے تکفّل کی درخواست کی لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔ بالآخر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کی۔ آپ

ﷺ ہمیں اپنے گھر لے گئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔ چنانچہ جب تک ہمارے حالات درست نہ ہو گئے ہم ان بکریوں پر گزارہ کرتے رہے۔ (صحیح بخاری)

ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے ابوذر! اگر اُحُد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار کی مقدار کے برابر بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کسی قرض لے ادا کرنے کیلئے رکھ چھوڑوں۔''

ایک دفعہ فَدَک سے چار اونٹوں پر غلّہ اور کپڑا وغیرہ آیا۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق اس میں سے کچھ لوگوں کو دیا گیا اور کچھ سے قرض ادا کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: ''کچھ بچ تو نہیں رہا انہوں نے عرض کیا، اب کوئی لینے والا نہیں اس لئے کچھ بچ گیا ہے۔ فرمایا جب تک دنیا کا مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا۔ چنانچہ رات مسجد میں بسر کی۔ صبح کو حضرت بلالؓ نے آ کر بشارت دی کہ یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے آپ ﷺ کو سبکدوش کر دیا۔ (یعنی جو کچھ تھا وہ سب تقسیم ہو گیا) (ابوداؤد)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ عامۃ الناس کی کفالت اپنے ذمّہ لے رکھی تھی لیکن ساتھ ہی آپ ﷺ لوگوں کو رزقِ حلال کے حُصُول کیلئے تگ ودو کرنے اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنیوالا اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ خود آپ ﷺ کو معمولی سے معمولی کام کرنے میں کوئی عار نہ تھی۔ آپ ﷺ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے تھے، اپنے جوتے اور کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر میں جھاڑو دے لیتے تھے۔ بازار سے سودا سلف خود اٹھا کر لے آتے تھے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی تعمیر کے وقت صحابہؓ کی طرح آپ ﷺ بھی اینٹیں اور گارا ڈھوتے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی میں آپ ﷺ بھی برابر حصہ لیتے تھے۔ غرض آپ ﷺ نے کسبِ حلال کو جو اہمیت دی اور محنت کش اور مزدور کو جو عزت بخشی اس کے پیشِ نظر ہر شخص اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خود کفیل بننے کی کوشش کرتا تھا البتہ جو لوگ کسی وجہ سے اپنی کفالت

نہیں کر سکتے تھے اور گردشِ زمانہ کے سامنے بے بس تھے حضور ﷺ کا بابِ رحمت ان کیلئے ہر وقت کھلا رہتا تھا اور آپ ﷺ کا سحابِ کرم اُن پر ہر آن جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہٖ)

محسنِ اعظم ﷺ کے خواتین پر عظیم احسانات

انسانی تمدّن کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عورت کو دنیا کی حقیر ترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ نہ اس کے کوئی حقوق تھے اور نہ معاشرے میں اسکی کوئی عزّت تھی۔ اسے کوئی آئینی اور عمرانی حیثیت مطلق حاصل نہ تھی۔ عیسائی گناہ اور عورت کو ایک ہی چیز قرار دیتے تھے۔ یہودیوں کا یہ طریقہ تھا کہ بعض خاص حالات میں عورتوں کو گھروں سے نکال دیا کرتے تھے۔ رومی تہذیب میں عورت کی حیثیت ایک غلام کی تھی اور اس پر ہر قسم کی سختی کرنا جائز تھا۔ ایران میں مزدک نے عورت کو مشترکہ ملکیت قرار دے دیا تھا۔ ہندوستان کے لوگ عورت کو اپنی روحانی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے اور اس سے نہایت ذلّت آمیز سلوک کرتے تھے۔ عورت مجبور تھی کہ اسکا خاوند مر جائے تو وہ اس کے ساتھ ستی ہو جائے یعنی زندہ جل جائے مگر عورت کے مر جانے پر مرد بلا روک ٹوک دوسری شادی کر سکتا تھا بلکہ جتنی چاہے شادیاں کرنے کا حق رکھتا تھا۔ عرب میں عورت کو جوتی کی نوک کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ مرد جتنی عورتوں سے چاہے شادی کر سکتا تھا۔ کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے سخت ذلّت اور ننگ و عار کا باعث سمجھا جاتا تھا یہاں تک کہ بعض سنگدل بیٹیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم کی ”سورۃ النّحل“ میں ان لوگوں کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے:

”جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اسکے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔“ کہ اس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے۔ سوچتا ہے کہ ذلّت کے ساتھ

بیٹی کو باقی رکھے یا اسے کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے"۔

دختر کشی کے اس ظالمانہ اور وحشیانہ رواج کا نقشہ مولانا حالیؒ نے "مسدّسِ حالی" میں یوں کھینچا ہے:

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دُختر تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اسکو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی جنے سانپ جیسے کوئی جَننے والی

زمانہ جاہلیت میں عرب میں مردوں کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کرلیں۔ چنانچہ بعض لوگوں کی بیویوں اور لونڈیوں کی تعداد بیسیوں تک پہنچ جاتی تھی۔ کسی عورت کو چھوڑنا جوتی بدلنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ باپ کے فوت ہوجانے کے بعد سوتیلی مائیں سوتیلے بیٹوں میں تقسیم کردی جاتی تھیں۔ وہ انکو لونڈیوں کی طرح فروخت کردیتے تھے یا اپنے گھر میں ڈال لیتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ "خدا کی قسم ہم زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں نازل کیا جو کچھ کہ نازل کیا اور مقرر فرمایا جو کچھ کہ مقرر فرمایا۔"

مختصر یہ کہ عجم ہو یا عَرب، عورت ہر جگہ اپنے جائز معاشرتی، اخلاقی، تمدّنی اور معاشی حقوق سے یکسر محروم تھی اور ماں، بہن، بیٹی یا بیوی کی حیثیت سے وہ جس حسنِ سلوک اور احترام کی مستحق تھی، دنیا کی کسی قوم میں اس کا تصور تک نہیں تھا۔۔۔ عورت ذات کے یہی مظلومانہ لیل ونہار تھے کہ کوہِ فاران کی چوٹیوں سے خورشیدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا طلوع ہوا اور یہ عالم رنگ و بو اللہ رب العزت کے نور سے جگمگا اٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین بنایا اسلئے بنی نوع انسان کا کوئی بھی طبقہ آپ ﷺ کی رحمت ورافت سے محروم نہ رہا۔ رسولِ رحیم وکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقۂ نسواں کو ذلّت اور پستی کی گہرائیوں سے نکال کر عزت وشرف اور احترام ووقار کے اتنے بلند مرتبے پر فائز کیا کہ

اسکے ساتھ حُسنِ سلوک اوراسکا احترام، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور فلاح دارین کا باعث ٹھہرا۔ یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ خیر البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے احکامِ الٰہی کی روشنی میں طبقۂ نسواں کو جو حقوق عطا فرمائے اوران کی ہر شخصی حیثیت میں انکو جو مقام دیا، دنیا کی کسی قوم میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

انسانی معاشرے میں عورت کی چار اہم حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک ماں ہے۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بیٹی ہے۔ تیسری حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بیوی ہے۔ چوتھی حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بہن ہے۔ آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے یا بالفاظِ دیگر اللہ اور رسول ﷺ نے عورت ذات کو کیا مقام دیا ہے۔

عورت بحیثیت ماں

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک، ان کی تعظیم وتکریم اور معروف میں ان کی اطاعت کے جو تاکیدی احکام دیئے ہیں، اسکی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی۔ سورۃ البقرۃ، سورۃ النساء، سورۃ الانعام، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ لقمان، سورۃ العنکبوت اور سورۃ الاحقاف میں یہ احکام مختلف اسالیب میں ملتے ہیں۔ سورۂ لقمان میں جو حکم ہے اسکے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے یہی بات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی واضح ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں چند مستند احادیث نبوی ﷺ ملاحظہ ہوں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہاری ماں کا، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں کا، اسکے بعد تمہارے باپ کا حق ہے۔

معاویہ بن جاہمہؓ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ ﷺ کی خدمت میں مشورہ لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا، کیا تمہاری ماں ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اسی کے پاس اور اسی کی خدمت میں رہو۔ اسکے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد پر آپ ﷺ کی بیعت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اسکا اجر و ثواب چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہے؟ اس نے کہا دونوں ہی زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کیا تم اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو؟ اسنے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اپنے والدین کے پاس جاؤ اور انکے ساتھ نیک سلوک کرو اور انکی خدمت کرو۔ (صحیح مسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خاک آلودہ ہو ناک اسکی (یعنی وہ ذلیل اور رسوا ہو) یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ کو بڑھاپے کی حالت میں پایا ان میں سے کسی ایک ہی کو، پھر (ان کی خدمت اور اطاعت کر کے) بہشت میں داخل نہ ہوا۔ (صحیح مسلم)

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ میری والدہ (جو مشرکہ تھی) صلح (حدیبیہ) کے بعد (مکہ سے مدینہ) آئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ میرے پاس آئی ہے اور وہ اسلام سے بیزار ہے کیا میں اس سے (اچھا) سلوک کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں اس سے اچھا سلوک کر۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کا اچانک انتقال ہوگیا ہے۔ وہ کوئی وصیت نہ کرپائی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کہتی تو صدقہ کرنے کو کہتی، اب اگر میں اسکے لئے صدقہ کردوں تو کیا اسکا اجر اسکو ملے گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں اب تمہارے صدقہ کرنے سے ثواب اسکو ملے گا۔ (صحیح مسلم)

مشہور صحابی سید الخزرج حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت عمرہ بنت مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق انہوں نے والدہ کے ایصالِ ثواب کیلئے پانی کی ایک سبیل قائم کی بروایتِ دیگر ایک کنواں کھدوایا اس نے ''سقایہ آلِ سعد'' کے نام سے شہرت پائی ۔ (مسندِ احمد)

اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آپ ﷺ کے بچپن ہی میں وفات پاگئی تھیں۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد چند دن بی بی ثوبیہؓ نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔ پھر بی بی حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تقریباً پانچ سال تک آپ ﷺ کو دودھ پلانے اور پالنے کا شرف حاصل ہوا۔ والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد ننھے حضور ﷺ کی نگہداشت اور خدمت کی عزت حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حاصل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تینوں بیبیوں کا ہمیشہ بہت اکرام اور لحاظ رہا۔ بی بی ثوبیہؓ نے اسلام تو قبول کرلیا تھا لیکن وہ کسی وجہ سے مدینہ میں اقامت اختیار نہ کرسکیں۔ ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ان کیلئے خرچ اور کپڑا بھیجا کرتے تھے۔

بی بی حلیمہؓ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کی بے حد تعظیم وتکریم کی۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کے بعد ایک

دفعہ حضرت حلیمہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقے میں قحط سال کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا۔ طبقاتِ ابن سعد ہی کی ایک اور روایت میں محمدؒ بن منکدر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس نے بچپن میں آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور ﷺ میری ماں کہتے ہوئے اٹھے اور اپنی چادر بچھا کر اسے بٹھایا۔ علامہ سہیلیؒ نے "روض الانف" میں بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت حلیمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اُمُّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ان کو کچھ اونٹنیاں مرحمت کیں جن کو لے کر وہ دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہوئیں۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت طویل زندگی پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری حیاتِ اطہر ان کے سامنے گزری۔ یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی کافی عرصہ تک حیات رہیں۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور ﷺ کو ورثۃً بطور کنیز ملی تھیں لیکن آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گودوں میں کھلایا تھا اسلئے آپ ان کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمن میری ماں ہیں چنانچہ آپ ﷺ انہیں امی کہہ کر بلایا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً ان کی مالی مدد بھی فرماتے رہتے تھے۔ اگر کبھی وہ اپنی کوئی حاجت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو آپ ﷺ ان کی وہ حاجت فوراً پوری کر دیتے تھے (طبقات ابن سعد، صحیح مسلم)

عورت بحیثیت بیوی

میاں بیوی کا تعلق ایک باہمی معاہدہ یعنی نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ نکاح کا مقصد اور مطلب یہ ہے کہ وہ گواہوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا عہد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی دونوں کے کچھ فرائض اور حقوق مقرر فرمائے ہیں اور دونوں کو ان کے ادا کرنے

کا حکم دیا ہے۔ (دیکھئے سورۂ بقرہ، سورۃ النساء، سورۃ الروم، سورۃ الاحزاب، سورۃ النور)۔
چونکہ عورت کی خوشگوار اور پرسکون زندگی کا دارومدار اکثر وبیشتر شوہر کے طرزِ عمل پر ہوتا ہے اس لئے مردوں کو خاص طور پر حکم دیا گیا ہے: وَ عَاشِرُوْ هُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء۔آیۃ ۱۹)
(یعنی ان (عورتوں) کے ساتھ حسن سلوک کی (بھلے طریقے کی) زندگی بسر کرو)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل خانہ (بیوی یا بیویوں) کے ساتھ حسن سلوک کی بے حد تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔ (صحیح مسلم)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص کامل الایمان ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ بہت اچھا ہو اور (خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا سلوک لطف ومحبت کا ہو۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں ان آدمیوں کا ایمان زیادہ کامل ہے جن کے اخلاق بہتر ہیں اور تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ آدمی ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنے گھر والوں (بیوی یا بیویوں) کے حق میں اچھا ہو...... اور میں اپنے گھر والوں (اپنی بیویوں) کے حق میں اچھا ہوں۔ (جامع ترمذی)
مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی

ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی ان کے ساتھ نرمی اور لطف ومحبت کا برتاؤ رکھو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی کے اوپر کے حصے میں زیادہ کجی ہوتی ہے اگر تم اس کجی کو (بزور) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دوگے تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت کو قبول کرلو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بیوہ خواتین کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ بیوہ عورت اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا (یعنی ان کی خبر گیری کرنے والا) مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر نماز پڑھا کرے۔

عورت بحیثیت بیٹی

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ عرب میں بیٹی کی پیدائش کو ذلت اور ننگ وعار کا باعث سمجھا جاتا تھا اور اس سے نہایت سفاکانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ قرآن پاک کی کئی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سفاکانہ روش کی سخت مذمت کی ہے، اسے بہت بڑی خطا قرار دیا ہے اور لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے کہ وہ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد (اناث) کو قتل کریں۔ (دیکھئے سورۃ الانعام، سورۃ النحل، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الزُخرف، سورۃ التکویر)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو نہ صرف زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا بلکہ اولادِ نرینہ کو ان پر ترجیح دینے سے بھی روکا اور بیٹیوں کی عمدہ طریقے سے پرورش کو حصولِ جنت کا ذریعہ بتایا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس کے ہاں بیٹی پیدا ہو، پس وہ نہ اسے زندہ درگور کرے اور نہ ذلت کی حالت میں رکھے اور نہ اولادِ نرینہ کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسکو جنت میں داخل کریگا۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دولڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز اسطرح آئیں گے (آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں، انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھایا)۔ (صحیح مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی اور انہیں تعلیم وتربیت دی اور ان کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے (یعنی ان کی شادی ہو جائے اور وہ اپنے شوہر کے گھر پہنچ جائیں) تو ایسے شخص کیلئے اللہ نے جنت واجب کردی اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ اگر دو ہی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: دولڑکیوں کی سرپرستی پر بھی اجر ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اگر لوگ ایک لڑکی کے بارے میں پوچھتے تو آپ ﷺ ایک کے بارے میں بھی یہی شہادت دیتے۔ (مشکوۃ شریف)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی۔ اسکے ساتھ اسکی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ مجھ سے اس نے سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی، وہی میں نے اسکو دے دی۔ اس نے اس کھجور کو دو ٹکڑے کرکے دونوں بچیوں میں تقسیم کردیا اور خود کچھ نہ کھایا، پھر وہ اٹھ کر چلی گئی۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لڑکیوں کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کیا جائے (یعنی اس کے ہاں لڑکیاں ہی پیدا ہوں) اور پھر وہ ان کے ساتھ احسان وسلوک کرے تو یہ بیٹیاں اسکے لئے دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں عطا کی تھیں آپ کو ان سب سے بے حد پیار اور لگاؤ تھا۔ نہایت محبت اور شفقت سے ان کی پرورش کی اور چاروں کو اچھے گھروں میں بیاہ دیا۔

عورت بحیثیت بہن

اوپر عورت کی جو تین حیثیتیں بیان کی گئی ہیں، بہن ان میں سے کسی ایک زمرے میں ضرور آجاتی ہے۔ ویسے ایک بھائی کو خاص طور پر بھی اپنی بہن کے ساتھ حسنِ سلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔ پیچھے ایک حدیث میں بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کا ذکر بھی آچکا ہے۔ دو حدیثیں اور ملاحظہ ہوں:

کلیب بن منفعہ سے روایت ہے کہ میرے دادا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں کس کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اپنی ماں، بہن، بھائی اور اپنے غلام کے ساتھ جو تم سے قریب ہو یہ واجب حق ہے اور قرابت داروں کے حقوق کی حق شناسی کرو۔ (ادب المفرد، بخاریؒ)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ماؤں کیساتھ (حسنِ سلوک کا) حکم دیتا ہے، پھر تمہارے باپوں کے بارے میں ہدایت فرماتا ہے، پھر تمہیں قریب سے قریب تر کے بارے میں ہدایت فرماتا ہے۔ (ادب المفرد، بخاری)

قریب سے قریب تر میں بہن بھائی لازماً آجاتے ہیں۔

طبقۂ نسواں پر رسولِ رحمت ﷺ کے مزید احسانات

اوپر ہم نے صرف چند مثالیں دی ہیں جن میں مردوں کو (باپ بیٹے شوہر اور بھائی) کی حیثیت سے خواتین (بیٹی، ماں، بیوی اور بہن) کیساتھ حسنِ سلوک کا پابند کیا گیا ہے۔

اب ہم چند ایسے حقوق کا ذکر کرتے ہیں جو خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے عورت ذات کو عطا کئے گئے۔

(۱)......عورت کو وراثت پانے کے وسیع حقوق دیئے گئے۔وہ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے، (اور بعض صورتوں میں دوسرے قریبی رشتہ داروں سے) وراثت پانے کی حقدار ہے۔ نیز وہ شوہر سے شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً مہر پانے کی بھی حقدار ہے۔

(۲)......عورت (خواہ وہ کتنی ہی مالدار ہو) خاوند سے ہر حال میں نفقہ پانے کی حقدار ہے۔

(۳)......عورت کو شوہر کے انتخاب کا حق دیا گیا اور شادی کیلئے اسکی رضامندی ضروری قرار دی گئی۔اسکی مرضی کے خلاف یا اسکی رضامندی کے بغیر کوئی شخص اسکا نکاح نہیں کرسکتا۔

(۴)......ناکارہ، ظالم اور ناپسندیدہ خاوند سے نجات حاصل کرنے کیلئے عورت کو خلع کا حق دیا گیا۔

(۵)......فوجداری اور دیوانی مقدمات میں، اور جان و مال عزت اور آبرو کے تحفظ میں عورت کو مرد کے برابر رکھا گیا۔

(۶)......عورتوں کو دینی اور دنیوی علوم کی نعمت حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو اسی قدر ضروری قرار دیا گیا جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔

(۷)......عورت کیلئے روحانیت اور روحانیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج حاصل کرنے کے راستے کھول دیئے گئے۔اسکی عبادت کا اجر و ثواب مردوں کی عبادت کے اجر و ثواب کے برابر قرار دیا گیا۔

(۸)......بیوہ، مطلقہ یا فسخ نکاح والی عورتوں کو غیر مشروط طور پر نکاحِ ثانی کا حق دیا گیا۔

(۹)......وراثت اور مہر سے حاصل شدہ رقم کی عورت کو (بلاشرکتِ غیرے) مالک قرار دیا گیا۔ اگر وہ اپنا سرمایہ تجارت میں لگا کر یا محنت مزدوری کرکے کچھ حاصل کرتی ہے تو وہ بھی اسکی ملکیت قرار دیا گیا۔

(۱۰)......عورت کا عمومی دائرہ کار وہی مقرر کیا گیا جو اسکی جسمانی ساخت اور اسکی فطری صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں اور عزت واحترام کا جو مقام دیا ہے، انصاف پسند غیر مسلم دانشور بھی اسکا اعتراف کرتے ہیں۔

مشہور غیر مسلم دانشور رائے آروادیا نے اپنی کتاب میں اسلام میں خواتین کے حقوق واحترام کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں: ''پیغمبر ﷺ نے عورتوں کو اس وقار و عظمت سے سرفراز کیا جسکی اہمیت کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے، کم ہے۔ وہ ذاتی ملکیت کا حق رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ شادی کے موقع پر خاوند پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ وہ بصورتِ مہر عورت کو حسبِ استطاعت روپیہ ادا کرے جو اسکی ملکیت ہوگا۔ اسکے بعد ازدواجی زندگی میں وہ جو کچھ بھی کمائے، اسکی خد مالک ہے۔ باپ، خاوند، اور بچوں کی جائداد میں اسکا حصہ مقرر ہے جسکو وہ قانوناً لے سکتی ہے۔ اسکے علاوہ وہ ناقابلِ اصلاح حالت میں خاوند سے خلع لینے کا حق رکھتی ہے۔ غرضیکہ ایک مسلمان عورت عزت واحترام کا ایک بہت بلند مقام رکھتی ہے۔ بیوی اور ماں دونوں حیثیتوں سے افرادِ خاندان پر اسکا اثر غالب رہتا ہے''۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۲۸

رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں نام (محمدؐ، احمدؐ) آپ کی خصوصیت ہیں

قابلِ احترام قارئین رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اٹھائیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں نام (محمدؐ، احمدؐ) آپ ﷺ کی خصوصیت ہیں'' آج جمعرات کا دن ہے فجر کی نماز سے فراغت کے بعد روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے۔

بہر حال محترم قارئین! منجملہ تمام خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو نام ہی ایسے عظیم عطا فرمائے جن کا مقابلہ دیگر انبیاء کرامؑ کے نام مبارک نہیں کر سکتے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے:۔

اٹھائیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

کتاب شفا میں یہ لکھا ہے کہ ان دوناموں یعنی محمد اور احمد میں آنحضرت ﷺ کی زبردست نشانیاں اور عظیم خصوصیات چھپی ہوئی ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دوناموں کو اس سے محفوظ رکھا کہ یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی دوسرے کے رکھے جائیں، ان دونوں ناموں میں سے جہاں تک احمد نام کا تعلق ہے یہ پرانی کتابوں یعنی آسمانی کتابوں میں آیا ہے، اور انبیاء کو آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق اسی نام سے خوشخبری دی گئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ گویا ضابطہ بنا

دیا کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے جب سے کہ دنیا پیدا کی گئی اور آنحضرت ﷺ کی زندگی میں یہ نام یعنی احمد کسی دوسرے شخص کا نہ رکھا جائے اور نہ کوئی شخص اس لفظ سے پکارا جائے، علامہ زین عراقی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے، کہ آپ کے صحابہ کے زمانہ میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہ رکھا جائے تا کہ کمزور اعتقاد لوگوں کے دلوں میں شک وشبہ نہ پیدا ہو یعنی تاریخی کتابوں میں اگر یہ نام آنحضرت ﷺ سے پہلے کسی کا ہوتا تو کمزور اعتقاد والے لوگ اس شک میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ ان میں آنحضرت ﷺ کس زمانے کے ہیں۔

چنانچہ یہ نام رکھا جانا بھی ان تمام لوگوں پر آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں، مگر حافظ سیوطیؒ نے کتاب خصائص صغریٰ میں اس کے متعلق جو لکھا ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام یعنی احمد رکھے جانے کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی یہ خصوصیت صرف انبیاء پر ہے یعنی انبیاء میں آپ کے سوا کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا البتہ عام لوگوں کا یہ نام رکھا گیا۔

اسی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ناموں میں احمد نام کو محمد نام پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے احمد نام محمد سے زیادہ اونچا ہے (اس کی فضیلت عربی زبان کے اس قاعدے کے تحت ہے جس کے مطابق) لفظ احمر (بہت سرخ) اور لفظ اصفر (بہت زرد) محمر مُصَفَّرُ کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ پرزور ہیں، غالباً احمد نام کی فضیلت اس لئے ہے کہ یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے (افعل التفضیل عربی کا ایک وزن ہے یعنی فعل ہے، وہ وزن لفظ کے معنی میں شدت اور زیادتی پیدا کرنے کے لئے ہے جو لفظ بھی اس وزن پر لایا جائے گا اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی۔ مثلاً لفظِ حامد ہے جس کے معنی ہیں تعریف کرنے والا اس کو جب افعل کے وزن پر لائیں گے تو یہ احمد ہو جائے گا، اور اب اس کے معنی میں زیادتی ہو جائے گی، یعنی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ اسی لئے علامہ صلاح صفدی کہتے ہیں کہ احمد نام محمد کے مقابلے میں معنی کے لحاظ سے زیادہ اونچا ہے) کیونکہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف

کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں اور آپ کی ان ہی خوبیوں اور حمد وثنا کی وجہ سے آپ کے لئے مقام محمود میں وہ مقام عطا ہوا جو آپ سے پہلے کبھی کسی کے لئے نہیں کھولا گیا۔

مگر کتاب ھُدیٰ میں یہ لکھا ہے کہ اگر آپ کا نام نامی احمد اس لحاظ سے ہے کہ آپ اپنے رب کی بہت حمد وثنا اور تعریف کرنے والے ہیں تو زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ آپ کا نام ''حماد'' ہوتا (کیونکہ اس کے معنی میں اور بھی زیادہ شدت ہے یعنی بہت ہی زیادہ تعریف کرنے والا) جیسا کہ آپ کی امت کو اس نام سے یاد کیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس نام یعنی احمد کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس کی آسمان والے اور زمین والے اور دنیا والے اور آخرت والے سب تعریف کریں یہ تعریف آپ کی ان خوبیوں اور عمدہ صفات کی وجہ سے ہے جن کا شمار کرنا اور جن کا اندازہ کسی شخص کی طاقت میں نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ اس کے تمام مخلوقات سے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں کہ آپ کی تعریف کی جائے چنانچہ احمد نام محمد کے معنی میں ہے (محمد یعنی جس کی تعریف کی جائے) اب گویا لفظ احمد میں یہ فعل یعنی تعریف وحمد کرنا وہ فعل نہیں ہے جو فاعل یعنی آنحضرت ﷺ سے واقع ہو رہا ہے بلکہ یہ احمد اور تعریف کرنے کا فعل ایک یا ایسا فعل ہے جو دوسروں سے سرزد ہو رہا ہے اور آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اس فعل کا وہ مفعول ہے جس پر یہ فعل واقع ہو رہا ہے (دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ آپ کے نام نامی احمد کا مطلب یہی نہیں ہے کہ آپ سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں بلکہ یہ محمد کے معنی میں ہے کہ وہ ذات جس کی زمین وآسمان والے بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں، مگر اس طرح محمد اور احمد کے معنی ایک ہو جاتے ہیں، چنانچہ اس کا باریک اور لطیف فرق بتلاتے ہیں کہ) اب محمد اور احمد کے معنی میں یہ فرق ہوگا کہ محمد تو وہ جس کی لوگ بہت زیادہ تعریف کریں، اور احمد وہ کہ لوگ جن کی تعریف کرتے ہیں ان میں اس کی تعریف سب سے زیادہ فضیلت والی ہو۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ ''اَحمَدُ المَحمُودِین اور اَحمَدُ الحَامِدِین'' ہیں، یعنی

جن کی تعریف کی جاتی ہے ان میں سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی تعریف کی گئی اور جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے ہیں ان میں سب سے زیادہ تعریف کرنے والے بھی آنحضرت ﷺ ہیں اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ احمد میں تعریف وحمد کا فعل وہ فعل ہے جو آنحضرت ﷺ کے بجائے دوسروں سے آپ کی ذات کے لئے واقع ہورہا ہے (چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ آپ ہی وہ ہیں جو اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ حمد وثنا فرمانے والے ہیں اور آپ ہی وہ ذات ہیں جن کی حمد وتعریف تمام مخلوق نے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ افضل اور اعلیٰ انداز میں کی)

مگر علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ آپ احمد پہلے ہیں اور محمد ﷺ بعد میں ہیں (یعنی آپ کی تعریف دوسروں نے بعد میں کی اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد وثنا بیان کرنے والے ہیں، گویا کتاب شفا کے مصنف قاضی عیاضؒ کی رائے کے برخلاف علامہ سہیلیؒ احمد کے معنی یہی لیتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرے، اسی لئے علامہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی یہ شان پہلے ہے کہ آپ احمد یعنی اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف اور حمد وثنا بیان کرنے والے ہیں) اسی لئے آپ کا تذکرہ محمد نام کے مقابلے میں احمد نام کے ذریعہ پہلے کیا گیا کیونکہ دوسروں کے ذریعہ آپ کی تعریف ہونے کی شان آپ میں یہ بعد میں ہے اس سے پہلے آپ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے پروردگار کی بہت زیادہ تعریف بیان فرماتے ہیں علامہ سہیلیؒ نے اس پر بہت مفصل کلام کیا ہے۔

شافعی علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ احمد نام میں وہ تعظیم اور احترام نہیں ہے جو محمد نام میں ہے اس لئے کہ یہی نام یعنی محمد ﷺ آپ کے ناموں میں سب سے زیادہ مشہور اور افضل ہے اسی لئے (نماز کے دوران) تشہد یعنی التحیات میں محمد کے بجائے احمد کہنا کافی نہیں ہے۔

(اسی سلسلے میں افضلیت کے لحاظ سے ان ناموں کی ترتیب بیان کرتے ہیں کہ جو

اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان دونوں میں عبدالرحمٰن کے مقابلے میں عبداللہ نام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ اس میں عبدیت یعنی غلامی اور بندگی کی اضافت ونسبت لفظ اللہ کی طرف ہے جو تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے جبکہ لفظ رحمٰن کے حق تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہونے پر سب کا اتفاق نہیں ہے اگر چہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہ بھی حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو عبداللہ نام سے یاد کیا گیا ہے، وہ آیت یہ ہے: ﴿وانّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللهِ يَدعُوهُ ......الخ﴾ (سورۂ جن) ترجمہ: "اور جب خدا کا خاص بندہ خدا کی عبادت کے واسطے کھڑا ہوتا ہے تو یہ (کافر) لوگ اس بندے پر بھیڑ لگانے کو ہو جاتے ہیں۔"

پچھلی سطروں میں ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر محمد نام کے مقابلے میں احمد کے ساتھ قرآن پاک میں پہلے کیا گیا۔ اب پسندیدہ ناموں کی جو ترتیب ہے اس کے مطابق محمد نام کے مقابلے میں احمد کے ساتھ آپ کا تذکرہ پہلے کئے جانے کا مطب ہے کہ عبدالرحمٰن نام کے بعد احمد نام ذکر کیا گیا (اور اس کے بعد محمد نام ذکر ہوا)۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ﴿وعِبادُ الرَّحمٰنِ الَّذِينَ يَمشُونَ ......الخ﴾ (سورۂ فرقان)

ترجمہ:......"اور (حضرت) رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں۔"

(یہاں عبدالرحمٰن (عبادالرحمٰن اور عبدالرحمٰن کی جمع ہے یعنی رحمٰن کے بندے) کا ذکر ہوا تو گویا سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ، پھر عبدالرحمٰن پھر احمد اور پھر محمد ہے) اور اس کے بعد ابراہیم نام پسندیدہ ہے اگر چہ اس کے برخلاف بعض نے ابراہیم نام کو ترتیب میں عبدالرحمٰن کے بعد بتلایا ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس شخص کا نام احمد

رکھا گیا وہ حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے ہیں (اس سے ایک قول گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ آپ کے صحابہ کے زمانے میں بھی کسی شخص کا یہ نام نہیں رکھا گیا) یہاں یہ قول ذکر کیا گیا ہے وہ زین عراقی کے قول کے خلاف ہوتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس کا نام احمد رکھا گیا وہ) خلیل کے والد ہیں، غالباً یہاں خلیل سے مراد خلیل ابن احمد ہیں جو علم عروض یعنی شعروں کے وزن کے مشہور عالم ہیں۔ اور زین العراقی کی کتاب میں انہوں نے (خلیل کی وضاحت کرتے ہوئے) کہا ہے کہ اسلام میں پہلا آدمی جس کا نام احمد رکھا گیا وہ علم عروض کے ماہر خلیل ابن احمد کے والد (احمد) ہیں۔

عراقی کے اس قول میں اور اس قول میں مخالفت ہے کہ صحابہ کے زمانے میں بھی کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا ادھر خود اس قول میں بھی اشکال ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے احمد نام خلیل ابن احمد کے والد کا رکھا گیا، کیونکہ ایک قول یہ بھی گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد سب سے پہلے حضرت جعفر ابن ابو طالب کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا، اس بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ عراقی کے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہوگا (کہ سب سے پہلے حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا گیا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ سے مراد عراقی کے نزدیک وہ صحابہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہے اس طرح حضرت جعفر کے بیٹے کا نام احمد رکھا جانا قابل اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ حضرت جعفرؓ آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں شہید ہو گئے تھے (اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے صحابہؓ کے زمانے میں بھی کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہے ہوں)

یہ خلیل ابن احمد جو ہیں (جن کے والد کا نام سب سے پہلے احمد رکھا گیا) اپنے باپ کے پانچ بیٹوں میں سے ایک ہیں یا چھ بیٹوں میں سے ایک ہیں اور ان میں سے ہر ایک خلیل ابن احمد کہلاتا تھا۔

احمد نام کی طرح ہی محمد نام بھی وہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وجود اور پیدائش سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا سوائے اس کے کہ جب یہ بات مشہور ہوگئی (جو کسی عالم بادشاہ نے کہی تھی) کہ بہت جلد ایک نبی ظاہر ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہوگا اور وہ ملک حجاز میں ظاہر ہوں گے، چنانچہ اس اطلاع کے بعد چند لوگوں نے جو عرب تھے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا، مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت وقدرت سے ان میں سے کسی نے بھی نہ تو نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو نبی کہا گیا، نہ ہی ان میں سے کسی پر ایسی کوئی علامت ظاہر ہوئی جس سے لوگ ان کو نبی سمجھ بیٹھتے، نتیجہ یہ ہے کہ (محمد نام کے لوگوں میں) صرف آنحضرت ﷺ کے لئے ہی نبوت ثابت ہوئی (اور ایسی کوئی بات پیش نہیں آئی کہ کمزور اعتقاد کے لوگوں کو شک وشبہ یا مغالطہ ہو سکے)۔

جہاں تک (بعض مورخین کے) اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ قدیم آسمانی کتابوں میں آپ کا نام احمد ذکر کیا گیا ہے، تو یہ دعویٰ اس روایت کے خلاف ہے جو پیچھے بیان ہو چکی ہے، (کہ ایک بادشاہ جو قدیم کتابوں کا عالم تھا اس نے تین عربوں سے کہا تھا کہ محمد نام کے ایک نبی جلد ہی ظاہر ہونے والے ہیں) اس کے علاوہ انجیل اور تورات کا حوالہ جو آگے آرہا ہے اس کے بھی یہ بات خلاف ہے (کہ قدیم کتابوں میں آپ کا نام محمد کے بجائے احمد ذکر کیا گیا ہے) البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم کتابوں سے مراد (تمام کتابیں نہیں بلکہ) اکثر کتابیں ہیں، البتہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی کتاب میں آپ کا نام محمد ذکر کیا گیا ہے کسی میں احمد ہے اور کسی میں احمد اور محمد دونوں نام ذکر ہیں۔

علماء میں سے کسی نے لکھا ہے کہ میں نے محمد ابن عدی سے سنا کہ اس سے کسی نے پوچھا، جاہلیت کے زمانے میں تیرے باپ نے تیرا نام محمد کیسے رکھا، محمد ابن عدی نے جواب دیا کہ میں نے بھی اپنے باپ سے اسی کے متعلق سوال کیا تھا تو اس نے جواب دیا

ایک دفعہ بنی تمیم کے چار آدمی جن میں سے ایک میں بھی تھا ملک شام جانے کے لئے روانہ ہوئے، ایک جگہ ہم نے ایک تالاب کے کنارے پڑاؤ ڈالا یہاں ایک خانقاہ بھی

تھی (جب ہم وہاں ٹھہرے تو) خانقاہ کا محافظ (ہماری گفتگو سن کر) ہمارے پاس آیا اور بولا کہ جو زبان تم لوگ بول رہے ہو یہ اس علاقے کے لوگوں کی زبان تو ہے نہیں یہ تو کسی دوسری قوم کی زبان ہے، ہم نے کہا کہ ہم مضر کی اولاد میں سے ہیں (یعنی قریش ہیں) اس نے پوچھا مضر کی اولاد میں کس شاخ سے ہو؟ ہم نے کہا خذف کی اولاد میں سے ہیں، تب اس نے کہا اللہ تعالیٰ بہت جلد تم میں ایک نبی ظاہر فرمائے گا اس لئے تم لوگ فوراً اس کی پیروی کرنا اور اس نبی کی ذات سے اپنا حصہ حاصل کر کے رہبری پالینا اس لئے کہ وہ خاتم النبیین یعنی آخری پیغمبر ہوں گے۔

یہ سن کر ہم نے اس سے پوچھا کہ اس نبی کا نام کیا ہوگا اس نے کہا، محمد ﷺ اتنا کہہ کر وہ اپنی خانقاہ میں واپس چلا گیا، خدا کی قسم اس کی یہ بات سننے کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے خاموشی سے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر میرے یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی لڑکا دیا تو اس کا نام محمد رکھوں گا، کیونکہ جو کچھ اس کا خانقاہ والے راہب نے بتلایا تھا ہمیں اس کا لالچ تھا، یعنی ہم میں سے ہر ایک نے منت مان لی۔ یہ بات پچھلی روایت کے مطابق ہی ہے غرض اس کے بعد جب ہم وطن واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور ہم میں سے ہر ایک نے اس آرزو میں اپنے بچے کا نام محمد رکھا کہ ان میں سے کوئی وہ پیغمبر ہو جائے، مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ رسالت اور پیغمبری سے کس کو نوازنے والا ہے۔

(اس سے پہلے اسی قسم کی ایک روایت تین آدمیوں کے متعلق گزر چکی ہے، جن سے یہی بات ایک بادشاہ نے کہی تھی اس لئے)

مولف سیرت حلبیہ کہتے ہیں ممکن ہے ان چاروں آدمیوں میں سے ہی وہ تینوں بھی ہوں جو کسی بادشاہ کے پاس گئے تھے اور اس طرح ان (میں سے تین) کو یہی بات دو مرتبہ معلوم ہوئی ایک دفعہ بادشاہ سے اور دوسری مرتبہ خانقاہ کے راہب سے (پچھلی روایت میں گزرا ہے کہ بادشاہ سے یہ بات سننے کے بعد تینوں نے یہ منت مانی کہ اپنے ہونے والے لڑکے کا نام محمد رکھیں گے، لیکن اس روایت میں ہے کہ چاروں نے خاموشی سے

دل میں یہ فیصلہ کیا) لیکن خاموشی سے دل میں فیصلہ کرنا منت ماننے کے خلاف نہیں ہے (کیونکہ ممکن ہے منت بھی خاموشی سے دل میں آئی ہو) اور اس طرح دل میں فیصلہ کرنے کا مطلب جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا منت ماننا ہی ہے۔

یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ چار آدمی جن کو راہب نے آنحضرت ﷺ کے متعلق بتلایا ان تین عربوں کے علاوہ ہوں جنہیں بادشاہ نے اس بات کی خبر دی تھی، اس طرح یہ کل ملا کر سات آدمی ہوں، ابن ظفر نے ذکر کیا ہے کہ سفیان ابن مجاشع کا قبیلہ بنی تمیم کی ایک بستی میں سے گزرا اس نے دیکھا کہ سب لوگ ایک کاہنہ عورت کے پاس جمع ہیں اور وہ کہہ رہی ہے ''عزت والا وہ ہے جو اس کا ساتھ ہو گیا اور ذلیل وہ ہے جو اس سے دور رہا'' سفیان نے یہ جملہ سن کر اس کاہنہ سے پوچھا کہ خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہ تم کس کا ذکر کر رہی ہو؟ کاہنہ نے جواب دیا: اسی کا جو ہدایت والا ہے، علم والا ہے، جو جنگ کا بھی ماہر ہے اور امن وسلامتی والا بھی ہے۔ سفیان نے پوچھا خدا تجھے خوش رکھے وہ کون ہے؟ کاہنہ نے کہا ''ایک نبی جو آنے والا ہے، جس کے ظاہر ہونے کا وقت آچکا ہے اور جس کی پیدائش قریب ہے، جو سیاہ اور سرخ سب انسانوں کے لئے آئے گا اور جس کا نام محمد ہوگا۔'' سفیان نے پھر پوچھا کہ کیا وہ نبی عربی ہوگا یا عجمی یعنی غیر عرب ہوگا، کاہنہ نے جواب دیا۔ ''آسمان کی بلندیوں کی قسم! اور پُر پیچ شاخوں والے درختوں کی قسم وہ نبی معد ابن عدنان کی نسل سے ہوگا، بس اتنا کافی ہے، تم نے بہت کچھ پوچھ لیا اے سفیان۔''

چنانچہ اس کے بعد سفیان نے اس کاہنہ سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور اپنے گھر واپس آگیا، اس کی بیوی کو اس زمانے میں حمل تھا جب (کچھ عرصہ بعد) اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو سفیان نے بچے کا نام اس تمنا میں محمد رکھا کہ وہ نبی ہو جائے جس کے اوصاف اس کاہنہ نے بیان کئے تھے۔ واللہ اعلم

محققین میں سے کسی نے ایسے لوگوں کی تعداد سولہ بتلائی ہے جن کا نام (آنحضرت ﷺ سے پہلے) محمد رکھا گیا اور ان سب کو ان شعروں میں ذکر کیا ہے۔

ان الذین سموا باسم محمد من قبل خیر الخلق ضعف ثمان

ترجمہ......مخلوق میں سب سے بہترین انسان (یعنی آنحضرت ﷺ) سے پہلے جن لوگوں کا نام محمد رکھا گیا وہ آٹھ کے دو گنے یعنی سولہ ہیں۔

ابن البراء مجاشع بن ربیعة ثم ابن مسلم یحمدی حرمانی

لیثی السلیمی وابن اسامة سعدی وابن سواء همدانی

وابن الجلامع مع الااسیدی یافتی ثم الفقیمی هکذا الحمرانی

ایک مورّخ نے کہا ہے کہ ان میں دو آدمی (جن کے نام محمد تھے) ذکر نہیں ہیں، وہ دو محمد ابن حرث اور محمد ابن عمر ابن مُغُفِل ہیں (مُغُفِل اسی طرح پڑھا جائے جس طرح لکھا گیا ہے) اس بارے میں مورخین کا زبردست اختلاف ہے کہ ان (سولہ یا اٹھارہ) لوگوں میں سب سے پہلا کون ہے جس کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا۔

مولف سیرت حلبیہ کہتے ہیں۔ابن ہائم کی کتاب ''شرح کفایہ'' میں ہے کہ وہ چار یا سات آدمی (جن کا ذکر پیچھے گزرا ہے کہ انہوں نے ایک بادشاہ یا کاہنہ سے آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی سن کر اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے) ان کے علاوہ جن دوسرے لوگوں نے اپنے بیٹوں کے یہ نام رکھے انہوں نے بھی (آنحضرت ﷺ کے متعلق وہ پیشین گوئی ان ہی چار یا سات آدمیوں سے سن کر) اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھ دیئے ہوں اور اسی آرزو میں رکھے ہوں کہ وہ نبی ان کا بیٹا ہو جائے (کیونکہ پچھلی روایتوں میں صرف چار یا سات آدمیوں کا تذکرہ ہے جب کہ ان شعروں میں سولہ یا اٹھارہ ایسے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا نام محمد رکھا گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ حضرت یوسفؑ جو بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے بنی اسرائیل کو اس کی خبر دی انہوں نے یہ خبر سن کر حضرت یوسفؑ سے عرض کیا۔

''اے خدا کے پیغمبر! ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کے ہمارے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد ہمارے دین کے معاملات کا کیا بنے گا''؟

حضرت یوسفؑ نے فرمایا: تمہارا دین اسی طرح باقی اور قائم رہے گا یہاں تک کہ تم میں ایک قبطی شخص (یعنی فرعون پیدا ہوگا جو بے حد ظالم اور سرکش ہوگا، یہ شخص خدائی کا دعویٰ کرے گا، تمہارے بچوں کو ذبح کرے گا، اور تمہاری عورتوں کی بے حرمتی اور بے عزتی کرے گا، آخر تم میں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام موسیٰ ابن عمران ہوگا، اللہ اسی شخص کے ذریعہ تمہیں قبطیوں سے نجات دلائے گا۔''

یہ سننے کے بعد بنی اسرائیل میں سے جس شخص کے یہاں بھی لڑکا پیدا ہوتا وہ اس کا نام عمران (یعنی موسیٰ کے والد کا نام) رکھ دیتا اور اس آرزو میں رکھتا کہ کاش وہ نبی اس بیٹے کی اولاد میں ہو جائے (کیونکہ اپنے بیٹوں کا نام موسیٰ تو اس لئے نہیں رکھ سکتے تھے کہ حضرت یوسفؑ نے حضرت موسیٰ کے والد کا نام عمران بتلا دیا تھا جبکہ ان لوگوں میں کسی کا نام عمران نہیں تھا، اسی وجہ سے وہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام عمران رکھتے تا کہ موسیٰؑ ان کے بیٹے عمران کے یہاں پیدا ہو جائیں اور یہ اعزاز اس کو مل جائے)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کے والد عمران اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مریم کے والد عمران (ایک نہیں بلکہ ان) کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے، اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں واللہ اعلم۔ (نیز یہ بھی واضح رہے کہ حضرت یوسفؑ کو بنی اسرائیل کا پہلا نبی اس لئے کہا گیا کہ ''اسرائیل'' کا لقب ان کے والد ماجد حضرت یعقوبؑ کا تھا)

جن لوگون کا نام آنحضرت ﷺ سے پہلے محمد رکھا گیا ان میں سے ان لوگوں نے اسلام کا زمانہ پایا، محمد ابن ربیعہ، محمد ابن حرث، اور محمد ابن مسلمہ، اگر چہ ان میں سے محمد ابن مسلمہ کے بارے میں بعض لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ (یہ آنحضرت ﷺ سے پہلے نہیں ہیں بلکہ) یہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے پندرہ سال سے بھی زیادہ عرصے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جس کا نام سب سے پہلے محمد رکھا

گیا، وہ محمد ابن حاطب ہیں۔ محمد نام کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ حدیث بیان کرتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) ”قرآن پاک میں میرا نام یعنی تورات کی طرح، محمد ﷺ ذکر ہے اور انجیل میں احمد ﷺ۔“

محمد نام رکھنے کی فضیلت

اس نام یعنی محمد نام رکھنے کی فضیلت کے متعلق بہت احادیث اور مشہور روایات ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میری عزت اور جلال کی قسم۔ میں کسی ایسے شخص کو جہنم کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہو۔“ یعنی آپ کے مشہور نام محمد ﷺ یا احمد ﷺ پر جس کا نام ہو۔

محمد نام سے رزق میں برکت

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ہر ایسا دستر خوان جس کو بچھانے کے بعد اس پر (کھانا کھانے کے لئے) کوئی ایسا شخص آئے، جس کا نام احمد یا محمد ہو۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ جس پر میرے نام کا کوئی شخص کھانا کھائے، اللہ تعالیٰ اس مکان کو (جس میں یہ دستر خوان بچھا ہے) ہر روز دو مرتبہ بابرکت اور پاک کرتا ہے۔“

محمد واحمد نام کے لوگ جنتی

ان ہی میں سے ایک حدیث ہے۔ (میدان حشر میں) دو بندے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے، جن میں سے ایک کا نام احمد ہوگا اور دوسرے کا نام محمد ہوگا، ان کے متعلق حکم ہوگا کہ ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے، وہ دونوں عرض کریں گے، اے ہمارے پروردگار! تو نے کس بناء پر ہمارے لئے جنت کو آسان فرمایا جبکہ ہم نے ایسا کوئی نیک عمل نہیں کیا جس کے بدلے میں تو ہمیں جنت عطا فرماتا؟ حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا تم دونوں جنت میں پہنچ جاؤ اس لئے کہ میں نے اپنی قسم کھائی ہے، کہ ایسے کسی شخص کو جہنم میں نہیں بھیجوں گا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔“

بیٹے کا نام محمد تو باپ جنت میں

مگر بعض محدثین کہتے ہیں کہ محمد نام کی فضیلت میں جو احادیث ہیں وہ صحیح نہیں ہیں بلکہ اس سلسلے میں جتنی روایتیں بھی آتی ہیں وہ سب موضوع یعنی من گھڑت ہیں بعض محدثین نے کہا ہے کہ ان احادیث میں جو سب سے زیادہ صحیح ہونے کے قریب ہے وہ صرف یہ ہے کہ جس شخص کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس بچے کا نام محمد رکھے تو وہ شخص اور اس کا بچہ دونوں جنتی ہوں گے۔

ابورافع اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ "اگر تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو نہ اس کو مارو اور نہ اس سے پرہیز کرو۔"

ایک دوسری روایت میں ہے جس کے بعض راویوں کے متعلق یہ الزام ہے کہ وہ حدیث گھڑتے تھے، کہ (جس بچے کا نام محمد رکھ دو) نہ اس کو گالی دو نہ ذلیل کرو اور نہ اس سے نفرت کرو بلکہ اس کی عزت واحترام کا اور اعزاز کرو، اس کی قسم کا پاس کرو اور (جب وہ تمہاری مجلس میں آئے تو) اس کے لئے مجلس میں جگہ خالی کرو، اس کو کوسنا مت دو اللہ تعالیٰ نے محمد نام میں برکت رکھی ہے اور اس گھر میں برکت رکھی ہے جس میں محمد نام کا آدمی ہو اور اس مجلس میں بھی برکت رکھی ہے جس میں محمد نامی شخص ہو۔" ایک روایت میں ہے کہ "(یہ بات بہت بری ہے) کہ تم بچے کا نام محمد رکھو اور پھر اسے گالی دو۔" ایک روایت ہے جس کے بعض راویوں کو غیر معتبر کہا گیا ہے کہ: "کیا تمہیں اس بات سے حیا نہیں آتی کہ (اپنے محمد نام کے بچے کو) اے محمد کہہ کر اسے مارو۔" حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) "جس شخص کے یہاں تین لڑکے ہو گئے اور اس نے ان میں سے کسی کا نام محمد نہیں رکھا اس نے جہالت کا ثبوت دیا، ایک روایت میں ہے کہ اس نے برا کیا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے میرے ساتھ برائی کی۔"

محمد نام تجویز تو لڑکا پیدا ہوگا

ایک محدّث نے ایک اور حدیث نقل کی ہے اگر چہ وہ مرفوع احادیث میں سے نہیں

ہے وہ حدیث یہ ہے کہ: ”جو شخص یہ چاہے کہ اس کی بیوی کے حمل سے لڑکا پیدا ہو تو وہ اپنا ہاتھ حاملہ بیوی کے پیٹ پر رکھ کر یہ کہے کہ۔ ”اگر اس حمل سے میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اس کا نام محمد رکھوں گا تو اس (نیت کے اثر) سے اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوگا۔“

ایک حدیث ہے جس کو عطاء نے نقل کیا ہے کہ: ”جس بچے کا نام (اس کی پیدائش سے پہلے) ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے محمد رکھ دیا جائے تو وہ لڑکا ہی پیدا ہوگا۔“ ابن الجوزی نے موضوعات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے راویوں کا سلسلہ بعض محدثین نے حضور ﷺ تک پہنچایا ہے۔

مشورہ میں محمد نامی شخص سے برکت

ایک روایت میں ہے کہ ”جو لوگ بھی کسی مشورہ کے لئے جمع ہوئے اور ان میں محمد یا احمد نام کا بھی کوئی شخص ہوا اور انہوں نے اس شخص کو بھی مشورہ میں شریک کیا تو ان کے لئے ضرور اس معاملہ میں خیر و بھلائی ظاہر ہوگی جس کے لئے انہوں نے مشورہ کیا ہے اور جس گھر میں بھی محمد نام (کا کوئی شخص ہوگا اس گھر میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرماتا ہے۔“ ایک روایت ہے کہ ”جو لوگ بھی کوئی حلال کھانا کھانے بیٹھیں اور ان لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہو جس کا نام میرے نام پر ہو تو اس میں ان کے لئے دوگنی برکت ظاہر ہوگی۔“ یہاں نام سے آنحضرت ﷺ کے مشہور نام احمد یا محمد مراد ہیں۔

محمد نام پر گھر کی حفاظت

کتاب شفا میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ (یعنی فرشتے) ایسے ہیں جن کا کام ایسے گھروں کی حفاظت کرنا ہے جس میں محمد نام ہو۔“ حافظ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ حضرت امام حسینؓ ابن علی ابن ابو طالب سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی بیوی کے حمل ہوا اور وہ یہ نیت کرے کہ وہ اس (ہونے والے بچے) کا نام محمد رکھے گا تو چاہے وہ بچہ لڑکی ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا بنا دیتا ہے۔“

اس حدیث کے راویوں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے یہاں سات

(پوچھنا) مرتبہ یہ نیت کی اور سب کا نام محمد ہی رکھا (یعنی ہر مرتبہ اس حدیث کی سچائی کا تجربہ ہوا کہ لڑکا پیدا ہوا اور میں نے نیت کے مطابق ہر ایک کا نام محمد رکھا) نیز آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ''جس شخص کی بیوی حاملہ ہو اور وہ شخص یہ فیصلہ کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکا عطا فرماتا ہے۔''

آپ ﷺ کے نام کی خیر و برکت

ایک مرتبہ ایک عورت نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اس کا کوئی لڑکا زندہ نہیں رہتا، آپ نے فرمایا حق تعالیٰ کے نام پر یہ فیصلہ کرلو کہ جو لڑکا اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائیں اس کا نام محمد رکھوگی۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا اور اس کے نتیجہ میں اس کا وہ لڑکا زندہ رہا۔

جنت میں آدمؑ کا لقب ابومحمد

عربوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جب کسی شخص کی عظمت اور احترام کرتے تھے، تو اس کی کنیت یعنی لقب رکھتے تھے اور اس کی اولاد میں جو سب سے زیادہ قابل اور لائق ہوتا تھا اس کے نام پر کنیت یعنی لقب رکھتے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ: ''جنت میں ہر شخص کو اسی کے نام سے پکارا جائے گا مگر حضرت آدمؑ کو ابومحمد ﷺ (محمد ﷺ کے باپ) کہہ کر پکارا جائے گا، جس سے حضرت آدمؑ کی تعظیم اور آنحضرت ﷺ کی توقیر اور احترام مقصود ہوگا۔'' یہ حافظ دمیاطیؒ کا قول ہے، ایک روایت میں ہے کہ ''کوئی شخص یعنی جنت والوں میں سے کوئی شخص سوائے آدمؑ کے ایسا نہیں ہوگا جس کو کوئی لقب دیا جائے ان کو یعنی حضرت آدمؑ کو ابومحمد ﷺ کا لقب دیا جائے گا۔''

قیامت میں محمد نام کی پکار

جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، اے محمد! اٹھو اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجاؤ'' اس آواز پر ہر وہ شخص اٹھ کر بڑھے گا جس کا نام محمد ہوگا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے احترام کی وجہ سے ان میں سے کسی کو نہیں روکا جائے گا ''

محمد نام کے احترام میں مغفرت

کتاب حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم ،وہب ابن منبہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جس نے سو سال تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (اور گناہ کرتا رہا) اس کے بعد جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو اٹھا کر (اس سے نفرت کی وجہ سے) کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی نازل فرمائی کہ اس شخص کو وہاں سے نکالو اور اس کی نماز پڑھو، حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔"اے پروردگار! بنی اسرائیل نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ اس نے سو برس تک تیری نافرنی کی۔" مگر اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ ہاں وہ ایسا ہی تھا مگر اس کی ایک عادت تھی کہ وہ جب بھی (اللہ تعالیٰ کی کتاب) تورات کو کھولتا تھا اور اس میں محمد ﷺ کے نام پر اس کی نظر پڑتی تھی تو وہ اس کو چومتا تھا اور آنکھوں سے لگایا کرتا تھا میں نے اس کی اس ادا کو قبول کرلیا اور اس کے گناہ معاف کر کے ستر حوروں کے ساتھ اس کو بیاہ دیا۔" لوگوں میں یہ عادت پھیل گئی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ کا حال سنتے ہیں تو آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے ہیں، یہ قیام یعنی کھڑا ہونا بالکل ایک بدعت ہے جس کی (شریعت میں) کوئی اصل نہیں ہے۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد اول نصف اول)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نام کی صحیح تعظیم کرنے اور آپ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۲۹

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انتیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا" بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذاتِ باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحبِ خصوصیت ﷺ کے روضہ مبارک کے سائے تلے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

بہر حال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا، اگر چہ دیگر انبیاء بھی ماہر طبیب تھے مگر طبّ کا جو حصہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا دیگر انبیاء کے مقابلے میں زیادہ عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں واقعات کی روشنی میں اس خصوصیت کو واضح کیا گیا ہے، جسکے مطالعے کے بعد آپ ﷺ کی یہ خصوصیت مکمل طور پر واضح ہو جائے گی انشاء اللہ، علاوہ ازیں اس خصوصیت کے ذیل میں طب نبوی کے کچھ راہنما اصول بھی ذکر کئے گئے ہیں جو فائدے سے خالی نہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

انتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیماریوں کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجے میں ان کو جسمانی امراض وعوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے۔ تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اس وصف میں ممتاز ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا جیسا کہ آنے والے واقعات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہونا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت سہیل بن سعدؓ تین چشم دیدہ گواہوں سے روایت ہے کہ غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالب کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوبِ چشم ہے اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہ بنؓ اکوع) اُن کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اسی وقت اچھی ہوگئیں، ایسا معلوم ہوتا کہ اُن کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں۔ (بخاری شریف)

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بنؓ اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف نشان رہ گیا تھا غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولید کے پاؤں میں زخم لگا، جب لڑائی ختم ہو چکی تو آپ ﷺ کو معلوم ہوا، آپ ﷺ حضرت خالد بن ولید کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ ﷺ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا زخم اچھا ہو گیا۔ (بخاری شریف)

اندھے کا اچھا ہونا

آپ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کر دوں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے، عرض کیا دعا کیجئے فرمایا اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے ترمذی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل اور

حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا۔ حاکم کی ایک اور روایت میں ہے جو علی شرط البخاری ہے یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے۔ حضرت عثمانؓ بن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں مجھے سخت تکلیف ہے۔ فرمایا وضو خانہ میں جا کر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کبھی تھی ہی نہیں۔

حبیبؓ بن فدیک ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی اور ابونعیم میں مذکور ہے۔ مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے۔

بلا کا دور ہونا

آپ ﷺ ایک سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک عورت بچے کو لئے ہوئے سامنے آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپ نے بچے کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا اور تین بار کہا کہ اے خدا کے دشمن نکل میں خدا کا رسول ہوں پھر لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا۔ سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا ہدیہ قبول فرمائیے، خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے ایک دنبے کو قبول فرما لیا اور دوسرے کو واپس کر دیا۔ (بحوالہ مسندِ احمد بن حنبل)

گونگے کا بولنا

حجۃ الوداع میں آپ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ بولتا نہیں۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، ہاتھ دھویا اور کلّی کی اور فرمایا یہ پانی اُس کو پلا دو اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل

اچھا ہوگیا اور بولنے لگا۔ (بحوالہ سنن ابن ماجہ)

مرض نسیان کا دور ہونا

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آکر شکایت کی کہ یارسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا "اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو"۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا اور جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کیا کرتا تھا اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں۔ پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو آپ ﷺ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں سے آکر بیان کیا کہ یارسول اللہ مجھے یہ مرض پیدا ہوگیا ہے کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں؟ آپ نے پاس بلاکر اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہوگئی۔ اسی طرح حضرت ابوھریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ انہوں نے پھیلایا، آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا اس کو سمیٹ لو، حضرت ابوھریرہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تب سے پھر میں کوئی بات نہیں بھولا۔ (حوالہ بالا)

بیمار کا تندرست ہونا

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو فرمایا کہ یہ دعا سات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں۔ ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ ﷺ کا گزر ہوا تو ان کو اس پر تنبیہ کی اور دعا فرمائی، پھر اُن کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہو جانا

محمد بن حاطبؓ ایک صحابی ہیں، وہ جب بچے تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں، آپ نے اپنا لعاب دہن اس پر ملا اور دعا پڑھ کر دم کیا۔ طیالسی اور ابن حنبل میں اسی قدر ہے مگر امام بخاری نے تاریخ بہ سند بیان کیا ہے کہ محمد بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ میں بچے کو لے کر اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچے کا زخم چنگا ہو گیا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

جنون کا دور ہونا

ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ میرا بھائی بیمار ہے دعا کیجئے۔ پوچھا کیا بیماری ہے عرض کیا اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا اس کو لے آؤ، وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا (بحوالہ سیرت النبی جلد سوم)

ٹوٹی ہوئی ہڈی کا ٹھیک ہونا

ابو رافع یہودی اسلام اور رسول اکرم ﷺ کا سخت دشمن تھا۔ اور دشمنوں سے ملا ہوا تھا اس کی سرکوبی کے لئے حضرت عبداللہ بن عتیکؓ چند انصاری جوانوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ابو رافع کی رہائش ایک چھوٹے قلعہ (گڑھی) میں تھی، حضرت عبداللہؓ اس قلعہ میں داخل ہوئے تو رات کی سیاہی بہت گہری تھی۔ انہوں نے اندھیرے میں تلوار چلائی مگر وار کارگر نہ ہوا۔ اور ابو رافع بیدار ہو گیا، غضبناک ہو کر چلایا کہ کسی نے مجھ پر تلوار چلائی ہے حضرت عبداللہؓ نے اب آواز پر وار کیا اور ابو رافع کو قتل کر ڈالا۔ قلعہ سے نکلتے وقت ان کا پاؤں زینہ سے پھسل گیا اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اپنی پنڈلی پگڑی سے کس کر باندھی اور لنگھڑاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ حضرت عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا اور پنڈلی آناً فاناً صحیح وسالم ہو گئی۔ گویا کبھی اسے صدمہ پہنچا ہی نہ تھا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

طبِ نبوی ﷺ کے چند رہنما اصول

بیماری، طب اور علاج معالجہ انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہے جس سے کسی صورت صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام دینِ فطرت ہونے کے اعتبار سے بنی نوعِ انسان کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، اس لئے اس نے بیماری اور علاج معالجہ کے لئے راہ عمل متعین کر دی ہے۔ چونکہ قرآن حکیم کی رُو سے دانائے کونین رحمت دو عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے اس لئے لامحالہ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ حضور ﷺ کا طرزِ عمل بیماری اور علاج معالجہ کے بارے میں کیا تھا۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ

(ا) بیماری کو من جانب اللہ سمجھتے تھے۔

(ب) اس کو مسلمان کے گناہوں کا کفارہ تصور فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مؤمن کو اگر ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ اس کے کسی گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔

(ج) اس کے علاج کے لئے دعا اور دوا دونوں کو ضروری سمجھتے تھے۔

(د) خود بھی لوگوں کو اپنے حکیمانہ مشوروں سے مستفیض فرماتے تھے اور ان کو طب میں ماہر اور پیشہ ورانہ صلاحیتیں رکھنے والے طبیبوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ طبی علاج کی حضور ﷺ کے نزدیک اس قدر اہمیت تھی کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ کے حکم سے اس میں ایک خیمہ نصب کیا گیا جس میں مریضوں، زخمیوں کو لٹانے کا انتظام کیا گیا اور اس کو شفا خانہ قرار دیکر ایک انصاری صحابیہ رُفیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا انچارج بنایا گیا۔ یہ خاتون جراحی میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔ کئی موقعوں پر حضور ﷺ نے علیل صحابہ کا علاج اس زمانے کے نامور طبیب حارث بن کلدہ سے کرایا۔ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ اگر کسی صحابی کے زخم یا پھوڑے (غیر طبعی ورم) کو داغنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے داغا۔

(ر) علاج کے لئے حرام چیزوں سے منع فرماتے تھے۔

یہاں ہم حضور ﷺ کے چند ارشادات عالیہ اور عہد رسالت کے کچھ واقعات کا ذکر کرتے ہیں، جن کا تعلق بیماریوں اوران کے علاج معالجہ سے ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے:۔

طبّ سے متعلق حضور ﷺ کے چند ارشادات

(۱) کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر مرض کے لئے دواء ہے'' جب دواء کا اثر بیماری کی ماہیت کے مطابق ہو تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفا ہو جاتی ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جس مرض کو اتارا اس کی شفا بھی اتاری ہے۔

(۲) بیماری کا علاج کرنا ضروری ہے۔

مسند احمد بن حنبل میں حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کہ کچھ اعرابی آئے اور کہا، یارسول اللہ کیا ہم دواء استعمال کریں؟ آپ نے فرمایا اے اللہ کے بندو دوا استعمال کرو کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی اللہ عزّ وجلّ نے دوا نہ رکھی ہو سوائے ایک بیماری کے۔ ان لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول وہ کونسی بیماری ہے ،فرمایا کھوسٹ بڑھاپا۔

(۳) نیم حکیم خطرہ جان

ابو داؤدؒ، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عمر بن العاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم طب سے ناواقف ہو اور کسی کا علاج کرے تو وہ اس کا (نقصان پہنچ جانے کی صورت میں) ذمہ دار ہے۔

(۴) طبیب حاذق سے علاج کراؤ اور پرہیز کرو

رسول اکرم ﷺ بیماروں کو طبیب حاذق سے علاج کروانے کی ہدایت فرماتے اور اس کو پرہیز کرنے کا حکم دیتے۔ (زادالمعاد۔ابن قیم)

(۵) معدہ کی خرابی تمام امراض کی جڑ ہے

شعب الایمان (بیہقی) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، معدہ بدن کا حوض ہے سب رگیں اس میں ملتی ہیں۔ اگر معدہ درست ہے تو سب رگیں درست ہیں معدہ خراب ہے تو سب رگیں خراب۔

(۶) حرام اور نجس چیزوں سے علاج نہ کرو

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی پیدا کی ہے اور بیماری کی دوا بھی اور ہر بیماری کی ایک دوا مقرر فرمائی ہے۔ تم دوا سے علاج کرو لیکن حرام چیزوں سے علاج نہ کرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خبیث (نجس) دوا سے علاج کرنے کو منع فرمایا ہے (ترمذی۔ابن ماجہ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عثمانؓ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مینڈک کو دوا میں شامل کرلیا جائے تو کیا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے مینڈک کو مارنے اور دوا میں شامل کرنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

(۷) بسیار خوری سے بچو اور ہمیشہ کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ایک انتڑی سے کھاتا ہے اور کافر سات انتڑیوں سے صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہے اور دو آدمیوں کا چار کے لئے اور چار آدمیوں کا آٹھ کے لئے کافی ہے۔

''زادا' حاد''میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو کم کھانے کی ترغیب دلایا کرتے۔اور فرمایا کرتے معدہ کا ایک حصہ کھانے کے لئے ،اور ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ خود معدہ کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔

(۸) آشِ جو کا حریرہ مریضوں کے لئے عمدہ غذا ہے

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ حریرہ (تلبینہ) بیمار کے دل کو راحت وسکون بخشتا ہے اور بعض غموں کو دور کرتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں میں سے کسی کو بخار آجاتا تو آپ حریرہ (تلبینہ) تیار کرنے کا حکم دیتے، چنانچہ حریرہ تیار کیا جاتا پھر آپ ﷺ اسے پینے کا حکم دیتے اور آپ ﷺ یہ فرماتے کہ حریرہ غمگین دل کو قوت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے رنج اور بیماری کو دور کرتا ہے جس طرح تم میں سے (اے عورتو) کوئی میل کو پانی کے ساتھ چہرے سے دور کرتا ہے۔

(تلبینہ) یا حریرہ آش جو سے بنایا جاتا ہے اس کی ترکیب یہ ہے کہ جو کا بے چھنا آٹا لے کر اس کو دودھ میں پکایا جائے جب پکنے پر آئے تو اس میں تھوڑا سا شہد ملا دیا جائے پھر اس کو ٹھنڈا کر کے مریض کو پلایا جائے آشِ جو کی طبی افادیت تمام اطباء اور ڈاکٹر کے نزدیک مسلم ہے۔

(۹) شہد میں شفا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو شفا دینے والی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ایک تو شہد اور دوسرے قرآن۔(ابن ماجہ۔بیہقی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر مہینہ میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے وہ پھر کسی بڑی مصیبت وبلا میں مبتلا

نہیں ہوتا۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

صحیحین میں حضرت سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرا بھائی استطلاق بطن (اسہال) میں مبتلا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ چنانچہ وہ شہد پلا کر پھر حاضر ہوا اور کہنے لگا میں نے شہد پلایا مگر اس سے میرے بھائی کو اور زیادہ اسہال آنے لگے ہیں مگر حضور ﷺ نے پھر شہد پلانے کا ہی حکم دیا۔ حتیٰ کہ تین دفعہ ایسا ہوا۔ پھر جب اس نے چوتھی دفعہ اس نے آکر یہی کہا کہ میں نے شہد پلایا مگر اس سے اسہال بڑھتے ہی جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر شہد پلایا اور مریض کو شفا ہوگئی۔

(۱۰) مہندی کئی بیماریوں کا علاج ہے۔

حضرت امِ رافعؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پھنسی یا پھوڑا ہوتا تھا یا کوئی کانٹا لگ جاتا تھا تو آپ ﷺ اس پر مہندی کا لیپ کیا کرتے تھے۔ (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی نے پیٹ کے درد کی شکایت بیان کی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ، پیٹ پر مہندی کا لیپ کر۔ رسول اللہ کے سر میں جب کبھی درد ہوتا تھا تو آپ ﷺ سر پر مہندی کا لیپ کیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ بیشک یہ فائدہ کرے گی، اللہ کے حکم سے۔ (ابن ماجہ)

مہندی یا حنا خون صاف کرتی ہے۔ یرقان، سنگِ گردہ اور عسر البول کے لئے مفید ہے۔ جلدی بیماریوں یعنی خدام، آتشک اور خارش وغیرہ میں مفید ہے۔ معدہ، جگر اور تلی وغیرہ کی بیماریوں میں نفع دیتی ہے۔ اس کا لیپ آبلے اور پھوڑے کی جلن کو مفید ہے۔ مہندی سدّوں اور رگوں کے منہ کھول دیتی ہے اس لیے پیٹ کے درد میں اس کا لیپ مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ فاسد مادوں کو باہر نکلنے کا راستہ مل جاتا ہے۔ دردِ سر اور دردِ زانو میں بھی اس کا لیپ

مفید ہے۔ حضور ﷺ کا اپنے موئے مبارک مہندی سے رنگنا ثابت ہے اس لیے علماء نے مہندی کے خضاب کو جائز قرار دیا ہے۔

(۱۱) بچھو کے کاٹنے کا علاج نمک اور معوذتین سے کرو

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے میں بچھو نے کاٹ کھایا آپ ﷺ نے بچھو کو جوتی سے مار ڈالا اور فرمایا کہ یہ بچھو بھی کیسی ملعون چیز ہے کہ یہ نمازی اور غیر نمازی کو نہیں چھوڑتا (یا نبی یا غیر نبی کے الفاظ استعمال فرمائے یہ شک راوی کی جانب سے ہے) پھر آپ ﷺ نے نمک اور پانی منگوا کر ایک برتن میں ڈالا اور یہ پانی اپنی انگلی پر جہاں بچھو نے کاٹا تھا ڈالنے لگے، ساتھ ہی آپ ﷺ معوذتین (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) پڑھتے جاتے تھے۔ (شعب الایمان، بیہقی)

نمک طعام دوسرے درجہ میں گرم اور خشک ہے۔ رطوباتِ متعفنہ کو تحلیل اور خشک کرتا ہے۔ جس عضو پر اس کا لیپ کیا جائے، اس عضو کے اجزاء کو سکیڑ کر اس کے مسامات کو وسیع کرتا ہے۔ مسامات کے اندر رطوبات کو تحلیل کرتا ہے۔ گرم پانی میں نمک گھول کر بچھو کے کاٹے ہوئے عضو کو اس پانی میں رکھیں تو اس سے زہر تحلیل ہوتا ہے اور درد موقوف ہو جاتا ہے۔

(۱۲) جَو اور چقندر بیماری کے بعد کی کمزوری کو دور کرتے ہیں

حضرت امِ المنذر بنت قیس انصاریہ سے روایت ہے کہ میرے ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ حضرت علی ابھی ابھی بیماری سے اٹھے تھے۔ ہمارے ہاں کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے، حضور ﷺ اٹھ کر ان میں سے کھجوریں تناول فرمانے لگے۔ اسی طرح حضرت علیؓ نے بھی اٹھ کر کھجوریں کھانی شروع کیں مگر حضور ﷺ نے ان سے کہا، تم ابھی بہت کمزور ہو۔ چنانچہ حضرت علی رک گئے۔ پھر میں نے جَو اور چقندر پکا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کئے۔ پس آپ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: اس میں سے کھاؤ یہ تمہارے لیے مفید ہے۔ (مشکوۃ المصابیح)

(۱۳) آشوب چشم میں کھجور کا کھانا مضر ہے

حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے روٹی اور کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے مجھے بھی کھانے کی دعوت دی، پس میں کھجوریں کھانے لگا، جس پر حضور ﷺ نے فرمایا، کیا تم اس حالت میں بھی کھجوریں کھاتے ہو جب کہ تمہیں آشوب چشم ہے۔ (زادالمعاد)

(۱۴) شدید بیماری میں حاذق طبیب کو بلاؤ

سنہ ۱۰ ہجری میں رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظّمہ تشریف لے گئے تو حضرت سعد بن ابی وقاص بھی آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ مکّہ پہنچ کر وہ سخت بیمار ہو گئے۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شدید علالت کی خبر ہوئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا، طبیب حارث بن کلدہ کو بلاؤ۔ حارث بن کلدہ ثقفی بڑا نامور طبیب تھا۔ اور ''طبیب العرب'' کے لقب سے مشہور تھا حارث بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا اور حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھتے ہی کہنے لگا، خطرہ کی کوئی بات نہیں، کھجور اور اسی کے آٹے کا حریرہ بنا کر مریض کو پلاؤ چنانچہ یہی کیا گیا اور حضرت سعدؓ صحت یاب ہو گئے۔ (سیرۃ سعد بن ابی وقاص)

ایک اور روایت میں ہے کہ حارث بن کلدہ نے فریقہ تیار کرنے کی ہدایت کی، یعنی کھجور اور جَو کا دلیہ اور میتھی پانی میں اُبال کر اس میں شہد ملا کر (مریض کو نہار منہ) پلایا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نسخہ پسند فرمایا۔ اس کے استعمال سے مریض کو شفا ہوگئی۔

(بحوالہ طب نبوی اور جدید سائنس)

(۱۵) آنکھوں میں سُرمہ لگایا کرو

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، سرمہ آنکھ میں ڈالا کرو کہ وہ آنکھ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، تم سوتے وقت سیاہ سرمہ ضرور لگایا کرو۔ بیشک یہ نگاہ کو روشنی بخشتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۱۶) انجیر بواسیر اور نقرس کے لیے مفید ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی نے انجیر سے بھرا ہوا طباق (تھال) ہدیۃً پیش کیا، آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا، کھاؤ۔ ہم نے اس میں سے کھایا۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اگر کوئی پھل جنت میں سے آسکتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہی وہ ہے کیونکہ بلاشبہ یہ جنت کا میوہ ہے اس میں سے کھاؤ کہ یہ بواسیر کو ختم کر دیتی ہے اور نقرس (جوڑوں کے درد) میں نفع بخش ہے۔

(۱۷) کھُنبی کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے

حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھُنبی مَن میں سے ہے۔ اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے (صحیح بخاری، نسائی)

یہی روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت صہیب، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۱۸) زیتون کے تیل سے علاج کرو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کے تیل سے علاج کرو۔ اسے کھاؤ اور لگاؤ کیونکہ یہ ایک مبارک درخت ہے۔ (بیہقی، ابن ماجہ)

حضرت علقمہ بن عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے زیتون کا تیل موجود ہے اسے کھاؤ اور بدن پر مالش کرو کیونکہ یہ بواسیر میں فائدہ دیتا ہے

ایک اور جگہ بواسیر کی جگہ باسور (مقعد کا زخم) ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور اسے لگاؤ (یعنی اس کی مالش کرو) کیونکہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے، جن میں سے ایک کوڑھ ہے۔ (ابونعیم)

(۱۹) تربوز کھجور کا اور کھجور تربوز کی مصلح ہے

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تازہ پکی ہوئی کھجوروں کے ساتھ تربوز کھایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ کھجور کی گرمی کو تربوز کی ٹھنڈک مار دیتی ہے اور تربوز کی گرمی کو کھجور کی ٹھنڈک مار دیتی ہے۔ (ابن ماجہ، ابوداؤد)

(۲۰) بچوں کے حلق کی بیماری کا علاج قسط سے کرو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے بچوں کو حلق کی بیماری میں (گلے پڑنے پر) ان کا گلا دبا کر اذیت نہ دو بلکہ تم قسط (گوٹھ یا میٹھی گوٹھ) استعمال کرو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عورتو! تمہارے لئے افسوس کا مقام ہے کہ تم اپنی اولاد کو خود قتل کرتی ہو۔ اگر کسی کے بچے کے گلے میں سوزش ہو جائے یا سر میں درد ہو تو وہ قسط ہندی کو لے کے پانی میں رگڑے اور بچے کو چٹا دے۔ (مستدرک حاکم، الشاشی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم ذات الجنب (پلورسی یا نمونیہ) کا علاج قسط بحری اور زیتون کے تیل سے کریں۔

(۲۱) کلونجی موت کے سوا ہر بیماری کا علاج ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کالے دانے میں ہر بیماری سے موت کے سوا شفا ہے اور کالے

دانے (سے مراد) شونیز (کلونجی) ہے۔ (صحیحین مسند احمد وابن ماجہ)

(۲۲) بہی (سفرجل) امراض قلب میں مفید ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفرجل (بہی) کھاؤ کیونکہ اس دل کے دورے کو ٹھیک کر کے سینہ سے بوجھ اتار دیتا ہے۔ (ابونعیم، ابن السنی) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفرجل (بہی) کھانے سے دل سے بوجھ اتر جاتا ہے، اس کو نہار منہ کھانا چاہئیے۔ (کنز العمال) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سفرجل (بہی) کھاؤ کہ یہ دل کے دورے کو ٹھیک کرتا اور دل کو مضبوط کرتا ہے۔ (مسند فردوس)

ایک اور حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ سفرجل دل کی بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ (ذہبی)

(۲۳) سناء بیشمار بیماریوں کا علاج ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کسی چیز کے ذریعے موت سے شفا ہو سکتی ہے تو وہ چیز سناء ہوتی۔ پھر فرمایا، تم سناء کو لازم پکڑو کیونکہ وہ، موت کے سواء ہر مرض کو شفا دینے والی ہے۔ (ترندی، ابن ماجہ)

سناء ایک مشہور بوٹی ہے جو ہر خلط کی مسہل ہے اور پیٹ کے کیڑوں کو ہلاک کرتی ہے۔ یہ صفراء بلغم اور سودا کو بدن سے خارج کرتی ہے۔ اس کا مسہل بیشمار فوائد کا حامل ہے اور بے ضرر ہے یہ دماغ کا تنقیہ کرتی ہے اور پرانے دردسر، دمہ، کولنج، عرق النساء، وجع المفاصل، جنون، مرگی، ذات الجنب (نمونیہ) نقرس اور دردشقیقہ کو نافع ہے، سناء میں ایک ایسا جوہر بھی پایا جاتا ہے جو خون کو صاف کرتا ہے۔

(۲۴) رات کو کھانا مت چھوڑو

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رات کا کھانا مت چھوڑو اس سے بڑھاپا جلدی آتا ہے۔ (کتاب الطب ابونعیم)

حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ رات کے کھانے کا حکم دیتے خواہ مٹھی بھر کھجوریں ہی کیوں نہ ہوں اور فرماتے کہ رات کا کھانا چھوڑنا بڑھاپا جلد لاتا ہے۔ خالی پیٹ ہونے اور بھوک کی حالت میں سو رہنے سے بدن کی رطوبتیں تحلیل ہونے لگتی ہیں جن کا ذخیرہ بدن میں ہر وقت مناسب مقدار میں رہنا حفظِ صحت اور بقائے قوت کے لیے لازمی ہے۔

(۲۵) ضروری ہو تو عمل جراحی اور داغنے سے علاج کرو

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لئے گیا۔ اس شخص کی کمر میں کہیں ورم تھا۔ لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس میں پیپ پڑ چکی ہے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا، اس میں شگاف دے دو، چنانچہ اس شخص (کے ورم) کو شگاف دے دیا۔ (زاد المعاد جلد دوم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کے ایک مریض کے بارے میں اس کے معالج کو حکم دیا کہ وہ مریض کے پیٹ میں شگاف دے، اس پر حضور ﷺ سے پوچھا گیا، کیا اس کے لئے طب میں کوئی چیز مفید ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس ذات نے بیماریاں نازل کی ہیں اسی ذات نے جس جس چیز میں چاہا شفا بھی رکھی ہے۔

''زاد المعاد'' میں ہے کہ سید الاوس حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ احزاب میں رگِ اکحل میں تیر لگا اور ان کا زخم بگڑ گیا۔ حضور ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے داغا، جب یہ زخم پھول گیا تو حضور ﷺ نے اسے دوبارہ داغ دیا لیکن حضرت سعدؓ کا آخری وقت آپہنچا تھا ایک بکری کا کھر لگنے سے یہ زخم پھٹ گیا اور حضرت

سعدؓ نے وفات پائی علاج کے لیے حضرت سعدؓ کو مسجد نبوی میں نصب حضرت رُفیدہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ کے خیمے میں رکھا گیا، وہ جراحی میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔

ترمذی شریف میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسعد بن زُراہ حلق کے شدید درد میں مبتلا ہوئے، تو رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ان کے سر کو خود اپنے دست مبارک سے داغا۔

اوپر ہم نے صرف چند مثالیں دی ہیں جن سے حفظان صحت، بیماری اور علاج معالجے کے سلسلے میں دانائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(بحوالہ حسنت جمیع خصالہ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

چنانچہ ثابت ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا سب سے بڑا ماہر طبیب بنایا اور یہ آپ ﷺ کی بہترین خصوصیت ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۰

رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے'' اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، فجر کی نماز سے فراغت ہوئی ہے اور اب روضہ رسول ﷺ کے قریب لوگ ہی لوگ ہیں، کافی دیر تک تو روضہ رسول ﷺ کے قریب جگہ نہ مل سکی، تلاش تلاش میں کافی وقت لگ گیا، لیکن بالآخر اللہ کے فضل سے جگہ مل ہی گئی کیونکہ جب طلب صادق اور اخلاص پر مبنی ہو تو اللہ تعالیٰ راہیں نکال ہی دیتے ہیں، چنانچہ اب میں اپنے آقا ﷺ کے روضہ کے سائے تلے بیٹھا اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دل سے بار بار یہی صدا آرہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مدینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اخلاص سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے لئے مقام محمود کو خاص فرمایا ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں حدیث کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے، اور انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے ذریعے بھی ہمارے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

تیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

''حضرت ابن مسعودؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ مقام محمود اور اس کی اہمیت وخصوصیت کیا ہے؟ جس کا اس آیت میں آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (عَسٰی اَن یَّبعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحمُوداً) تو آپ ﷺ نے فرمایا! اس دن (کہ جب مجھے یہ مقام محمود عطا ہوگا) اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزولِ جلال فرمائے گا اور وہ کرسی چر چرائے گی جیسا کہ نئے چمڑے کی تنگ زین چر چراتی ہے اور اس کرسی کی کشادگی و وسعت اتنی ہے جتنی کہ زمین وآسمان کی درمیانی فضا، پھر تم سب کو برہنہ پاء ننگے بدن اور بے ختنہ (میدان حشر) میں لایا جائے گا اور اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابرہیمؑ ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ (فرشتوں کو) حکم دے گا کہ میرے دوست کو لباس پہناؤ، اور جنت کی چادروں میں سے ملائم کتان کی دو سفید چادریں لاکر حضرت ابرہیمؑ کو پہنائی جائیں گی، ان کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا اور پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور (یہ اعزاز ملنے پر) اگلے پچھلے تمام لوگ مجھ پر رشک کریں گے۔'' (دارمیؒ)

تشریح ...... اس حدیث میں ''پروردگار کی کرسی'' کی کشادگی و وسعت کو بیان کرنے کے لیے زمین وآسمان کی درمیانی فضا کی مثال دی گئی ہے جب کہ ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ!'' (وسعت وکشادگی میں) اس کرسی کے مقابلہ پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کی مجموعی حیثیت بس اتنی ہے جتنی کہ کسی بہت بڑے جنگل و بیابان میں پڑے ہوئے ایک چھوٹے سے چھلے کی، اور اس کرسی کے مقابلہ پر عرش کی وہی حیثیت ہے جو اس چھلے کے مقابلہ پر پورے جنگل و بیابان کی!''

پس اس حدیث میں کرسی کی جو وسعت وکشادگی بیان کی گئی ہے وہ بطریق تعین و تحدید نہیں ہے، بلکہ عام لوگوں کے ذہن وفہم کے مطابق محض تمثیل کے طور پر ہے جیسا کہ

جنت کی وسعت و کشادگی کو محض تمثیل کے طور پر بیان کرنے کے لیے یہ فرمایا گیا ہے کہ عَرضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الأَرُض علاوہ ازیں اس وسعت وکشادگی کو بیان کرنے کا ایک خاص مقصد بھی تھا وہ یہ کہ آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزول اجلال فرمانے کی وجہ سے کرسی اس طرح چر چرائے گی جس طرح نئے چمڑے کی تنگ زین سوار کے نیچے چر چراتی ہے تو اس سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ وہ کرسی تنگ اور چھوٹی ہونے کی وجہ سے چر چرائے گی، لہٰذا آپ ﷺ نے واضح کرنا ضروری جانا کہ کرسی کے چر چرانے کی بات اور نئے چمڑے کی تنگ زین کی مشابہت سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ کرسی بھی چھوٹی اور تنگ ہوگی بلکہ وہ کرسی اتنی عظیم اور کشادہ ہے کہ اس کا ہلکا سا اندازہ کرنے کے لیے تم زمین و آسمان کی درمیانی فضا کا تصور کرلو،

بہر حال یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ حدیث کے الفاظ ان متشابہات میں سے ہیں جن کے حقیقی معنیٰ و مراد تک انسانی علم و ذہن کی رسائی تیقن کے ساتھ ممکن نہیں لہٰذا مفرداتِ عبادت جیسے کرسی پر حق تعالیٰ کے بیٹھنے، کرسی کے چر چرانے اور اس کرسی کے زمین آسمان کے درمیانی فاصلہ کے بقدر وسیع وکشادہ ہونے وغیرہ کی حقیقتِ معنی تک پہنچنے کی کوشش کئے بغیر صرف مفہوم حدیث کے خلاصہ کو اختیار کرنا چاہیے جو یہ ہے کہ اس حدیث کے ذریعہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اس کے جاہ وجلال اور اس کی بادشاہت و حاکمیت کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

''اس دن سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابرہیمؑ ہوں گے''، لیکن واضح رہے کہ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت ابرہیمؑ آنحضرت ﷺ پر فضیلت رکھتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس دن حضرت ابرہیمؑ کو سب سے پہلے لباس پہنائے جانے کا شرف واعزاز بھی اسی وجہ سے حاصل ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے روحانی باپ ہیں اور آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی ملت کا سلسلہ انہی سے چلتا ہے! علاوہ ازیں حضرت ابرہیمؑ کو حاصل ہونے والے اس شرف واعزاز کو زیادہ سے زیادہ آنحضرت ﷺ پر جزوی فضیلت ملنا ہی کہا جاسکتا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جزوی فضیلت، کلی فضیلت

کے منافی نہیں ہوتی جب کہ اس دن بھی آنحضرت ﷺ کا بالعموم اور علی الاطلاق پوری نوع انسانی بشمول تمام انبیاء سے افضل و برتر ہونا خود اسی حدیث کے آخری الفاظ **ثُمَّ اقوم عن یمین اللّٰہ الخ** سے ظاہر و ثابت ہے۔

''اس کے بعد مجھ کو لباس پہنایا جائے گا'' یہ ارشاد بظاہر اس روایت کے منافی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ قیامت کے دن اپنی قبر سے لباس میں اٹھیں گے! لیکن اگر یہ وضاحت پیش نظر رہے تو پھر دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد معلوم نہیں ہوگا کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر سے لباس میں اٹھیں گے لیکن میدان حشر میں آپ ﷺ کو تمام انبیاء کے ساتھ دوبارہ لباس پہنایا جائے گا اور یہ آپ ﷺ کے کامل و شرف و احترام کے اظہار کے لئے ہوگا۔

حدیث کو آخر تک دیکھنے کے بعد ایک بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کئے جانے والے سوال اور آپ ﷺ کی طرف سے دیئے جانے والے جواب کے درمیان مطابقت و موزونیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پوچھنے والوں نے مقام محمود کے بارے میں پوچھا تھا کہ اس کی نوعیت و صورت کیا ہوگی، آپ ﷺ نے اس کا جواب براہ راست نہیں دیا بلکہ پہلے اس دن کے پر ہیبت اور پُر حول ماحول کا ذکر کیا تا کہ لوگوں کے ذہن میں اس چیز کی بڑائی اور اہمیت راسخ ہو جائے جس کے بارے میں انہوں نے سوال کیا ہے بعد میں آپ ﷺ نے ان الفاظ **ثم أقوم عن یمینِ اللّٰہ الخ** (پھر میں اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا الخ) کے ذریعہ ان کے سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا گویا آنحضرت ﷺ نے بالواسطہ طور پر یہ جواب دیا کہ ''مقام محمود'' وہ جگہ ہے جہاں میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف کھڑا ہوں گا اور وہ سب سے بڑا شرف و اعزاز ہوگا جو میرے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوگا، اور الاول تا آخر پوری کائنات مجھے عطا ہونے والے اس شرف و اعزاز پر رشک کرے گی۔ پس یہ ارشاد گرامی اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ ہمارے حضرت محمد ﷺ پوری کائنات حتیٰ کہ انبیاء رسول اور تمام مقربین پر فضیلت رکھتے ہیں۔

''اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا! ''قیامت کے دن پل صراط پر سے گزرتے وقت اہل ایمان کی علامت یہ الفاظ ہوں گے رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ (پروردگار بچائیو، پروردگار بچائیو)'' اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔''

تشریح...... ''شعار'' جس کا ترجمہ علامت کیا گیا ہے، دراصل اسی مخصوص اصطلاحی لفظ یا جملہ کو کہتے ہیں جو فوج والے آپس میں ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے، یا سفر کرنے والے دوران سفر ایک دوسرے کو شناخت کرنے کے لیے استعمال کریں، چنانچہ قیامت کے دن پل صراط پر گزرتے وقت اہل ایمان کی شناخت و پہچان کے لئے رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ (پروردگار بچائیو) کے الفاظ ان کی زبان پر ہوں گے اور ہر اُمت کے لوگ جو اپنے پیغمبر اور رسول کے متبع اور تابعدار تھے، یہ الفاظ کہتے ہوئے آگے بڑھیں گے، تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کے شناختی الفاظ صرف مؤمنین کاملین کا ''شعار'' ہوں گے، یعنی باعمل علماء، شہداء، اور صالحین کہ جن کا انبیاء اور رسولوں کی اتباع کے صدقہ شفاعت کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

ابن مردویہؒ نے حضرت عائشہؓ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ ''قیامت کے دن جب لوگوں کو قبروں سے اُٹھایا جائے گا تو اس وقت اہل ایمان کا شعار لا الٰہ الا اللّٰہ و عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن ہوگا نیز شیرازیؒ نے حضرت عائشہؓ ہی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ! ''قیامت کے دن اس دن کے ہولناک اندھیروں میں اہل ایمان کا شعار لا الٰہ الا اَنتَ ہوگا۔ (بحوالہ مظاہر حق جلد پنجم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۳۱

رسولِ اکرم ﷺ کے تیر پھینکنے کو اللہ نے اپنا پھینکنا قرار دیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے تیر پھینکنے کو اللہ نے اپنا پھینکنا قرار دیا" بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تیر پھینکنے کو اپنا پھینکنا قرار دیا جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل پڑھیں گے، امید ہے کہ انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی میرے اور آپ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت بڑھانے کا سبب اور ذریعہ بنے گی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

اکتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ارشادباری تعالیٰ ہے: وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔

یہ آیت سورۃ انفال کی ہے، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورۃ انفال کا نزول بہ مقام بدر ہوا۔ (بحوالہ صحیحین)

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس واقعہ کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوہ بدر ہی کے واقعات میں سے ہے۔ اہل تفسیر و اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا، الٰہی یہ قریش ہیں، فخر وغرور میں چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول کے مکذب ہیں، میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں، جبرئیل علیہ السلام

آئے ،کہا حضور ﷺ ایک مشت خاک لیجئے اور قریش کی جانب پھینک دیجئے اور نمونہ قدرت باری ملاحظہ کیجئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں والی مٹی کی مٹھی بھری اور لشکر اعداء کی طرف پھینک ماری اس لشکر خودسر میں ایک ہزار کے قریب لوگ تھے ،جن کے کبر وافتخار کی کوئی حد ہی نہ رہی یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پہنچی اور ان بے بصرانِ حقیقت کو بتلا گئی کہ جو رسول پاک کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزادار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاک راہ ان کے لیے سُرمہ بنے۔

واقعہ عجیب تھا کہ ایک مشت خاک اور ایک ہزار اعمیٰ القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے ،اس لئے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دستِ قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کے لیے اعجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ مَا رَمَیتَ کی نفی اور اِذْ رَمَیتَ کے اثبات میں اور ولٰکِنَّ اللّٰہَ رَمیٰ کے نتیجہ سے اتحادِ ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ گئے کہ یہی وہ آیت ہے جو حقیقت محمدیہ کے چہرے سے بُرقع کشا ہے ،مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ۔اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور کی عفو اور درگزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لئے تعجب خیز تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اُٹھتا نہ تھا ہم لوگوں نے تیرا سال تک مکہ میں سن سن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں اُف تک نہ کرتے تھے ،ہاتھ کو جنبش دینا تو کجا ،زبان کو بھی ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد کو کیا ہوگیا کہ اس کی عادت بدل گئی ،کیا اس کی فطرت میں بھی تبدیلی آگئی؟......کیا اب بھی خُلق محمدیہ کو دنیا کے لئے نمونہ بنایا جائے گا۔

رب العلمین کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے حبیب پاک کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں ،جھٹ اس کی نفی فرمادی اور بتلا دیا کہ اخلاقِ محمدیہ تو وہی ہیں جو

دنیا بھر میں مسلمہ ہیں مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی کا ذاتی فعل شامل نہیں، اس فعل میں ان کی نیت شامل نہیں، نبی نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیرانداز کے ساتھ ایک کمان کا ہے، لہٰذا ہمارے رسول کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی ایک شان سمجھو۔ اِذْ رَمیتَ میں فعل کا اثبات اسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیر اندازی میں ہے اور ما رمیتَ میں فعل نبوی کی نفی اسی حقیقت پر ہے جو تیرانداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہٰذا آیت کا محل اصلی ''رب رسول'' ہے۔

اور اہل اسلام کے لئے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے ان اعتراضات کی جواب دہی لازم و واجب ہے جو حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بصری وکوتہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔ کمان کو تیرانداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد وحلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے۔ ہاں آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے، اسی سورۃ انفال کو پڑھو کہ کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی۔ اَللّٰھُم اِن کَان ھٰذا ھُو الحَقُّ مِن عِندکَ فَامطِرْ عَلینا حِجارَۃً مِّنَ السَّمآءِ (۸:۳۲)

''الٰہی محمد کی نبوت اور تیرا نام لے کر آیات قرآنی کی تلاوت اگر درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔''

دیکھو، ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے، یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسیں اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کر دے، ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیونکہ حقانیت اسلام کے لئے انہوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا، لہٰذا رسول کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشت خاک ان پر پھینک دو جب یہ مشت خاک سب کی آنکھوں میں پہنچے گی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسنا بھی بعید نہیں۔ لہٰذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لئے ان کی خود مُنہ مانگی بات کے اصول پر حجت و دلیل بھی۔ اسی توجیہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ رمی حجارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے

برأت و بیزاری کا اظہار بھی ہے، جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں جو بہ وجہ خبث باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دور ہو چکے ہوں کہ ظاہر آثار رشد بھی ان سے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابرہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بہ مقام منیٰ مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذ حکم الٰہی پر بہ کمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزندِ خلیل اور دعائے ابرہیمؑ نے بھی بدر میں اسی نمونہ کا اتباع فرمایا۔ سیدنا ابرہیمؑ ایک شریرالنفس کو خائب و خاسر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

فخر الأنبیاء کی ایک ہی مشت خاک نے ایک ہزار طاغی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرمادیا۔ الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔ (بحوالہ۔ رحمۃ العلمین جلدسوم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حضور ﷺ سے سچی محبت نصیب فرمائے، اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہرِ نفسیات بنایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ماہرِ نفسیات بنایا" بیشک ہمارے حضور ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو سب سے بڑا ماہرِ نفسیات بنایا اگرچہ دیگر انبیاءِ کرام بھی اپنی اپنی امت کے معاملے میں نفسیات دان اور نباض شناس تھے لیکن ہمارے نبی کو اللہ نے اس کا وافر حصہ عطا فرمایا یعنی دیگر انبیاءِ کرامؑ سے زیادہ عطا فرمایا اور قیامت تک کے لئے عطا فرمایا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے۔ جہاں ہم نے احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی اس خصوصیت کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

بتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے جس پہلو کو بھی لیں وہ اتنا جامع اور ارفع و اعلیٰ نظر آتا ہے کہ انسان ورطہء حیرت میں غرق ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو اس کی مکمل اور صحیح تصویر کشی سے عاجز پاتا ہے۔ لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّه

اگرچہ اربابِ سیر نے اپنی اپنی بساط کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور مکارم اخلاق کا ذکر بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ تفصیل سے کیا ہے لیکن ان میں

سے بیشتر نے آپ ﷺ کی جامع کمالات وصفات ذاتِ گرامی کے ایک خاص پہلو پر قلم اُٹھانے کو شاید تحصیل حاصل سمجھا، یہ پہلو ہے نفسیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال مہارت۔ سیرت طیبہ کا بغور مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت خود بخود آشکارہ ہوتی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو انسانی فطرت کا بہترین نباض بنایا تھا۔ جس کے طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح و تربیت کی، اس کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کے نورانی راستے پر لائے اور اس کے افراد کو سیرت و کردار کے پاکیزہ مثالی نمونے بنادیا۔ وہ آپ ﷺ کے حسنِ تبلیغ اور علم النفس یا نفسیات میں آپ ﷺ کی بے مثال مہارت پر دلیل ہے جو تحیّر خیز بھی تھی اور ایمان افروز بھی۔ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ ایک ''ماہر نفسیات'' کے مقام و مرتبہ سے کہیں بلند تھا، نفسیات میں مہارت تو آپ ﷺ کے کمالات وصفات کا ایک بہت ہی معمولی حصہ تھی، جن باتوں سے نفسیات میں آپ ﷺ کی مہارت کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے، دراصل وہ اس حکمت کا حصہ تھیں جس کی آپ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے لوگوں کو تعلیم دی، قرآن حکیم میں حضور ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب و حکمت ہونے کے ساتھ رحمۃ للعالمین اور صاحب خلق عظیم بھی تھے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ، محاسنِ اخلاق اور ارشادات و ہدایات میں بیمار جسم و روح دونوں کی شفا بخشی کا سامان موجود تھا اور انہی سے آب حیات کی تاثیر رکھنے والی اس حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے جو جسم کی صحت و توانائی، دل کی آسودگی، ذہن کی کشادگی، روح کی بالیدگی اور سیرت و کردار کے نکھار کی ضامن تھی اور ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیم حکمت، حُسن تبلیغ اور خلق عظیم کے متعدد پہلو نفسیات میں آپ ﷺ کی بے مثل مہارت کے عکاس ہیں۔ ان میں اکثر پہلوؤں کا ذکر اس کتاب کے مختلف عنوانات کے تحت آچکا ہے اور اگلی جلدوں میں آرہا ہے اور کچھ مزید پہلوؤں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی تعلیم دی خود بھی ان پر عمل کر کے دکھایا۔ جن کاموں سے منع فرمایا، کبھی ان کے نزدیک تک نہ گئے اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا خود ان پر بطریق احسن عمل کر کے اپنی ذات کو لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بنا دیا۔ اگر لوگوں کو یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد کرنے کی تلقین فرمائی تو خود عمر بھر ان طبقوں کی سرپرستی فرماتے رہے۔ اگر لوگوں کو ہمیشہ سچ بولنے کی تاکید فرمائی تو خود عمر بھر حق کے سوا کوئی بات زبان مبارک پر نہ لائے یہاں تک کہ دشمنوں سے بھی ''صادق'' کا لقب پایا، اگر لوگوں کو دیانتداری اور امانتداری کا درس دیا تو خود دیانت وامانت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دشمن بھی اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے اور آپ ﷺ کو امین امین کہتے ان کی زبانیں نہ تھکتی تھیں۔ اگر لوگوں کو توکل علی اللہ کی تلقین فرمائی تو خود نازک سے نازک موقعوں پر بھی اللہ پر توکل کیا اور جبینِ ہمت پر شکن نہ آنے دی۔ اگر لوگوں کو حلم وتحمل اور عفو ودرگزر کا سبق دیا تو خود راہ حق میں معاندین کی سخت سے سخت باتیں برداشت کیں، برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا اور جانی دشمنوں پر بھی قابو پانے کے بعد انہیں معاف فرما دیا۔ غرض کس کس بات کا ذکر کیا جائے، ان سب باتوں کا نفسیاتی اثر ہی تھا کہ اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا۔

(۲) آپ ﷺ کی شیریں زبانی اور نرم مزاجی لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی تھی اور وہ (گنوار صحرائی بھی) اس سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہو جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے حبیب کی نرم خوئی کا ذکر اس طرح کیا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُم ۚ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران آیہ ۱۵۹)

(اے نبیؐ!) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد وپیش سے چھٹ جاتے۔

(۳) نبوت کے چوتھے سال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت توحید عام

کرنے کا حکم دیا گیا اور قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ﷺ اپنے قریبی عزیزوں کو سب سے پہلے اللہ کے عذاب سے ڈرائیں تو آپ ﷺ نے ایک دن صبح سویرے کوہِ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا: "یا صباحاہ" (ہائے صبح کا خطرہ) پھر آپ ﷺ نے قریش کے ایک ایک قبیلے اور خاندان کا نام لے لے کر آواز دی، اس پر قریش کے تمام خاندانوں کے لوگ آپ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "لوگوں اگر میں تمہیں بتاؤں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک بھاری لشکر تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے تیار کھڑا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے"؟ سب نے بیک آواز سے جواب دیا! "ہاں، ہم نے کبھی تمہیں جھوٹ بولنے والا نہیں پایا"

آپ ﷺ نے فرمایا: "تو میں اللہ کا سخت عذاب آنے سے پہلے تم کو خبردار کرتا ہوں اپنے آپ کو اس سے بچانے کی فکر کرو۔"

اُس وقت بظاہر تو قریش پر حضور ﷺ کے انتباہ اور پیغام توحید کا کوئی اثر نہ ہوا لیکن ان کو خبردار کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے جس طرح ان سے اپنے "صادق" ہونے کا اعتراف کرایا اس نے متعدد سعید روحوں کو آپ ﷺ کی دعوت پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا کیونکہ آپ ﷺ کو جھٹلانے یا دعوت توحید کو رد کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی معقول عذر نہ تھا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَفصَحُ العَرَب تھے اور عرب کے ہر قبیلے سے اس کے علاقائی لہجے اور مقامی محاورے کے مطابق گفتگو فرماتے تھے۔ اس کی تفصیل " افصحُ العرب" کے ذیل میں اپنی جگہ پر آئے گی، انشاءاللہ۔ عربی زبان پر آپ ﷺ کے غیر معمولی عبور اور آپکی فصاحت و بلاغت کا بھی عربوں پر نفسیاتی اثر ہوتا تھا۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عوام الناس کے تحت الشعور میں اسلام کی طرف رغبت پیدا کرنے کا باعث بنتی تھی۔ لوگوں کا آئے دن کا مشاہدہ تھا کہ آپ ﷺ خود بھوکے رہ کر بھی سائلوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اپنی ضرورت پر

دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے، عرب کے گوشے گوشے سے جو وفد آتے تھے آپ ﷺ ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے تھے اور جب وہ جانے لگتے تو سب کو کچھ نہ کچھ دے دلا کر رخصت فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل ایک طرف تو عوام الناس پر خوشگوار نفسیاتی اثر ڈالتا تھا تو دوسری طرف آپ ﷺ کی سخاوت وایثار اور مہمان نوازی سے فیض یاب ہونے والوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کر دیتا تھا جو ان کو حلقہ اسلام میں لے آتے تھے۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دُکھ سکھ میں برابر شریک رہتے تھے۔ کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، بیمار کو تسلی وتشفی دیتے اس کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے، اِنْشاءَ اللہ صحت یاب ہو جاؤ گے۔ پھر اس کی صحت کے لئے دعا کرتے، یوں نفسیاتی طور پر مریض پر بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ اسی طرح کسی صحابی کا انتقال ہو جاتا تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے اور فوت ہونے والوں کے رشتہ داروں کے پاس جا کر تعزیت کرتے۔

(۷) نماز پڑھاتے وقت اگر مقتدیوں میں بچوں والی عورتیں ہوتیں تو آپ ﷺ نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر جلد ہی سلام پھیر دیتے تا کہ عورتوں اور بچوں کو تکلیف نہ ہو۔

(۸) مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے محلے کی مسجد میں بنوسلمہ کے لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے عشاء کی نماز میں سورہ بقرہ پڑھی ایک صاحب نے جو دن بھر کام کرنے کی وجہ سے سخت تھکے ہوئے تھے (ان کی طویل قرأت کی وجہ سے) علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی، حضرت معاذؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص منافق ہے۔ اُن صاحب کو حضرت معاذؓ کی یہ بات سخت ناگوار گزری اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''یارسول اللہ''! ہم محنت مشقت کرنے والے لوگ ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اُونٹوں کے ذریعے پانی بھرتے ہیں

(اس طرح سخت تھک جاتے ہیں) آج معاذ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ شروع کر دی اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ ہو کر پڑھ لی، اس پر معاذ کہتے ہیں کہ میں منافق ہوں''۔

حضرت معاذؓ بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر تھے، حضور ﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر تین مرتبہ فرمایا، اے معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے؟ اس کے بعد فرمایا صرف سورۃ الشمس اور سورۃ الضحیٰ جیسی (چھوٹی) سورتیں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ مقتدیوں میں بوڑھے، ضعیف اور ارباب حاجت سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل یمن پر حاکم مقرر فرمایا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے چلنے لگے تو حضور ﷺ نے ان کو یہ نصیحت فرمائی: ''اے معاذ! جب تم یمن پہنچو تو وہاں کے لوگوں سے نرم سلوک کرنا سختی نہ کرنا، لوگوں کو خوش رکھنا، (دین یا اسلامی حکومت سے) متنفر نہ کر دینا، باہم مل کر کام کرنا، تم وہاں ایسے لوگ بھی پاؤ گے جو پہلے سے کسی مذہب کے پیرو ہیں، جب ان کے پاس پہنچو تو پہلے ان کو توحید و رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو قبول کر لیں تو کہنا کہ اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ ان کو تسلیم کر لیں تو انہیں بتانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے یہ تمہارے امیروں سے لیکر تمہارے غریبوں کو دی جائے گی، جب وہ زکوٰۃ دینا بھی منظور کر لیں تو چن چن کر اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس (بددعا) اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے''۔

ان نصیحتوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانی نفسیات کا کس قدر خیال رکھتے تھے، دین کے معاملے میں نو مسلموں پر سختی کرنا آپ کو پسند نہیں تھا اور آپ ﷺ ان کو نرمی اور محبت کے ساتھ شعائرِ اسلام کا پابند بنانا چاہتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ جونہی وہ اسلام قبول کریں، ان پر دین و شریعت کے تمام احکام کی پابندی لازم قرار دی جائے کیونکہ ایسی پابندی کو وہ اپنے اوپر بوجھ سمجھیں گے۔ آپ ﷺ کے

خیال میں مناسب یہ تھا کہ ان میں مختلف شرعی احکام بتدریج نافذ کیے جائیں جب اسلام ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے گا تو وہ خود بخود سب احکام کی خوش دلی سے پابندی کریں گے

(۱۰) ۹ھ ہجری میں بنوثقیف کا ایک وفد طائف سے مدینہ منورہ آیا اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر چند شرطوں پر اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ شرطیں یہ تھیں: ہمیں زنا کاری، سودخوری اور شراب خوری کی اجازت دی جائے۔ حضور ﷺ نے یہ تینوں شرطیں یکسر مسترد کر دیں۔ پھر اہل وفد نے درخواست کی کہ ہمیں نماز سے معاف کر دیا جائے (یعنی ہم پر نماز کی فرضیت ساقط کر دی جائے) حضور ﷺ نے یہ درخواست بھی رد کر دی اور فرمایا کہ جس دین میں اللہ کی عبادت نہ کی جائے وہ دین فطرت نہیں۔

اس کے بعد اہل وفد نے زکوٰۃ اور جہاد سے استثناء کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا، اچھا اس کے لئے تمہیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب یہ لوگ صدق دل سے اسلام قبول کر لیں گے (یعنی اسلام ان کے ذہنوں میں راسخ ہو جائے گا) تو یہ جہاد بھی کریں گے اور زکوٰۃ بھی دیں گے۔ اور پھر واقعی کچھ عرصہ بعد بنوثقیف اسلام کے بازوئے شمشیر زن بن گئے اور انہوں نے میدان جہاد میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ اسی طرح وہ زکوٰۃ دینے میں بھی دوسرے مسلمانوں سے پیچھے نہ رہے۔

(۱۱) ایک دفعہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آیا۔ رُعبِ نبوت سے اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو بڑی محبت اور نرمی کے ساتھ فرمایا گھبراؤ نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ (مستدرک حاکمؒ)

(۱۲) یومِ جمعہ کو ہفتے کے دوسرے تمام دنوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اگرچہ ہفتے کے ساتوں دنوں کی ہیئت یکساں ہے اور ان میں سرِ مو فرق نہیں مگر جو باتیں یوم جمعہ کو

دوسرے دنوں سے ممیّز کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

(ا) اس دن ظہر کے چار فرضوں کے بجائے جمعہ کے دو فرض پڑھے جاتے ہیں اور ان سے پہلے خطبہ بھی ہوتا ہے جس کو خاموشی سے سننا ضروری بھی ہے اور باعث اجر بھی۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ کی جس قدر تاکید فرمائی اور اس کے لئے جس اہتمام کا حکم دیا اس کا ایسا نفسیاتی اثر ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں جمعۃ المبارک کی اہمیت اور فضیلت نقش کالحجر ہو گئی اور یہ دن قیامت تک کے لئے شعارِ ملت بن گیا۔

اس سلسلے میں حضور ﷺ کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں:

ا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرا جی چاہتا ہے کہ نماز جمعہ پڑھانے کے لئے اپنی جگہ کسی اور شخص کو کھڑا کردوں اور جا کر ان لوگوں کے گھر جلادوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتے۔ (صحیح بخاری، مسند احمد)

۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس پر جمعہ فرض ہے الا یہ کہ عورت ہو یا مسافر ہو یا غلام ہو یا مریض ہو۔ (دارقطنی، بیہقی)

۳۔ حضرت ابوالجعد ضمریؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "جو شخص کسی حقیقی ضرورت اور جائز عذر کے بغیر محض بے پروائی کی بناء پر مسلسل تین جمعے ترک کردے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (بروایت دیگر اللہ اس کا دل منافق کا دل بنا دیتا ہے)۔ (مسند احمد)

۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "آج سے قیامت تک جمعہ تم لوگوں پر فرض ہے، جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے، اللہ اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے، خوب سن رکھو، اس کی نماز نماز نہیں، اس کی زکوٰۃ زکوٰۃ نہیں، اس کا حج حج نہیں، اس کا

روزہ روزہ نہیں، اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے پھر جو توبہ کرے اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے''۔ (ابن ماجہ، بزار)

۵۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''ہر مسلمان جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو پاک صاف کرے، سر میں تیل لگائے یا جو خوشبو گھر میں موجود ہو وہ لگائے، پھر مسجد جائے اور دو آدمیوں کو ہٹا کر ان کے بیچ میں نہ گھسے، پھر جتنی کچھ اللہ توفیق دے اتنی نماز (نفل) پڑھے پھر جب امام بولے تو خاموش رہے، اس کے قصور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک معاف ہو جاتے ہیں۔'' (بخاری، مسند احمد)

٦۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہر مسلمان کو جمعہ کے روز غسل کرنا چاہئیے، دانت صاف کرنے چاہئیں، جو اچھے کپڑے اس کو میسر ہوں پہننے چاہئیں اور اگر خوشبو میسر ہو تو لگانی چاہیے۔ (بخاری، مسند احمد)

(۱۳) کُتب احادیث میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بیسیوں حکیمانہ ارشادات ملتے ہیں جن پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا انسانی فطرت اور نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ ان میں سے کچھ ارشادات یہاں درج کئے جاتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سخت دلی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (اس طرح تمہارے دل کی سختی دور ہو جائے گی) (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، یارسول اللہ! اسلام میں کیا چیز بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، (حاجت مندوں کو) کھانا کھلانا اور ہر مسلمان کو سلام کرنا خواہ ان سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ (صحیحین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قوی مسلمان اللہ کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ اچھا اور محبوب ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کو ماں باپ کی گالی دے پھر وہ اس کے جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہادر وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غُصّے کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔ (صحیحین)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے کسی کی سفارش کی اور اس سفارش کے عوض اس کو کچھ ہدیہ یا تحفہ دیا گیا اور اس نے قبول کرلیا تو اس نے ربوٰ (سود) کا بڑا دروازہ کھول دیا۔ (خیر المواعظ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مبالغہ سے دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے سنا تو (تعریف کرنے والے سے) فرمایا، تم نے اس کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ (یا فرمایا کہ تونے اس کی کمر توڑ دی)۔ (ادب المفرد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تندرستی کی حالت میں آدمی کا ایک درہم کا صدقہ کرنا موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ (ابوداؤد)

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنے آپ کو کسی چیز سے دنیا میں قتل کیا (یعنی خودکشی کی) اس کو قیامت کے دن اس چیز سے عذاب دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمرو بن میمونؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پانچ باتوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو:۔ (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ (۲) صحت کو

بیماری سے پہلے۔(۳) مالداری کو مفلسی سے پہلے۔(۴) بے فکری کو پریشانی سے پہلے۔ (۵) زندگی کو موت سے پہلے۔ (ترمذی)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

چنانچہ مندرجہ بالا کلام سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت عین ان کی نفسیات کے مطابق فرمائی ،تو معلوم ہوا کہ ہمارے حضور ﷺ دنیا کے سب سے بڑے ماہر نفسیات ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ،آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۳

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی کا جاری ہونا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تینتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی کا جاری ہونا'' اور دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی اپنے آقا ﷺ کے روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر پانی جاری ہوا یعنی جہاں پانی کے کوئی امکانات نہیں تھے، وہاں آپ ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پانی کو جاری فرمادیا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں کئی واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاءاللہ۔ اگر چہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیگر انبیاء کی برکت کے بھی بہت سے مظاہر انبیاء کی سیرتوں میں ہمیں نظر آتے ہیں، لیکن جو برکات اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، دیگر انبیاء کی برکات اس کے بعد ہیں، کیونکہ ''ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ'' لیکن یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ دیگر انبیاء ؑ کا احترام کرنا اور ان کے مرتبے کو قبول کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، کسی بھی نبی کی تنقیص ہمارے لئے جائز نہیں بلکہ اس سے تو ہمارے ایمان کا جانے کا خطرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے اور اصل خصوصیت کو شروع کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

تینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

عرب کے خشک وریگستانی ملک میں سب سے کمیاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے۔ دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ان میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے۔ چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لئے صحرائے لق ودق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں۔ غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکاتِ الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل نہ کر سکتا تھا؟

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰ کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں لیکن رسول عرب کے لئے مشکیزہ کا چمڑا، گوشت و پوست کی انگلیاں خشک چشموں کے دہانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہان مبارک کی کلّیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں۔ چنانچہ ذیل میں اسی قسم کے کچھ واقعات پیش کئے جارہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:۔

آپ ﷺ کی برکت سے مشکیزہ سے پانی ابلنا

ایک دفعہ آپ ﷺ سفر میں تھے، صبح کو آنکھ کھلی اور آپ ﷺ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا چونکہ پانی نہ تھا اس لئے ان کو آپ ﷺ نے تیمّم کا حکم دیا اس کے بعد آپ ﷺ نے چند صحابہ کو پانی کی جستجو میں روانہ کیا۔ وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لے جارہی تھی۔ ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا، اس جگہ پانی نہیں ہے۔ پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اس نے ایک دن اور رات کی مسافت بتائی۔ وہ لوگ اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا۔ آپ

ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہوکر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کر کے اس عورت کو دیئے، وہ اپنے گھر آئی تو حیرت واستعجاب سے لبریز تھی۔ اس نے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اسکے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا، آخر اس خاتون کے اثر سے پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہوگیا۔ (بحوالہ بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے پانی کا بڑھ جانا

آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، نماز کا وقت آیا تو صحابہ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا، ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے۔ پہلے آنحضرت ﷺ نے اس سے وضو کیا۔ پھر پیالے پر آپ ﷺ نے انگلیاں پھیلا دیں۔ پانی کی مقدار میں اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت

ایک بار نماز کا وقت آیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے، لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں، اس لئے آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً ۸۰ آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی کلی سے پانی بڑھ جانا

ایک روایت میں ہے کہ صحابہ ایک دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا اور اس کا تمام پانی اولچ لیا، یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی لے کر اس میں کلی کر دی، تھوڑی دیر

میں اس قدر ابلا کہ تمام صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔ (بحوالہ بخاری شریف)

آپ ﷺ کے ہاتھ منہ دھونے کی برکت

غزوہ تبوک کے سفر میں دو، دو، وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے، ایک دن عشاء اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر فرمایا، کل تم لوگ دو پہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے لیکن جب تک میں نہ آؤں کوئی شخص اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔ لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی۔ آپ ﷺ کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا، پانی ایک گڑھے میں جمع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس میں منہ ہاتھ دھوئے، پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔

آپ ﷺ کی انگلیوں کی برکت

آپ ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انہوں نے قافلہ میں بہت پانی ڈھونڈا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ ﷺ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا، لیکن اس کے پاس بھی اس قدر کم پانی ملا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے ہاتھ پر پانی گرائیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا۔ پھر طشت بھر گیا۔ یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کے ذریعے تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپ ﷺ سفر میں تھے، صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند

اشخاص سے جو ساتھ تھے کہہ دیا کہ نماز کا خیال رکھنا، لیکن سب کے سب سو گئے اور سب سے پہلے آنحضرت ﷺ بیدار ہوئے تو دن نکل چکا تھا۔ اب سب گھبرا کے اٹھے تو آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا۔ دن چڑھا تو آپ ﷺ نے سواری سے اتر کر وضو کیا۔ تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابو قتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا۔ جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ ﷺ قافلے سے جا ملے۔ لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! پیاس نے ہمیں مار ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے، یہ کہہ کر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابو قتادہ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔ (ترمذی شریف)

آپ ﷺ کی برکت کا ایک اور واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، پانی کی کمی کی شکایت ہوئی تو آپ ﷺ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا۔ وہ ایک برتن میں آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ ''وضو کے مبارک پانی کی طرف دوڑو، خدا کی طرف سے برکت ہوگئی۔'' میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا

وعنه قال اتى النبى صلى الله عليه وسلم باناء وهو بالزوراء فوضع يده فى الاناء فجعل الماء ينبع من بين اصابعه فتوضأ القوم قال قتادة قلت لانس كم كنتم قال ثلث مائة اوزهاء ثلث مائة . (متفق عليه)

ترجمہ:...... ''اور حضرت انسؓ کہتے ہیں (ایک موقع پر) جب نبی کریم ﷺ (مدینے کے قریب) زوراء گاؤں میں تشریف فرما تھے آپ ﷺ کی خدمت میں (پانی کا) ایک برتن لایا گیا، آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس برتن میں رکھ دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے

درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا، چنانچہ پوری جماعت نے اسی پانی سے وضو کیا۔ (حدیث کے ایک راوی) حضرت قتادہ تابعیؒ (جنہوں نے یہ روایت حضرت انسؓ سے نقل کی ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے سوال کیا: اس موقع پر آپ لوگ کتنے آدمی تھے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا: تین سو، یا تخمیناً تین سو (آدمی ہوں گے)۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... "انگلیوں کے درمیان سے پانی کا فوارہ ابلنے لگا۔" کی وضاحت میں دو قول ہیں، ایک تو یہ کہ خود انگلیوں ہی سے پانی نکلنے لگا تھا۔ یہ قول مزنیؒ کا ہے اور اکثر علماء کا رجحان اسی طرف ہے: نیز اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فَرَاَیتُ الماءَ مِن اَصابِعِہٖ یعنی میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے دیکھا۔" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل معجزہ کی بڑائی بھی اسی بات سے ثابت ہوتی ہے اور آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے عصا کی ضرب سے پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے تھے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس برتن میں جو پانی پہلے موجود تھا اس کو دستِ مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارے کی طرح ابلنے لگا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ "حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: (ہم صحابہؓ) تو آیات کو برکت و خوشحالی کا سبب سمجھتے تھے۔ اور (اے لوگو) تم سمجھتے ہو کہ آیات بس (منکرین صداقت کو) ڈرانے کے لئے ہیں۔ (اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے ایک معجزہ بیان کیا، کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ (راستہ میں) پانی کی قلت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ (کسی کے پاس برتن میں تھوڑا سا بھی) بچا ہوا پانی ہو تو اس کو دیکھ کر (میرے پاس لاؤ چنانچہ صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک ایسا برتن لے کر آئے جس میں بہت تھوڑا سا پانی تھا آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس برتن میں ڈال دیا اور فرمایا: آؤ جلدی سے یہ پاک اور بابرکت پانی حاصل کرو اور یہ وہ برکت ہے جو (کسی ظاہری سبب و ذریعہ سے نہیں بلکہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی

۔" اور (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا) اس وقت رسول کریم ﷺ کی مبارک انگلیوں سے فوارہ کی طرح پانی ابلتے میں نے خود دیکھا۔ نیز (حضرت ابن مسعودؓ نے ایک اور معجزہ یہ بیان کیا کہ) کھانا کھاتے وقت ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح ...... "آیات" سے مراد تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں جو آسمان سے نازل ہوئی تھی یا وہ معجزات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے ظاہر فرماتا ہے، زیادہ صحیح اور حدیث کے سیاق سے زیادہ مناسب یہی ہے کہ "آیات" سے مراد "معجزات" لئے جائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آیات اگرچہ کافروں اور منکروں کو ڈرانے کے لئے ہیں لیکن اہل ایمان کے حق میں کہ جو ان آیات کے محبّ اور معتقد ہیں، بشارت و برکت اور زیادتی ایمان کا موجب ہیں، یہ وضاحت حضرت شیخ عبدالحقؒ نے طیبی کے حوالہ سے نقل کی ہے، اور ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ "آیات" سے مراد صرف معجزات اور کرامات ہیں، انہوں نے واضح کیا ہے یہاں "آیات" سے آیات قرآنی مراد لینا غیر موزوں ہے۔

اس حدیث کے الفاظ سے صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں ہی سے پانی نکلتا تھا، جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے اور اسی نسبت سے آپ ﷺ کے اس معجزے کو پتھر سے پانی نکالنے کے حضرت موسیٰ کے معجزہ پر ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا یہ قول نا قابل اعتناء ٹھہر جاتا ہے کہ پانی انگلیوں سے نہیں نکلا تھا، بلکہ جو تھوڑا سا پانی برتن میں پہلے موجود تھا وہی بڑھ گیا اور اتنا زیادہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں کے درمیان سے فوارہ ابلنے لگا، یہ قول دراصل الفاظ حدیث کی تاویل ہے اور نہیں معلوم کہ حدیث کے واضح مفہوم کے باوجود اس تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پانی کے اس معجزہ کا اظہار تو خالی برتن کے ذریعہ بھی ہوسکتا تھا، پھر تھوڑا سا پانی تلاش کرا کے منگانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں یقیناً کوئی حکمت و مصلحت ہی ہوگی لیکن وہ حکمت و مصلحت کیا تھی محدثین و شارحین بہت غور و فکر کے بعد بھی اس کی جڑ تک نہیں پہنچ سکے ہیں، لہٰذا اس کا علم اللہ

کے سپرد کرتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔

حضرت انسؓ نے دوسرے معجزہ میں کھانے کی تسبیح کا ذکر کیا ہے، انہی کی ایک روایت میں یہ ہے کہ (ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی میں سنگریزے اٹھائے تو وہ سنگریزے آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح (یعنی اللہ کی پاکی بیان) کرنے لگے اور ہم نے خود ان کی تسبیح کی آواز سنی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی برکت سے پانی جاری ہونے کا ایک اور معجزہ

وعن ابی قتادۃ خَطَبَنَا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اِنکُم تُسیرُونَ عَشیَّتَکُم ولَیلَتَکم وتا تُونَ الما ءَ اِنشاءَ اللہ غداً فا نطَلقَ الناسُ لایَلوِیْ احدٌ علی أحدٍ قال ابو قتا دۃَ فبَینَما رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَسیرُ حتّٰی ابھارَاللَّیلُ فمَالَ عنِ الطَّریقِ فوَ ضَعَ رأسَہٗ قالَ احُفَظُو اعَلَینا صلوتَنا فکان اوَّلُ من استیَقَظَ رسولُ اللہ ......الخ

حضرت ابوقتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک سفر کے دوران) ہمارے سامنے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم اس رات کے اول حصہ میں اور آخر حصہ میں (یعنی پوری رات) سفر کرو گے اور انشاء اللہ کل تمہیں پانی مل جائے گا (یعنی آپ ﷺ نے گویا اس پانی کی طرف اشارہ فرمایا جو بطریق معجزہ حاصل ہونا تھا) چنانچہ تمام لوگ اس طرح (بے تحاشہ) چلنے لگے کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی (کیونکہ ہر شخص پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد پانی تک پہنچ جائے اور دھن میں نہ کسی کو کسی کا ہاتھ پکڑنے کا خیال تھا اور نہ کوئی کسی کو ساتھ لے کر چلنے کی طرف دھیان دے رہا تھا) بلکہ ہر شخص علیحدہ علیحدہ چلا جا رہا تھا۔ ابوقتادہ کہتے ہیں کہ (اسی رات میں) رسول کریم ﷺ بھی چلے جا رہے تھے کہ جب آدھی رات گزر گئی تو آپ ﷺ (سونے کے ارادے سے) راستہ سے ہٹ کر (ایک کنارے پر) اتر گئے اور سر رکھ کر لیٹ گئے، اور (سونے سے پہلے کسی خادم کو) ہدایت فرمائی کہ ہماری نماز کا خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ سب لوگ بے خبر سو جائیں اور فجر کے وقت آنکھ نہ کھلنے

کے سبب نماز قضاء ہو جائے، لیکن ایسا ہی ہوا کہ سب لوگ بے خبر ہو گئے اور نیند کے غلبہ سے فجر کے وقت کسی کی آنکھ نہ کھلی) پھر سب سے پہلے رسول کریم ﷺ بیدار ہوئے جب کہ دھوپ آپ ﷺ کی پشت مبارک پر پڑنے لگی آپ ﷺ نے (سب کو جگا کر) فرمایا کہ فوراً تیار ہو جاؤ (اور یہاں سے چل دو) چنانچہ ہم لوگ (جلدی جلدی) اپنی سواریوں پر بیٹھے اور وہاں سے چل پڑے یہاں تک کہ جب سورج (ایک نیزہ کے بقدر یا اس سے زیادہ) بلند ہوا تو آنحضرت ﷺ (سواری سے اتر گئے) پھر آپ ﷺ نے وضو کا برتن منگایا جو میرے پاس تھا اور جس میں تھوڑا سا پانی باقی تھا اور اس سے آپ ﷺ نے مختصر سا وضو کیا (یعنی جن اعضاء کو تین تین بار دھویا جاتا ہے ان کو آپ ﷺ نے پانی کی قلت کے سبب ایک ایک بار یا دو دو بار ہی دھونے پر اکتفا کیا) اور ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (وضو کے بعد) ذرا سا پانی اس برتن میں بچ گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس برتن (کے پانی) کو حفاظت سے رکھنا، اس لئے کہ عنقریب اس پانی سے (بطریق معجزہ) ایک (اہم اور عظیم الشان) بات ظہور پذیر ہو گی (جس کا بڑا فائدہ تم کو ہی پہنچے گا) اس کے بعد بلالؓ نے نماز کے لئے اذان کہی اور رسول کریم ﷺ نے (سنت کی) دو رکعتیں پڑھ کر (ہمراہی صحابہؓ کے ساتھ سفر شروع کیا) یہاں تک کہ ہم (قافلہ کے ان) لوگوں سے جا ملے (جو ہم سے آگے جا کر اترے تھے، اس وقت دن چڑھ چکا تھا اور سورج اوپر آ گیا تھا جس سے ہر چیز تپنے لگی تھی لوگوں نے کہنا شروع کیا یا رسول اللہ! ہم تو ہلاک ہو گئے (یعنی گرم ہوا کے تھپیڑوں اور دھوپ کی تمازت نے ہمارا برا حال کر دیا) اور چونکہ پانی نہیں ہے اس لئے) پیاس (کی شدت بڑھ رہی ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے ہلاکت نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے وضو کا وہی برتن طلب فرمایا اور اس برتن سے پانی ڈالنا شروع کر دیا اور ابوقتادہؓ نے لوگوں کو پلانا شروع کیا، اہل قافلہ نے جیسے ہی اس برتن سے پانی گرتے (اور کچھ لوگوں کو پیتے) دیکھا تو سب کے سب ایک دم ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے، آنحضرت ﷺ نے (انکی بے صبری دیکھ کر) فرمایا خوش اسلوبی اختیار کرو اور اخلاق سے کام لو، تم سب لوگ اس پانی سے سیراب ہو جاؤ گے۔" چنانچہ فوراً ہی سب لوگوں نے تنظیم و خوش اسلوبی اختیار کی (اور الگ الگ ہو کر وقار و قطار کے ساتھ کھڑے ہو

گئے) پھر رسول کریم ﷺ نے پانی ڈالنا اور میں نے پلانا شروع کیا یہاں تک کہ جب (سب لوگ سیراب ہو گئے اور میرے اور رسول کریم ﷺ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا، تو آپ ﷺ نے پانی ڈالا اور مجھ سے فرمایا کہ لو پیو، میں نے عرض کیا کہ میں اس وقت تک پی نہیں سکتا جب تک آپ ﷺ نہ پی لیں، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کا ساقی ان کا آخری آدمی ہوتا ہے۔'' یعنی جو شخص لوگوں کو پلاتا ہے وہ خود سب کے بعد پیتا ہے کیونکہ یہ آداب میں سے ہے کہ ساقی جب سب کو سیراب کر لے تب خود پئے، حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (ارشاد گرامی کی اتباع میں) میں نے پی لیا اور اور پھر آنحضرت ﷺ نے پانی نوش فرمایا۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اہل قافلہ پانی (کی جگہ) پر اس حال میں پہنچے کہ سیراب اور راحت پا چکے تھے۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور صحیح مسلم میں اسی طرح منقول ہے، نیز کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں بھی یہ روایت ان ہی الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

تشریح...... آنحضرت ﷺ نے جو آنکھ کھلتے ہی قضاء نماز نہیں پڑھی بلکہ اس کو چھوڑ کر مؤخر کر کے اس جگہ سے روانہ ہو گئے تو اس کی وجہ یہ تھی کی آپ ﷺ کسی ایسی جگہ پہنچ کر نماز پڑھنا چاہتے تھے، جہاں پانی دستیاب ہو، یا یہ وجہ تھی کہ جس وقت آپ ﷺ کی آنکھ کھلی وہ نماز کیلئے وقت کراہت تھا اور اس لئے آپ ﷺ نے اس کراہت کو نکالنے کے لئے نماز کو کچھ مؤخر کیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے جیسا کہ پہلی روایت کے الفاظ فَرَکِبنا فَسِر نَا حتی اِذَا اِرتَفَعَتِ الشَّمس دلالت کرتے ہیں اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس جگہ سے فوراً منتقل ہو جانا چاہئے جہاں حکم خداوندی کی تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہو یا کسی ممنوع بات کا ارتکاب ہو گیا ہو اگر چہ وہ ارتکاب قصداً نہ ہوا ہو۔ نیز آپ ﷺ نے فجر کی قضاء نماز ادا کرنے سے پہلے جو رکعتیں پڑھیں وہ سنتیں تھیں اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر آنکھ نہ کھلنے یا کسی اور سبب سے فجر کی نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے اور پھر اس کی قضاء زوال آفتاب سے پہلے ادا کی جائے تو اس کے ساتھ سنت کی دو رکعتیں بھی پڑھنی چاہئیں، ہاں اگر فرض نماز فوت نہ ہوئی ہو بلکہ صرف سنتیں فوت ہوئی ہوں تو اس کی قضا نہیں لیکن امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال آفتاب سے پہلے فوت شدہ سنتوں کی قضاء نماز پڑھ لینی چاہئے، گویا کسی بھی امام کے

مسلک میں زوال آفتاب کے بعد اس کی قضاء نہیں ہے۔

"فجر کی قضاء نماز (باجماعت) ادا کی" سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس بھی اپنے اپنے برتن تھے جن میں وہ اتنا پانی رکھتے تھے کہ اس وقت وضو کر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس اتنا بھی پانی نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مختصر وضو کر لیتے ، لہٰذا انہوں نے تیمم کر کے نماز میں شرکت کی ، بہر حال اس سلسلہ میں حدیث کے الفاظ بالکل خاموش ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ باقی لوگوں نے وضو کیا یا تیمم کیا تھا۔

" تم پر ہلاکت نہیں ہے" اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے لوگوں کو گویا تسلی و بشارت دی کہ گھبراؤ نہیں، تمہیں کسی ہلاکت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے غیب سے پانی بھیجے گا، اس اعتبار سے یہ جملہ خبریہ ہوا، یا یہ ارشاد دراصل جملہ دعائیہ تھا، یعنی آپ ﷺ نے گویا یہ فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاکت سے دور رکھے اور غیب سے تمہاری سیرابی کا انتظام فرمائے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا ایک اور واقعہ

"حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مقام حدیبیہ میں (ایک دن ایسا ہوا کہ پانی کی شدِ قلت کے سبب) لوگوں کو سخت پیاس کا سامنا کرنا پڑا، اس وقت آنحضرت ﷺ کے پاس لوٹا تھا جس سے آپ ﷺ نے وضو فرمایا تھا (اور اس میں بہت تھوڑا سا پانی بچا) لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے لشکر میں پینے اور وضو کرنے کے لئے بالکل پانی نہیں ہے، بس وہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے لوٹے میں بچ گیا ہے (اور ظاہر ہے) کہ اس سے سب لوگوں کا کام نہیں چل سکتا) آپ ﷺ نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک اس لوٹے (کے اندر یا اس کے منہ) میں ڈال دیا اور آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے اس طرح پانی ابلنے لگا جیسے چشمے جاری ہو گئے ہوں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ سب لوگوں نے خوب پانی پیا

اور وضو کیا۔ حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس موقع پر تم سب کتنے آدمی تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایک لاکھ (آدمی) ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہوتا، ویسے اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔" (بخاری ومسلم)

تشریح...... "ہم سب لوگوں نے خوب پانی پیا" کتنے قابل رشک تھے وہ لوگ جن کو اس مقدس پانی کے پینے کی سعادت نصیب ہوئی اور اس کے طفیل میں ظاہر وباطن کی کیسی پاکیزگی ان کو حاصل ہوئی، کیونکہ زمین وآسمان میں اس پانی سے زیادہ افضل اور کوئی پانی نہیں تھا۔ "اگر ہم ایک لاکھ ہوتے" حضرت جابرؓ کا یہ جواب ایک لطیف طنز تھا، کہ بھلا معجزہ کے معاملے میں کمیت کے بارے میں پوچھنا بھی کوئی بات ہوئی! تاہم انہوں نے بعد میں واضح جواب دیا کہ اس وقت ہماری تعداد پندرہ سو تھی نیز انہوں نے "ایک ہزار پانچ سو" کہنے کے بجائے پندرہ سو، اس نکتہ کے پیش نظر کہا کہ کثرت کا جو شدید تأثر پندرہ سو کے الفاظ میں ظاہر ہوتا ہے وہ ایک ہزار پانچ سو کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتا، علاوہ ازیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام حدیبیہ میں جو صحابہ کرام موجود تھے وہ الگ الگ جماعتوں کی صورت میں تقسیم تھے اور ہر جماعت ایک سو افراد پر مشتمل تھی، لہٰذا حضرت جابرؓ نے "پندرہ سو" کے ذریعہ پندرہ جماعتوں کی طرف اشارہ کیا۔

آپ ﷺ کے آب دہن کی برکت سے خشک کنواں لبریز ہوگیا

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہم چودہ سو افراد تھے، حدیبیہ میں کنواں تھا جس کا پانی ہم سب نے کھینچ کر استعمال کرلیا تھا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہا تھا، جب نبی کریم ﷺ کو یہ معلوم ہوا (کہ کنواں خشک ہوگیا ہے اور پانی ختم ہوجانے کی وجہ سے لشکر کے تمام لوگ پریشان ہیں) تو آپ ﷺ کنویں پر تشریف لائے اور اس کے کنارے بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ نے وضو کے پانی کا برتن منگا کر وضو کیا اور وضو کے بعد میں پانی لیا اور دعا مانگی، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ آب دہن کنویں میں ڈال دیا اور

فرمایا کہ ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو، اور پھر (ایک ساعت کے بعد کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ) تمام لشکر والے خود بھی اور ان کے مویشی بھی خوب سیراب ہوئے اور جب تک وہاں سے کوچ کیا اسی کنویں سے پانی لیتے رہے۔" (بخاری)

تشریح...... حضرت جابرؓ کی روایت میں پندرہ سو کی تعداد بیان کی گئی تھی جب کہ یہاں حضرت براءؓ کی روایت میں چودہ سو کی تعداد بیان کی گئی ہے، تو جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے، اصل تعداد چودہ سو سے زائد اور پندرہ سو سے کم تھی۔ جس راوای نے کسر کو شمار کر کے بیان کیا اس نے پندرہ سو کی تعداد بیان کی اور جس راوی نے کسر کو چھوڑ دیا اس نے چودہ سو کی تعداد بیان کی۔ یا یہ کہ اہل حدیبیہ چونکہ جماعتوں میں تقسیم تھے اور ایسا ہوتا تھا کہ پانی کے لئے کچھ جماعتیں آتی تھیں تو کچھ جماعتیں پانی لے کر چلی جاتی تھیں اس صورت میں کسی وقت تو مجموعی تعداد چودہ سو ہو جاتی تھی اور کسی وقت پندرہ سو۔۔۔ لہٰذا جس راوی نے جو تعداد دیکھی اس کو بیان کر دیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے پہلے کل تعداد پندرہ سو تھی۔ جس کو حضرت جابرؓ نے بیان کیا اور جب براءؓ نے بیان کیا تو اس وقت تعداد گھٹ کر چودہ سو ہو گئی تھی، ایک قول یہ بھی ہے کہ ان میں سے کسی بھی راوی نے ایک ایک آدمی شمار کر کے یقینی تعداد نہیں بیان کی ہے بلکہ جس نے جو بھی تعداد بیان کی اندازہ اور تخمینہ کے طور پر بیان کی ہے کسی نے چودہ سو کا اندازہ لگایا تو کسی نے پندرہ سو کا۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے واقعہ بیان کیا ہے وہ اس واقعہ سے کہ جس کو حضرت براءؓ نے بیان کیا ہے، پہلے کا ہے اور حدیبیہ میں اس طرح کے معجزے متعدد بار ظہور میں آئے لہٰذا تعداد واقعہ کو دیکھتے ہوئے ان دونوں روایتوں میں بیان تعداد کا کوئی تضاد نہیں رہ جاتا۔ "ساعت بھر کنویں کو چھوڑ دو" کا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی سی دیر کے لئے اس کنویں کو اسی طرح رہنے دو، ابھی اس میں سے پانی نکالنے کا ارادہ نہ کرو، کچھ دیر بعد جب کنواں بھر جائے گا تو اس میں سے پانی کھینچنا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح آپ ﷺ نے یہ ارشارہ فرمایا ہو کہ کنویں میں پانی بڑھ جانے کی جو دعا کی گئی ہے اس کی قبولیت کی ساعت بتدریج آئے گی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی برکت سے دودھ کے پیالہ میں برکت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں بھوک سے بیتاب ہوکر سرراہ آبیٹھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کی بابت پوچھا۔ اس سے میرا مقصد ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔ لیکن وہ میرا مطلب نہ پا سکے اور چلے گئے۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ ادھر آنکلے ان سے بھی ایک آیت پوچھی لیکن وہ بھی یونہی چلے گئے۔ ان کے بعد رسول کریم ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے میرے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت پالی اور فرمایا ابوہریرہؓ میرے ساتھ آؤ۔ میں حضور ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ حضور ﷺ اپنے خانۂ اقدس کے اندر تشریف لے گئے۔ وہاں دودھ کا ایک بھرا ہوا پیالہ پڑا تھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلالاؤ۔ میں نے دل میں کہا کہ اس ذرا سے دودھ کی اتنے آدمیوں میں کیا حقیقت ہوگی۔ کاش حضور ﷺ یہ دودھ مجھے ہی دے دیتے تا کہ میں اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ تاہم حضور ﷺ کے ارشاد کی تکمیل میں اصحاب صفہ کو بلالایا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو حضور ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ انہیں باری باری دودھ پلاؤ۔ چنانچہ میں نے پلانا شروع کیا۔ ایک آدمی کو پیالہ دیتا تھا جب وہ سیر ہوکر پی لیتا تھا تو پھر اگلے آدمی کو دے دیتا تھا۔ جب سارے لوگ سیر ہوگئے تو حضور ﷺ نے پیالہ اپنے دست مبارک پر رکھ لیا اور متبسم ہوکر فرمایا۔ ابوہریرہ اب تم رہ گئے یا میں۔ لو اب بیٹھ جاؤ اور اطمینان سے یہ دودھ پیو۔ میں نے خوب سیر ہوکر دودھ پیا یہاں تک کہ پیٹ میں بالکل جگہ نہ رہی حضور ﷺ بار بار فرماتے تھے اور پیو، اور پیو۔ جب میں نے قسم کھائی کہ اس سے زیادہ ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتا تو آپ ﷺ نے وہ پیالہ خود لے لیا اور بسم اللہ پڑھ کر باقی دودھ پی لیا۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کی برکت سے بنو صداء کے کنویں کے پانی کا بڑھنا

۸ ہجری میں قبیلہ صداء کا وفد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زیاد بن

حارث صدائیؓ اس وفد کے سردار تھے اور ان کے ساتھ اپنی قوم کے پندرہ سر برآوردہ آدمی تھے زیادؓ اس سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ اب ان کے ساتھیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور اپنے قبیلہ میں واپس جا کر تبلیغ اسلام کی ہامی بھر لی۔ اس موقع پر زیادؓ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں صرف ایک کنواں ہے۔ گرمیوں میں اس کا پانی خشک ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے قبیلہ کے لوگ مختلف مقامات پر منتشر ہو جاتے ہیں۔ دعا فرمایئے کہ کنوئیں کا پانی ختم نہ ہوا کرے۔ اس سے ہمارے جدید الاسلام قبلہ پر اچھا اثر پڑے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم سات کنکریاں اٹھالاؤ۔ زیادؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور ﷺ نے کچھ دیر انہیں اپنے دست مبارک میں رکھا اور پھر زیادؓ کو واپس دے کر فرمایا کہ ایک ایک کنکری اس کنوئیں میں گرا دینا۔ ہر کنکر پر اللہ اللہ پڑھتے جانا۔ زیادؓ نے ایسا ہی کیا۔ ان کا بیان ہے کہ پھر اس کنوئیں میں پانی اتنا بڑھ گیا کہ کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا تھا اور نہ اس کی گہرائی کا پتہ چلتا تھا۔ (بحوالہ رحمۃ للعالمین)

آپ ﷺ کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہو گیا

ابونعیم سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت انس بن مالکؓ کے گھر کے کنوئیں میں ڈالا۔ اس کنوئیں کا پانی ایسا میٹھا ہو گیا کہ سارے مدینے میں اس کے برابر میٹھا پانی نہ تھا۔ (بحوالہ دلائل النبوۃ)

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کئے گئے ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں، لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیات میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا اس لئے ان کو مستقل واقعات کی صورت دیدی گئی ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ بے شک اسی میں ہم سب کی نجات و فلاح ہے۔

خصوصیت نمبر ۳۴

رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت ہوئی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چونتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی برکت سے بارہا کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت ہوئی'' منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی برکت سے بارہا حیرت انگیز طور پر کھانے میں برکت ہوئی۔ جیسا کہ آنے والے اوراق میں کئی واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ۔ اور اگر چہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دیگر انبیاء کی برکت کے بھی بہت سے مظاہر انبیاء کی سیرتوں میں ہمیں نظر آتے ہیں لیکن جو برکات اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، دیگر انبیاء کی برکات اس کے بعد ہیں، لیکن یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ دیگر انبیاء کا احترام کرنا اوران کے مرتبے کو قبول کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے، کسی بھی نبی کی تنقیص ہمارے لئے جائز نہیں بلکہ اس سے تو ہمارے ایمان کا جانے کا خطرہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت نصیب فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے اور اصل خصوصیت کو شروع کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:۔

چونتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گزری تھی اس کا حال ہم تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں کہ۔ کئی کئی دن گزر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں

ملتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر برکت الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنا لیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے حضرت عیسیٰ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمی کو شکم سیر کر دیا اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک اور فیض روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد بار اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔ ذیل میں اس قسم کے کچھ واقعات پیش کیئے جا رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوہ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے۔ حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ سخت بھوکے ہیں وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انہوں نے ایک صاع جو نکالا اور گھر میں ایک بکری تھی، حضرت جابرؓ نے اسکو ذبح کیا اور بی بی نے آٹا گوندھا، گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کو لینے کے لئے چلے۔ بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ ﷺ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا۔ حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپ ﷺ کے کان میں کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ ﷺ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے لیکن آپ ﷺ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابرؓ نے دعوتِ عام کی ہے اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آؤں چولھے سے دیگچی نہ اتاری جائے اور روٹی نہ پکے۔" آنحضرت ﷺ تمام لوگوں کو لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابرؓ گھر آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ انہوں نے کہا میں کیا کروں، تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تکمیل کر دی۔ آپ ﷺ آئے تو بی بی نے آپ ﷺ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا اور برکت کی دعا دی۔ اسی طرح دیگچی میں لعابِ دہن ملا دیا اور برکت کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے روٹی پکانے اور سالن بنانے کا حکم دیا۔ کم وبیش ایک ہزار آدمی تھے سب کھا کر واپس گئے۔ لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہ آئی۔ (بحوالہ بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں برکت ہوگئی

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ابوطلحہ انصاریؓ (جو میرے سوتیلے باپ تھے) گھر میں آکر میری ماں ام سلیمؓ سے کہنے لگے کہ آج میں نے رسول اکرم ﷺ کی آواز میں بڑی کمزوری محسوس کی جس سے مجھے محسوس ہوا کہ آپ ﷺ بھوکے ہیں، کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ ام سلیم نے جواب دیا کہ ہاں کچھ ہے، اور پھر انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، اور پھر اپنی اوڑھنی لی اور اس کے ایک حصہ میں تو روٹیوں کو لپیٹا اور ایک حصہ سے میرے سر کو لپیٹ دیا اور اوڑھنی میں لپٹی ہوئی ان روٹیوں کو میرے ہاتھ کے نیچے چھپایا اور مجھے رسول کریم ﷺ کے پاس بھیجا، میں روٹیاں لے کر پہنچا تو رسول کریم ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے اور بہت سارے لوگ (جن کی تعداد اسی تھی) آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے، میں نے سب کو سلام کیا رسول کریم ﷺ نے (سلام کا جواب دینے کے بعد) مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! پھر آپ ﷺ نے پوچھا کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! رسول کریم ﷺ نے میرا جواب (سن کر) ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ اٹھو (ابوطلحہؓ کے گھر چلو) اس کے بعد آنحضرت ﷺ اور تمام لوگ (ابوطلحہ کے گھر کی طرف) روانہ ہوئے اور میں بھی آپ ﷺ کے آگے چل پڑا (جیسا کہ خادم اور میزبان آگے چلتے ہیں، یا اس خیال سے آگے چلا کہ پہنچ کر ابوطلحہ کو آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے کی اطلاع کردوں) چنانچہ ابوطلحہؓ کے پاس پہنچ کر ان کو (آپ ﷺ کی تشریف آوری کی) خبر دی، ابوطلحہؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اتنے سارے آدمیوں کے آنے کی خبر سنی تو) بولے ام سلیمؓ! رسول کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں، اور آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ بھی ہیں جب کہ ہمارے پاس (چند روٹیوں کے علاوہ کہ جو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجی تھیں) اتنے سارے آدمیوں کو کھلانے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے، ام سلیم نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ پھر ابوطلحہؓ

(آنحضرت ﷺ کے استقبال کے لئے) گھر سے باہر نکلے اور (راستہ میں پہنچ کر) رسول کریم ﷺ سے ملاقات کی اس کے بعد رسول کریم ﷺ ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لائے اور (گھر میں پہنچ کر) فرمایا کہ: ام سلیم: (ازقسم روٹی) جو کچھ تمہارے پاس ہے، لاؤ ام سلیم نے وہ روٹیاں جو ان کے پاس تھیں، لاکر (آنحضرت ﷺ کے سامنے) رکھ دیں، آنحضرت ﷺ نے (ابوطلحہ گویا کسی اور کو حکم دیا کہ وہ روٹیوں کو توڑ توڑ کر چورا کر دیں، چنانچہ ان روٹیوں کو چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے (گھی کی) کپی کو نچوڑ کر گھی نکالا اور اس کو سالن کے طور پر رکھا، اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اس روٹی سالن کے بارے میں وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا۔ پھر آپ ﷺ نے (مجھے یا ابوطلحہ گویا اور کسی دوسرے کو) حکم دیا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ، چنانچہ دس آدمیوں کو بلایا گیا اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا، پھر جب وہ دس آدمی اٹھ کر چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اسی طرح) دس آدمیوں کو بلا کر کھلاتے رہو (اور دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلایا جاتا رہا) یہاں تک کہ تمام لوگوں نے (اس تھوڑے سے کھانے میں خوب سیر ہو کر کھایا اور یہ سب ستر یا اسی آدمی تھے۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، دس آدمیوں کو کھانے پر بلاؤ، اور جب وہ (دس آدمی) آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ، انہوں نے (اللہ کا نام لے کر) کھانا کھایا، اسی طرح (دس دس آدمی) اسّی آدمیوں کو کھلایا گیا، اور جب سب لوگ کھا چکے تو آخر میں نبی کریم ﷺ نے اور گھر کے آدمیوں نے کھانا کھایا اور پھر بھی پس خوردہ باقی رہا۔

اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا دس آدمیوں کو میرے پاس لاؤ۔ اسی طرح (دس دس آدمی کر کے) چالیس آدمیوں کو شمار کیا اور ان کے بعد خود نبی کریم ﷺ نے کھانا تناول فرمایا اور برابر میں دیکھے جارہا تھا کہ کھانے میں سے کچھ کم ہوا ہے یا نہیں (لیکن مجھے قطعاً کوئی کمی نظر نہیں آرہی تھی۔

اور مسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (جب سب لوگ شکم سیر ہو چکے)

تو آنحضرت ﷺ نے پس خوردہ کو) اٹھا اٹھا کر جمع کیا اور اس میں برکت کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ ایسا ہی ہوگیا، جیسا کہ پہلے تھا (یعنی جس مقدار میں پہلے وہ کھانا تھا اتنا ہی اب ہوگیا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لو اس کو رکھ لو (اور پھر کھالینا)۔''

تشریح...... آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کو کھانا کھلانے اور تھوڑے سے کھانے میں برکت ہونے کا یہ واقعہ اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ نے کے ساتھ پیش آیا اور حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرح یہ واقعہ بھی غزوۂ خندق کے موقع کا ہے لہٰذا حضرت انسؓ کے ان الفاظ ''(رسول کریم ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔'') میں مسجد میں سے مراد خندق کے قریب کی وہ جگہ جس کو آپ ﷺ نے دشمنوں کی طرف مدینہ کے محاصرے اور خندق کھودے جانے کے موقع پر نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کردیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے اس سوال پر کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ حضرت انس نے اس کا جواب ''ہاں'' کہنا اس بات کے منافی نہیں تھا کہ ان کی والدہ ام سلیمؓ نے بھیجا تھا کیونکہ اصل تو ابوطلحہؓ ہی تھے جن کے کہنے پر ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ کو روٹیاں دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

''کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟'' آنحضرت ﷺ کا اس بات کو پہلی بات (کیا تمیں ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے) سے الگ کر کے پوچھنا یا سمجھانے کے لئے تھا یا وحی اور علم کی تاخیر کے مطابق تھا، یعنی پہلے تو آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ اس بات کا علم ہوا تھا کہ انسؓ کو ابوطلحہؓ کے کہنے پر بھیجا گیا ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے بس یہی سوال کیا کہ کیا تمہیں ابوطلحہؓ نے بھیجا ہے؟ پھر بعد میں جب دوبارہ وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو یہ علم ہوا کہ انسؓ کے ساتھ کھانا بھی ہے تو آپ ﷺ نے پھر یہ سوال کیا کہ کیا کھانا دے کر بھیجا ہے؟

''اٹھو (ابوطلحہ کے گھر چلو)'' کے تحت شارحین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چونکہ (وحی کے ذریعہ) یہ معلوم ہو چکا تھا کہ انسؓ کے ساتھ چند ہی روٹیاں ہیں لہٰذا آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اتنے مجمع میں خود تنہا یا دو تین آدمی کے ساتھ کھا کر بیٹھ جائیں اور باقی لوگ بھوکے رہیں، اس کے ساتھ آپ ﷺ کا ارادہ اس معجزہ کے اظہار کا بھی ہوا جس کے نتیجے میں

چندروٹیوں سے ایک بڑی جماعت شکم سیر ہوئی اور اسی ضمن میں دوسرا معجزہ ابوطلحہ کے گھر میں کپی میں خیر و برکت کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے، تا کہ انہوں نے اور ان کے گھر والوں نے آنحضرت ﷺ کے تیئں جس اخلاص و محبت، نیک نیتی اور خدمت گزاری کے جذبے و عمل کا اظہار کیا اس کو پھر انکو حصول برکت کی صورت میں ملے، پس آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کو لے کر ابوطلحہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

''اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں'' اس جواب کے ذریعہ ام سلیمؓ نے دراصل ابوطلحہؓ کو اطمینان دلایا کہ اگر آنحضرت ﷺ اتنے سارے صحابہؓ کو لے کر تشریف لا رہے ہیں تو اس کی وجہ سے ہمیں اس گھبراہٹ میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اتنا تھوڑا سا کھانا کھا کر اتنے زیادہ آدمیوں کو کس طرح کھلا پائیں گے۔ کیونکہ اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہے، جس کو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں اور اپنے صحابہ کے ساتھ ہمارے ہاں آپ ﷺ کی آمد یقیناً ہمارے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگی۔ گویا ام سلیمؓ نے فوراً محسوس کرلیا کہ آنحضرت ﷺ کی آمد ضرور کسی معجزے کے اظہار کے لئے ہے، اس سے ام سلیمؓ کی دینداری دانشمندی اور قوت یقین کا اظہار ہوتا ہے کہ انہیں جماعت صحابہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ فوری طور پر ان کے دماغ میں یہی بات آئی کہ آنحضرت ﷺ کو کھانے کی نوعیت اور مقدار کا خوب علم ہے، اگر آپ ﷺ کوئی مصلحت نہ سمجھتے تو سب کو لے کر یہاں آنے کی ضرورت کیوں محسوس فرماتے، چونکہ آپ ﷺ کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے جماعت کے ساتھ آپ ﷺ کی آمد میں یقیناً کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ یہ بھی فیض رسالت کا اعجاز ہی تھا کہ اس زمانہ کی ایک عورت ہمارے زمانے کے بہت سے مردوں سے بھی زیادہ یقین و ایمان کی قوت رکھتی تھی۔ **رضی اللہ عنہا و عن اھل عصر ھا و جعلنا فی زمرتھم آمین یارب العلمین۔**

''وہ فرمایا جو اللہ نے کہلانا چاہا۔'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خیر و برکت کی دعا فرمائی، یا اسماءِ الٰہی پڑھ کر اس کھانے پر دم کیا اور ایک اور روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ

نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ **بسم اللہ اللھم اعظم فیھا البرکۃ.**

''پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دس آدمیوں کو بلاؤ۔ آپ ﷺ نے پوری جماعت کو ایک ہی مرتبہ کھانے پر بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم اس لئے دیا کہ جس برتن میں وہ کھانا تھا وہ بس اتنا ہی بڑا تھا کہ اس کے گرد دس آدمی بیٹھ کر اطمینان سے کھا سکتے تھے، اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ مکان میں گنجائش کی کمی کے سبب سب آدمیوں کو بیک وقت بلانے کے بجائے دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانے کا حکم دیا گیا۔

''اور یہ سب ستر یا اسی آدمی تھے'' کی وضاحت میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہاں تو تعداد کا ذکر شک ہی کے ساتھ ہے لیکن دوسری روایت میں تعین اور یقین کے ساتھ اسی کا ذکر ہے، نیز اس روایت میں اسی سے کچھ اوپر کا ذکر ہے تاہم ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں ہے۔ کیونکہ اسی (۸۰) والی روایت کے بارے میں احتمال ہے کہ راویؒ نے تعداد ذکر کرتے وقت کسر کو حذف کر دیا ہو، البتہ ایک اور روایت میں جس کو امام احمدؒ نے نقل کیا ہے جو یہ بیان کیا گیا ہے، کہ ''اس کھانے میں چالیس آدمیوں کے کھانے اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ کے کھانے کا ذکر ہے تو اس سے ان روایتوں میں واقعہ کا تعدد معلوم ہوتا ہے یعنی ان روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ الگ الگ دو واقعوں کا ذکر ہے کہ ایک واقعہ میں تو اسی آدمیوں نے کھایا اور ایک واقعہ میں چالیس آدمیوں نے، لیکن ایک شارح نے کہا ہے کہ واقعہ متعدد نہیں بلکہ ایک ہی ہے جس کا ذکر ان روایتوں میں ہے اور ان روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ ان اسی (۸۰) آدمیوں نے دو مرحلوں میں کھانا کھایا تھا، پہلے دس دس کر کے چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد ان چالیس آدمیوں نے کھانا کھایا جو آنے میں پہلے چالیس آدمیوں سے پیچھے رہ گئے تھے یا آنحضرت ﷺ نے ان کو بعد میں بلا بھیجا تھا۔ اس تطبیق کی روشنی میں بخاری کی دوسری روایت کے یہ الفاظ کہ ''چالیس آدمیوں نے کھانا کھایا اور ان کے بعد آنحضرت ﷺ نے کھانا تناول فرمایا'' کی وضاحت یہ ہوئی کہ جب چالیس آدمی کھانے سے فارغ ہو گئے تو چالیس آدمیوں کی دوسری جماعت

آنے سے پہلے آپ ﷺ نے کھانا تناول فرمالیا، اس طرح آپ ﷺ کی برکت پہلی جماعت کو بھی شامل ہوگئی اور دوسری جماعت کو بھی۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی برکت سے کھجوروں میں برکت ہوگئی

حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ جب میرے والد کی وفات ہوئی تو ان کے ذمہ بہت سا قرض تھا، چنانچہ میں نے ان کے قرض خواہوں کو پیشکش کی کہ ہمارے پاس جتنی کھجوریں ہیں وہ سب اس قرض کے بدلہ میں جو میرے والد پر تھا لے لیں، لیکن انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کردیا (کیونکہ وہ قرض خواہ، جو یہودی تھے ان کھجوروں کو اپنے دیئے ہوئے قرض کے مقابلے میں بہت کم جانتے تھے) آخرکار میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میرے والد احد کی جنگ میں شہید ہوگئے ہیں اور انہوں نے بہت سا قرض چھوڑا ہے، میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ ﷺ کو (میرے پاس) دیکھیں (یعنی کوئی ایسی صورت ہو کہ جب قرض خواہ میرے پاس آئیں تو آپ ﷺ تشریف فرما ہوں تا کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر میرے ساتھ کوئی رعایت کر دیں۔ آپ ﷺ نے یہ (سن کر) مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کی الگ الگ ڈھیری بنالو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا (کہ میرے پاس جتنی کھجوریں تھیں سب کو الگ الگ ڈھیریوں میں کردیا) اور اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو بلالایا۔ قرض خواہوں نے آنحضرت ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا تو اس وقت انہوں نے فوراً ایسا رویہ اختیار کرلیا جیسے وہ مجھ پر حاوی ہوگئے ہوں (یعنی انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ آنحضرت ﷺ کلی یا جزوی طور پر قرض معاف کرنے کی تلقین کریں گے یا کچھ اور دنوں تک صبر کرنے کا مشورہ دیں گے، لہٰذا آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہی انہوں نے مجھ پر برسنا اور بڑے لب ولہجہ میں قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنا شروع کردیا اور اس طرح انہوں نے پہلے ہی اپنا رویہ ظاہر کیا جیسے وہ بتانا چارہے ہوں کہ پورے قرض کی فوری واپسی کے علاوہ اور کسی بات پر تیار نہیں ہیں۔ آنحضرت ﷺ

نے جب قرض خواہوں کا یہ رویہ دیکھا (تو ان سے کچھ کہے بغیر) کھجوروں کی سب سے بڑی ڈھیری کے گرد تین بار چکر لگایا اور پھر ڈھیری پر بیٹھ کر (مجھ سے) فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ (جب وہ آ گئے تو) آپ ﷺ کے حکم سے اس ڈھیری میں ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دینا شروع ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کا تمام قرضہ ادا کر دیا، اگر چہ میری خوشی کے لئے یہی کیا کم تھا کہ اللہ تعالیٰ میری کھجوروں سے میرے والد کا تمام قرض ادا کر ادیتا خواہ اپنی بہنوں کے پاس لے جانے کے لئے ایک کھجور بھی باقی نہ بچتی لیکن اللہ تعالیٰ نے تو (آنحضرت ﷺ کے معجزے سے) ساری ڈھیریوں کو محفوظ رکھا اور جس ڈھیری پر نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے میں نے اس کی طرف نظر اٹھائی تو ایسا لگا کہ اس میں سے بھی ایک کھجور کم نہیں ہوئی ہے اور جب اس ڈھیری ہی میں سے کچھ کم نہ ہوا جس میں سے ان قرض خواہوں کو ان کے مطالبے کے بقدر دیا گیا تھا تو باقی ڈھیریاں بدرجہ اولیٰ محفوظ و سالم رہیں۔ (بخاری شریف)

تشریح ...... حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے پسماندگان میں کئی بیٹیاں چھوڑی تھیں جو حضرت جابرؓ کی بہن ہوئیں حضرت جابرؓ کا مطلب یہ تھا کہ کھجوروں میں اپنے لئے یا اپنی بہنوں کے لئے میری خواہش نہیں تھی، میں تو اس میں خوش تھا کہ کسی طرح میرے والد کا تمام قرضہ اتر جائے خواہ ہمارے لئے ان کھجوروں سے کچھ نہ بچے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی برکت اور آپ ﷺ کے معجزے کے طفیل ان کھجوروں کے ذریعہ نہ صرف میرے والد کا تمام قرضہ ادا کرا دیا بلکہ تمام کھجوریں جوں کی توں بچ گئیں۔

آپ ﷺ کی برکت سے تبوک کے کھانے میں برکت کا معجزہ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دن (توشہ کی کمی کے سبب) جب سخت بھوک نے لوگوں کو ستایا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو تھوڑا بہت توشہ لوگوں کے پاس بچا ہوا ہے اس کو منگوا لیجئے اور پھر اس توشہ پر ان کے لئے اللہ سے دعا فرمائیے،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا اور پھر آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگا کر بچھوایا اور لوگوں سے ان کا بچا ہوا توشہ لانے کے لئے کہا گیا" چنانچہ لوگوں نے چیزیں لانا شروع کیں ،کوئی مٹھی بھر کھجور لے کر آیا، کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا، اس طرح اس دستر خوان پر کچھ تھوڑی بہت چیزیں جمع ہوگئیں تو رسول کریم ﷺ نے نزول برکت کی دعا فرمائی اور پھر (سب لوگوں سے) فرمایا لو (جس کا جی چاہے اس میں سے اپنا برتن بھر لے) چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے برتن میں لینا شروع کیا یہاں تک کہ لشکر میں کوئی ایسا برتن نہیں بچا جس کو بھر نہ لیا گیا ہو، حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ پھر سارے لشکر نے (جو تقریباً ایک لاکھ مجاہدین پر مشتمل تھا) خوب پیٹ بھر کر کھایا اور پھر بھی بہت سارا کھانا بچ رہا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ان دو گواہیوں کے ساتھ جن میں اس کو کوئی شک وشبہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے جا کر ملے اور پھر اس کو جنت میں جانے سے روکا جائے۔" (مسلم)

تشریح...... "تبوک" ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً ۴۶۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے، ماہ رجب سن ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ غزوہ کے لئے وہاں اسلامی لشکر لے کر گئے تھے کہا جاتا ہے کہ اس لشکر میں ایک لاکھ کے قریب مجاہدین اسلام شامل تھے اور آنحضرت ﷺ کا یہ سب سے آخری غزوہ تھا۔

"جو تھوڑا بہت توشہ لوگوں کے پاس بچا ہوا ہے۔۔۔ الخ" سے مراد حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ عام طور پر اہل لشکر غذائی سامان کی قلت کا شکار ہیں اور بہت سے لوگ بھوکے رہ رہے ہیں، تاہم کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پاس ان کی حاجت وضرورت سے زائد کچھ سامان خوراک ہوگا، لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو ہدایت فرمائیے کہ وہ اس بچے ہوئے سامان خوراک کو لے کر آپ ﷺ کے پاس آجائیں۔ دراصل اس روایت میں یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، پوری روایت یوں ہے کہ جب (اہل لشکر کو سامان خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑا اور) لوگ بھوکے رہنے لگے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ

یارسول اللہ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے اپنی غذائی ضرورت پوری کرلیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، لیکن جب حضرت عمرؓ کو یہ معلوم ہوا تو وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر آپ ﷺ نے لوگوں کو اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دے دی تو اس لشکر کو سواریوں کی قلت کا (زیادہ پریشان کن) مرحلہ پیش آجائے گا؟ لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کو (اپنے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دینے کے بجائے) یہ حکم دیجئے کہ جس شخص کے پاس جو بچا ہوا توشہ ہو اس کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔۔الخ"۔

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص۔۔۔الخ اس ارشاد گرامی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جس شخص نے کامل یقین واعتقاد کے ساتھ توحید و رسالت کی گواہی دی (یعنی کلمہ گو ہوا) اور پھر ذرا بھی تشکیک و تردد رکھے بغیر اسی یقین واعتقاد کے ساتھ اس حالت میں اس کا انتقال ہوگیا تو اسکو جنت میں جانے سے کوئی نہیں روکے گا۔ (حوالہ بالا)

آپ ﷺ کی برکت سے ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ولیمے میں برکت کا معجزہ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح ہوا تو (شب عروسی کے بعد) میری والدہ ام سلیمؓ نے کھجور، گھی، اور قروت (پنیر) لے کر مالیدہ سا بنالیا اور اس مالیدہ کو ایک پیالہ میں رکھ کر مجھ سے کہا کہ انسؓ! اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کہنا کہ میری ماں نے یہ (حقیر ہدیہ) آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا ہے اور آپ ﷺ کو سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ (یارسول للہ) یہ ایک چھوٹا سا ہدیہ (جو) ہماری طرف سے آپ ﷺ کے لئے ہے (اگرچہ آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں لیکن آپ ﷺ کے الطاف کریمانہ سے امید ہے کہ اس کو قبول فرمائیں گے) چنانچہ میں اس کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میری والدہ نے کہا تھا عرض کردیا۔ آپ ﷺ نے (بڑی خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور پھر فرمایا کہ فلاں فلاں اور فلاں شخص کو جن کے نام آپ ﷺ نے بتائے تھے جا کر بلالاؤ اور (دیکھو)

راستہ میں جو شخص ملے اس کو بھی بلاتے لانا چنانچہ میں گیا اور ان لوگوں کو جن کا نام آپ ﷺ نے لیا تھا اور ان لوگوں کو جو راستہ میں ملے، بلا کر لے آیا اور جب گھر میں واپس آیا تو، دیکھا کہ پورا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ (اس وقت) تم سب کتنے لوگ ہونگے؟ حضرت انسؓ نے جواب دیا کہ تین سو کے قریب۔ پھر میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس مالیدہ پر اپنا دست مبارک رکھ کر وہ کہا جو اللہ نے چاہا (یعنی خیر و برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ نے دس دس آدمیوں کو بلانا شروع کیا اور وہ (یکے بعد دیگرے دس دس) آدمی کھانے (کے لئے آنے) لگے اور (جو لوگ کھانے پر آتے ان سے) آپ ﷺ فرماتے! اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور ہر شخص کو اپنے سامنے سے کھانا چاہئیے (کیونکہ کھانے کا یہ مسنون طریقہ ہے جس سے تہذیب و شائستگی کا اظہار بھی ہوتا ہے اور کھانے میں خیر و برکت بھی اترتی ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: جب دس آدمیوں کی ایک جماعت کھانے سے فارغ ہو کر چلی جاتی تو (اتنے ہی آدمیوں) کی دوسری جماعت آجاتی، یہاں تک کہ سب لوگوں نے (خوب آسودہ ہو کر) کھالیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے ہیں) اب اس پیالہ کو اٹھا لو۔ میں نے پیالہ کو اٹھا لیا اور میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ جس وقت میں نے پیالہ رکھا تھا اس وقت اس میں مالیدہ زیادہ تھا، یا اس وقت جب کہ تمام لوگوں کے اس کھانے سے فراغت کے بعد میں نے اس کو اٹھایا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح...... "جن کے نام آپ ﷺ نے بتائے تھے"۔ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت انسؓ نے یہ بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے تو متعین و مشخص کر کے ان تین آدمیوں کے نام بتائے تھے لیکن اس وقت میرے ذہن میں وہ تینوں نام محفوظ نہیں ہیں لہٰذا میں یہاں ان تینوں کو فلاں فلاں اور فلاں لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ رجالاً سماھم کے الفاظ خود حضرت انسؓ کے ہیں جو نحوی طور پر فلاناً وفلاناً وفلاناً کا بدل واقع ہوئے ہیں یا یہ کہ ان الفاظ سے پہلے یعنی یا یعنی کا لفظ مقدر (محذوف) ہے۔

''اور میں نہیں کہہ سکتا کہ۔۔۔الخ''، یعنی ظاہری صورت کے اعتبار سے تو میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ مالیدہ پہلے سے زیادہ تھا یا جب میں نے وہاں سے اٹھایا تو اس وقت زیادہ تھا تاہم جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کا بابرکت ہاتھ رکھے جانے سے اور ان کے مقدس صحابہؓ کا پس خوردہ ہونے کے سبب وہ مالیدہ اس وقت جب کہ میں نے اس کو وہاں سے اٹھایا زیادہ بابرکت تھا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث کے ظاہری مفہوم سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینبؓ کا ولیمہ اسی مالیدہ سے ہوا جو حضرت انسؓ کی والدہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا، لیکن دوسری روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ولیمہ کا کھانا روٹی اور گوشت پر مشتمل تھا جیسا کہ خود حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ کا ولیمہ میں بکری ذبح کی اور اس موقع پر ایک ہزار آدمیوں کو گوشت اور روٹی سے شکم سیر کیا۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے یہ کہا گیا کہ دراصل وہ مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب آپ ولیمہ کا کھانا (جو گوشت اور روٹی پر مشتمل تھا) لوگوں کو کھلانے جا رہے تھے، اور اس طرح دعوتِ ولیمہ میں دونوں چیزیں کھلائی گئیں۔ یعنی مالیدہ بھی اور گوشت روٹی بھی۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک دن مالیدہ والا وقعہ ہوا ہوگا اور دوسرے دن روٹی اور گوشت کھلانے کا واقعہ ہوگا! مگر ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ اس حدیث سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت انسؓ کی والدہ نے جو مالیدہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اسی کا ولیمہ ہوا بلکہ انہوں نے وہ مالیدہ ہدیہ کے طور پر آپ ﷺ کو بھیجا تھا جس کو آپ ﷺ نے تین سو کے قریب لوگوں کو کھلایا تھا اور اسی دن شام کو یا اگلے دن آنحضرت ﷺ نے بکری ذبح کر کے ولیمہ کیا اور اس ایک بکری کے گوشت اور روٹی میں اللہ تعالیٰ نے اتنی برکت عطا فرمائی کہ ایک ہزار شکم سیر ہوئے پس نہ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات اور نہ ان دونوں معجزوں میں کوئی معارضہ۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی سی زادراہ میں عظیم برکت

آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے، صحابہ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے تمام لوگوں کے زادراہ کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا۔ اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی۔ اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی۔ لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ کھانے کے بعد آپ ﷺ نے پانی طلب فرمایا۔ ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے۔ آپ ﷺ نے اس کو پیالہ میں انڈیل دیا اور ۱۴سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے میں حیرانگیز برکت

بخاری شریف کی روایت ہے کہ چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے اور ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان موجود ہو وہ اصحاب صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے۔ چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت ﷺ کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے۔ یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ ہی کے یہاں کھانا کھایا۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی اس لئے کسی قدر رات گزر گئی، وہ گھر میں دیر سے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انہوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کیا وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا اور غصہ میں اگر چہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ وہ کھانا آپ ﷺ کے گھر صبح تک رہا۔ دوسرے روز آپ کی خدمت میں بارہ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے، آپ ﷺ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور وہ لوگ سیر ہو گئے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے گھی کی مقدار میں برکت

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آپ ﷺ کی خدمت میں گھی بھیجتی تھیں، اٹھا لاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انہوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا۔'' (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے جو کی مقدار میں برکت

مسلم شریف کی روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص نے آپ ﷺ سے غلہ مانگا، آپ ﷺ نے تھوڑے سے جو دیدیئے۔ اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے، اپنی بی بی کے لئے۔ اپنے مہمانوں کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا، اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت میں قائم رہتا۔'' (مسلم شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک سفر میں تھے، ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی، آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا۔ پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا، آپ

ﷺ نے اسے ایک بکری خرید فرمائی اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا اور ہر شخص کو تقسیم کی۔ گوشت تیار ہوا تو دو پیالیوں میں بھرا گیا اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے اور بچ بھی گیا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت ﷺ کو بلا لائیں۔ وہ گئے تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے؟...... حضرت انسؓ نے گھر میں آ کر پوچھا، تو حضرت انسؓ نے آپ ﷺ سے آ کر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے۔ جس کو ام سلیمؓ نے تیار کیا ہے۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ، اس طرح چالیس آدمی دس دس کر کے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہ ہوئی۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ بھوک کی شدت سے بے تاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے حضرت ابو بکر کا گزر ہوا تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، لیکن اس کا مقصد اپنی حالت زار کی طرف توجہ دلانا تھا، وہ گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت عمرؓ گزرے انہوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی، لیکن انہوں نے بھی بے التفاتی کی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا اور آپ ﷺ نے ان کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی اور ان کو پکارا۔ حضرت ابو ہریرہ نے لبیک کہا اور ساتھ ہو لئے۔ آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا پیالہ بھرا ہوا نظر آیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے، آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ کو حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلا لائیں۔ حضرت ابو ہریرہ کو یہ ناگوار گزرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا، لیکن آپ ﷺ کی تعمیل ارشاد سے چارہ نہ تھا، مجبوراً اصحاب صفہ کو بلا لے گئے اور سب کے سب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے حکم

کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا۔ جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا اور ابو ہریرہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں، آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو۔ آپ ﷺ ان کو متصل پلاتے رہے، یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خود پیالہ لیا اور جو کچھ بچ گیا تھا بسم اللہ کہہ کر پی گئے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے بکری کے دست میں برکت

ایک صحابی نے آپ ﷺ کے لئے گوشت پکایا، چونکہ آپ ﷺ کو بکری کا ہاتھ کا گوشت نہایت مرغوب تھا، انہوں نے آپ ﷺ کو دونوں ہاتھ دیئے، جب آپ ﷺ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا، انہوں نے کہا یا رسول اللہ بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی قسم! اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر مانگتا تم مجھے دیتے رہتے۔ (شمائل ترمذی)

آپ ﷺ کی برکت سے بکری کے تھنوں میں برکت

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا اور تمام صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی، بالآخر ہم سب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ہم سب کو گھر لے گئے، وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوھ کر پیا کرو، چنانچہ ہم سب دودھ دوھ کے اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت ﷺ کا حصہ رکھ دیتے تھے۔ آپ ﷺ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے، پھر مسجد میں آ کر نماز پڑھتے۔ اس کے بعد اپنے حصے کا دودھ پیتے ایک دن جب کہ میں اپنا حصہ کا دودھ پی چکا تھا، شیطان نے مجھے دھوکہ دیا کہ آنحضرت ﷺ انصار کے یہاں سے آتے ہیں، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان کو تناول

فرماتے ہیں، آپ ﷺ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں، میں اس کے دھوکے میں آ گیا اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا۔ جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہہ کر چلتا ہوا کہ ''کم بخت تو آنحضرت ﷺ کا حصہ پی گیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بددعا دیں گے اور تیرا دین و دنیا سب برباد ہو جائے گا۔''

چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی، آپ ﷺ تشریف لائے حسب معمول سلام کیا اور نماز پڑھی، اس کے بعد دودھ کو کھولا تو آپ ﷺ کا حصہ غائب تھا، آپ ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور میں سمجھا کی آپ ﷺ اب مجھ پر بددعا فرمائیں گے، اور میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: ''خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا، اس کو کھلا اور جس نے مجھے پلایا، اسے پلا۔'' اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا، ہاتھ میں چھری لی اور ان بکریوں میں سے جو سب زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے۔ اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا، جس کے متعلق آنحضرت ﷺ کے اہل وعیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اسقدر دودھ ہوگا کہ اس میں دوھا جائے گا۔ لیکن میں دودھ کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اپنا حصہ پی چکے؟ میں نے کہا آپ ﷺ پی لیجئے۔ آپ ﷺ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا۔ چنانچہ جب مجھ کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سیر ہو گئے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت میں، میں شامل ہو گیا تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپ ﷺ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیتے۔'' میں نے کہا کہ ''جب میں نے آپ ﷺ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں'' (صحیح مسلم)

آپ ﷺ کی برکت سے ایک وسق جو کی برکت

حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وفات فرمائی تو کچھ وسق (ایک

پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا، تو میں نے اسی میں کھانا شروع کیا تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا تو ہم نے اس کو تولا تو پھر ختم ہو گیا یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی۔ (بحوالہ بخاری و مسلم)

آپ ﷺ کی برکت سے توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں پہلی آنحضرت ﷺ کی وفات، دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ کیسا توشہ دان؟ انہوں نے کہا۔ آپ ﷺ ایک غزوہ میں تھے رسد ختم ہو گئی تھی، آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہؓ! کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں۔ ارشاد ہوا وہ لے آؤ، میں لایا تو آپ ﷺ نے ان کو دستر خوان پر پھیلا دیا، اکیس کھجوریں تھیں، آپ ﷺ ایک ایک کھجور لے کر اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپ ﷺ نے سب کو ملا دیا اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آ کر شریک ہوں۔ چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہو گئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان پر میرے لئے برکت کی دعا فرمایئے، آپ ﷺ نے دعا کی میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا۔ ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں سے کھجوریں نکل آتیں تھیں اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے تک میں اسی میں سے کھاتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامے میں جہاں اور چیزیں گئیں توشہ دان بھی جاتا رہا۔ (بحوالہ مسند احمد)

آپ ﷺ کی برکت سے تھوڑی کھجوروں میں برکت

مسند احمد کی ایک اور روایت ہے کہ حضرت وکینؓ اور نعمان بن مقرن صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبوی ﷺ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا "جاؤ

ان کو کھلا دو'' عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ہم کو لے چلے، اور ایک جگہ لا کر بٹھایا، اور جو کچھ کھجوریں تھیں، وہ سامنے لا کر رکھ دیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے، لیکن کھجوروں میں کمی نہ آئی۔ (بحوالہ مسند احمد)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

محترم قارئین! آپ نے مندرجہ بالا واقعات پڑھ کر اندازہ لگا لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کے ہاتھ میں کس قدر برکت رکھی تھی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

خصوصیت نمبر ۳۵

رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمادیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پینتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمادیا" بیشک یہ خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس دین کو اپنے آخری نبی ﷺ پر مکمل فرمادیا، دیگر انبیاء کرامؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دین دیا لیکن کسی بھی نبی کو یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے آپ کی نبوت میں اپنے دین کو مکمل کردیا، لیکن آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" نازل فرماکر اپنے دین کو مکمل فرمایا، معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف آپ ﷺ ہی ہیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی وضاحت آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے لئے آپ ﷺ سے محبت میں اضافے کا باعث ہوگی، اور دعا بھی کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

پینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

اسلام کا صحیفہ قرآن جب ایسا جامع ہے کہ جس کا مقابلہ دنیا کے سارے ادیان ملکر نہیں کرسکتے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا کامل ہوگا۔ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماعِ عظیم کے دن (حجۃ الوداع کے موقع پر) یہ اعلان عام کیا۔ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ

لَکُمُ الاِسلَامَ دِینًا. (سورۂ مائدہ)

''آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے میں نے تمہارے لئے پسند کیا''۔

''اسلام'' قرآن کے عقیدہ کے مطابق اس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا۔ یہاں تک کہ محمد ﷺ کی دعوت و تبلیغ پر وہ اپنے معراج کمال کو پہنچ کر تمام ہو گیا اور یہ منصب خاص صرف آپ ﷺ کی ذات پاک کے لئے روز اول سے مقدر ہو چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا! انا خاتمُ النبیین و آدم منجدل فی طینته (بخاری شریف) میں پیغمبر آخر تھا اور آدم ابھی آب و گل میں پڑے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے۔ فرمایا ''میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی، لوگ اس کے اندر جاتے ہیں اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، لیکن دیکھتے ہیں کہ اس کی ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں، عمارت دین و نبوت ہے، اس کی ایک اینٹ، ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی امی علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

وہ دین جو مختلف انبیاء علیہ السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا، چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا، اس لئے ان کے معجزے بھی محدود الوقت تھے، یعنی ایک خاص وقت میں پیدا ہوئے اور مٹ گئے، اب عصائے موسیٰ، لحن داؤدؑ، تعبیر یوسفؑ، اور نفس عیسیٰ کا کہاں پتہ ہے، لیکن جو دین محمد ﷺ کے ذریعہ آیا کامل تھا اور قیامت تک کے لئے آیا تھا، بنا بریں اس کے لئے ایک دائمی مستقل معجزہ کی ضرورت تھی اور وہ خود صحیفہ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی، لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے جو خدا نے بھیجی، تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔'' یہ خیال مبارک اسی لئے تھا کہ آپ ﷺ کا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے،

اس لئے اس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے، اسی لئے وہ تحریف وتغیّر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا، اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان ساتھ لایا۔ "وانّالہٗ لَحافِظُون" (حجر) اور ہم ہیں اس کے محافظ' (سیرت النبیؐ جلد سوم)

اور اسی موضوع سے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ اپنی اسی کتاب سیرت النبیؐ، جلد چہارم میں مزید رقم طراز ہیں کہ آنحضرت ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لیکر آئے تھے اور جس مہتم بالشان کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، نیک دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، لیکن جن کے دل کے آئینے زنگ آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر، پیغمبر کی پراثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پرتو سے صاف وشفاف ہوتے گئے اور عوائق، موانع، شبہات اور شکوک کی تہہ در تہہ ظلمتیں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک ابدی مذہب اور عملی جماعت، خدا پرستی، اخلاق وایثار، تقویٰ، ایمانداری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی، جس کی طرف آپ ﷺ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (حجۃ الودع) میں اپنی وفات سے تقریباً ۲ ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا، الاان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللہ السموات والارض۔ (بخاری)

ہاں اب زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس حالت پر اس دن تھا، جس دن خدا نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت آپ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک

نہایت پردرد وداعی تقریر کے آخر میں یہ الفاظ فرمائے کہ قد ترکتکم علی البیضاء لیلھا کنھارھا ، میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔

اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں تکمیل کی بشارت آئی کہ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُمْ دِینَکُمْ و اَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی (مائدہ) آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی۔

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تائیدی شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں: ''محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا، آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپ ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتوں سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔ (لائف آف محمدؐ مارگولیتھ)

اسی طرح بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کی دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (داور مجاعص) نے لکھا کہ: دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانے میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا کی اور ایک نئی طویل سلطنت قائم کر دی، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ امی اور ناخواندہ تھا، وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لیے اور اس سلطنت کے لیے جس کو اس نے قائم کیا، ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود ہی مہیا کر دیئے، اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہیں، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تا کہ اقوام اسلامی میں اہل استطاعت

ایک مرکز پر جمع ہوکر اپنے دینی وقومی معاملات میں باہم مشورہ کرسکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے، قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بناء پر بزرگی حاصل ہے۔

اس بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رئیس قوم کو پسند ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لیے آسان کردیا، نامسلموں کے لیے اسلامی ملکوں میں عیش وآرام اور امن واطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی کہ ''تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے'' خاندانی اور ازدواجی اصلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا۔ علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوشش کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مؤمن کا گمشدہ مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانے، میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا۔

انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل نے اپنے ہیروز اینڈ ہیرو دورشپ'' میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد (ﷺ) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیرو قرار دے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار ''محمد'' آپ کی نسبت کہتا ہے: قرآن پاک سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔

الغرض دوست ودشمن سب کو اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس

نے کم سے کم مدت میں اپنی بعثت اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا، جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوگئی ہو۔ اور یہ اس لیے تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین اور آخری معلم کی حیثیت آپ کو ہی عطا ہوئی تھی، اگر انسان کی عملی واخلاقی ودینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی۔

حالانکہ آپ نے فرمادیا: ''میرے بعد کوئی نبی نہیں میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہؓ کے عہد میں تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضائے حاجت کیونکر کرنی چاہئیے، حضرت سلیمان فارسیؓ نے کہا! ہاں یہ سچ ہے آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بیٹھیں نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو، بنوت محمدی کی تعلیمات کی ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمدن اقوام سے لے کر بلند سے بلند متمدن سے متمدن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایت رکھتی ہے، عرب کے بدوؤں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے آپ کی بعثت تھی، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایت ہیں، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تنہا جاتا ہے، اوران کو متمدن اور مذہب بنانے کے لیے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے، عقائد پادریوں کی نسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب وتمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں لیکن اسلام میں محمد ﷺ

کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں، اخلاق ہوں کہ آداب، تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو، یا خدا کے ساتھ سب کا ماخذ محمد ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

آپ ﷺ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔

آپ ﷺ نے بتایا کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرے اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ یا یوں کہو کہ اس کا ایک رخ تو آسمان کی طرف ہے اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے اور دوسرا عالم شہود سے پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان، آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قویٰ اور قلبی حالات سے ہے، تو اس کا نام عقیدہ ہے، اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائداد سے بھی ہے، تو اس کا نام عبادت ہے، باہم انسانوں اور انسانوں میں، یا مساوی اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے۔ اور ان کی حیثیت قانون کی نہیں، بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے، اور ان ہی دونوں کے مجموعے پر کامل نجات کا انحصار ہے، عمل صالح کی تین قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون

الٰہی کی پابندی اوران کے ساتھ محبت، الفت اور نیکی اور بھلائی کا برتاؤ، اور گو اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدا کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادات، دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، الغرض محمد ﷺ جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، ان ہی کی اصلاح، تعلیم اور تکمیل کے لیے آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ جلد چہارم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۳۶

رسولِ اکرم ﷺ کے حمل کے وقت بتوں کا گرنا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں۔۔۔ یہ چھتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے حمل کے وقت بتوں کا گرنا" بیشک دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ کے حکم سے آپ ﷺ کے حمل میں ہوتے وقت بتوں کے گرنے کے بہت سے واقعات پیش آئے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس کی تفصیل آ رہی ہے، جس کے مطالعے سے آپ ﷺ کی یہ خصوصیت پورے طور پر ہمیں سمجھ آ جائے گی، انشاءاللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

چھتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضور ﷺ کے لیے دو مرتبہ بت گرے۔ ایک مرتبہ آپ کے حمل کے وقت اور دوسری مرتبہ آپ کی ولادت کے وقت۔ اس کا مطلب ہے کہ اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی خصوصیت بتوں کا آپ کے حمل کے وقت گرنا تھا کیونکہ ولادت کے وقت تو حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی دنیا کے بت گرے تھے۔ مگر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "خصائص صغریٰ" میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت گر پڑے تھے، مگر جیسا کہ بیان کیا گیا دنیا کے بت حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت بھی گرے تھے اس لئے اس کی روشنی میں علامہ سیوطیؒ کے اس قول کو درست نہیں کہا جا سکتا۔

ہاں اگر آپ کے حمل کے وقت بتوں کے گرنے کی خصوصیت کہا جائے تو صحیح ہوگا کیونکہ حمل کے وقت صرف آپ ﷺ ہی کے لئے بت گرے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کے حمل کے وقت ایسا نہیں ہوا تھا۔

چنانچہ عبدالمطلب سے روایت ہے کہ میں کعبے میں تھا اچانک میں نے دیکھا کہ کعبہ کے بت اپنی جگہوں سے گر پڑے اور سجدے کی سی حالت میں زمین پر اوندھے ہو گئے۔ ساتھ ہی میں نے کعبے کی دیوار میں سے آنے والی ایک آواز سنی جو کہہ رہی تھی کہ وہ محبوب خدا پیدا ہو گئے جن کے ہاتھوں کفار ہلاک ہوں گے اور جو مکہ کو بتوں کی پوجا سے پاک کردیں گے اور جو لوگوں کو اس خدا کی عبادت کا حکم دیں گے جو سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور اسی طرح دو روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں۔ ایک میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت ابلیس جب تحقیق کے لئے مکہ میں پہنچا تو وہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ گیا مگر اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو بھیجا جنہوں نے ٹھوکر مار کر اسے آپ کے پاس سے دور کر دیا۔ دوسری روایت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب ابلیس تحقیق کے لئے وہاں پہنچا تو حضرت عیسیٰؑ کے چاروں طرف فرشتوں کے گھیرے کی وجہ سے وہ ان کے قریب نہیں جاسکا۔

اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق شیطان نے یہ کہا کہ میں ان کے قریب نہیں پہنچ سکا اور ہمارے رسول ﷺ کے متعلق اس نے یہ کہا کہ جب میں ان کے قریب پہنچا تو جبرائیلؑ نے ٹھوکر مار کر مجھے وہاں سے دور کر دیا تو حضرت عیسیٰؑ کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ کے قریب کیسے پہنچ سکا۔ کیونکہ اگرچہ ٹھوکر مار کر اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا مگر قریب پہنچ تو گیا جبکہ حضرت عیسیٰؑ کے قریب پہنچ ہی نہیں سکا تھا۔

اس کا جواب یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قریب پہنچ جانے سے مراد اس جگہ کے قریب پہنچ جانا ہو جہاں آپ تھے نہ کہ آپ کے جسم اطہر کے قریب پہنچ جانا۔ اور حضرت

عیسیٰؑ کے قریب پہنچ سکنے سے مراد یہ ہو کہ ان کے جسم کے قریب نہیں پہنچ سکا (اس طرح دونوں روایتوں سے مطلب ایک ہی نکلے گا کہ ابلیس نہ حضرت عیسیٰؑ کے جسم کے قریب پہنچ سکا اور نہ آنحضرت ﷺ کے جسم مبارک کے قریب پہنچ سکا)

اس سلسلے میں ایک اشکال اور پیدا ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰؑ) کے کوئی بچہ ایسا نہیں کہ اس کی پیدائش کے وقت شیطان اس کو چھوتا نہ ہو جس سے کہ وہ چیخیں مار کر رونا شروع کر دیتا ہے۔ اس روایت کو شیخین نے نقل کیا ہے (یعنی پیدائش کے فوراً بعد بچہ جو روتا ہے وہ شیطان کے چھونے کی وجہ سے روتا ہے اس سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے علاوہ دوسرے تمام نبیوں کو بھی پیدائش کے وقت شیطان کا چھونا ثابت ہوتا ہے جن میں آنحضرت ﷺ بھی شامل ہو جاتے ہیں حالانکہ آپ کو سارے نبیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور حضرت مریمؑ کا شیطان کے چھونے سے محفوظ ہونا)۔۔۔ حضرت مریمؑ کی والدہ کے اس قول کی وجہ سے تھا (جو انہوں نے دعا کے طور پر حضرت مریم پر پڑھا تھا) کہ یا اللہ میں مریم اور اس کی اولاد کے لئے شیطان لعین سے (بچاؤ کے واسطے) تیری پناہ مانگتی ہوں۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ سوائے عیسیٰؑ ابن مریم کے ہر ابن آدمؑ (یعنی آدمی) کے پہلو میں اس کی پیدائش کے وقت شیطان اپنی انگلیوں سے کچوکے لگاتا ہے وہ جب (عیسیٰؑ کے) کچوکے مارنے کے لئے گیا تو وہ چوٹ اس پردے پر لگی جو اس سے حفاظت کے لئے ان کے اوپر ڈھک دیا گیا تھا۔ اس سے مراد وہ جھلی ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ غالباً اس حدیث میں پہلو سے مراد بایاں پہلو ہے (جس طرف دل ہوتا ہے اور جس میں وہ سیاہ دانہ یعنی شیطان کا حصہ اور ٹھکانہ ہوتا ہے)

(اس حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانوں میں شیطان کے قریب آنے اور کچوکے لگانے سے صرف حضرت عیسیٰؑ بچے ہیں یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ بھی نہیں بچے)

اسی طرح حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ سوائے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے ہر بچے کے پہلو میں شیطان اپنی انگلیوں سے کچو کے لگاتا ہے، جس سے وہ بچہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے۔ ان دونوں کے اوپر (یعنی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم پر) اللہ تعالیٰ نے ایک پردہ تان دیا تھا اس لئے شیطان کے کچو کے اس پردے پر لگے اور دونوں تک کوئی اثر نہیں پہنچا۔ (اس حدیث سے بھی یہ خصوصیت صرف عیسیٰؑ اور مریمؑ کی ہی معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کی بھی نہیں تھی) یہاں بھی غالباً پردے سے مراد وہی جھلی ہے لیکن ہوسکتا ہے جھلی کے علاوہ کوئی اور پردہ مراد ہو (جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی)۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے مصنف سیرتِ حلبیہ کہتے ہیں کہ مجاہد نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ پیدائش کے وقت عیسیٰؑ جس طرح شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے اسی طرح سارے انبیاء علیہم السلام محفوظ رہے (جس سے وہ اشکال ختم ہوگیا کہ یہ دوسرے تمام انبیاء کے مقابلے میں نہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت تھی بلکہ معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بچایا۔ چنانچہ اب یہ اشکال ختم ہوجاتا ہے کہ اس خصوصیت اور حفاظت میں حضرت عیسیٰؑ آنحضرت ﷺ سے بڑھے ہوئے تھے جب کہ رسول کریم ﷺ تمام نبیوں میں افضل ہیں) مگر یہ بات ایسی ہے جس کا تعلق دیکھنے سے نہیں ہے (اب اعتراض ہوسکتا ہے کہ مجاہد کی اس حدیث کو مان لینے کے بعد ان حدیثوں کے متعلق کیا کہا جائے جن میں یہ خصوصیت صرف حضرت عیسیٰؑ کی بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجاہد کی اس روایت کو مان لینے کے بعد ان احادیث کے متعلق جن میں صرف حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کا ذکر ہے یہ کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا جب آپ ﷺ کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی کہ تمام انبیاء حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کی طرح ہیں (اور شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہیں) یعنی اس بات کی خبر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعد میں دی)۔ (بحوالہ سیرتِ حلبیہ جلدِ اول)

گذشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا کوئی بھی بچہ پیدائش کے وقت شیطان کے کچوکوں سے محفوظ نہیں رہتا۔ مگر ان روایتوں سے قاضی بیضاوی کے بیان کی تردید ہوتی ہے جس میں انہوں نے ایک حدیث ہی کہ بنیاد پر (شیطان سے محفوظ رہنے کے متعلق لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس ہم بستری کے لئے جائے اور یہ دعا پڑھے" اللھم جنّبنا الشّیطانَ وَجنّب الشّیطانَ مَارَزَقتنا . "یعنی اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھئے اور جو کچھ تو ہمیں عطا فرمائے اس سے شیطان کو دور رکھئے۔" اگر اس ہم بستری کے نتیجے میں ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو شیطان کبھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

(اس حدیث سے ایک طرف تو معلوم ہوا کہ ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اس طرح بچہ شیطان کے کچوکوں اور نقصان پہنچانے سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جب کہ پچھلی احادیث سے معلوم ہوا تھا کہ کوئی بچہ شیطان سے محفوظ نہیں رہتا۔ اس کا محدثین یہ جواب دیتے اس سے مراد ہے کہ صرف وہ بچہ (جس کے حمل کے وقت یہ دعا پڑھی گئی تھی) محفوظ رہے گا اس کے علاوہ دوسرے بچے محفوظ نہیں رہیں گے (گویا قدرت کا اصول تو یہی ہے کہ ہر بچے کو شیطان پریشان کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے بچاؤ کی تدبیر اور علاج بھی بتلا دیا ہے، جو یہی دعا ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے)۔

پچھلے صفحات میں گزرنے والی حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ شیطان آنحضرت ﷺ کے قریب نہیں پہنچ سکتا تھا (کیونکہ حضرت جبرائیلؑ نے اس کو ٹھوکر مار کر دور کر دیا تھا) حالانکہ حافظ ابن حجرؒ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دورات تک دودھ نہیں پیا تھا کیونکہ جنات میں سے ایک عفریت نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ اس روایت کو صحیح مان لینے کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے خاص طور پر ابلیس کو ہی آنحضرت ﷺ کے قریب آنے سے روکا گیا ہو (جبکہ آپ ﷺ کے منہ پر ہاتھ رکھنے والا ابلیس نہیں بلکہ جنّات میں سے ایک عفریت تھا)

کتاب کشاف کے مصنف نے (بچے کو شیطان کے) چھونے اور کچو کے مارنے کے متعلق کہا ہے کہ اس سے مراد اصل معنی مراد نہیں ہیں (کہ شیطان سچ مچ بچے پر ہاتھ پھیرتا اور کچو کے لگا تا ہے) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان کو اس بات کا لالچ اور تمنا ہوتی ہے کہ وہ اس کو ورغلا لے۔ یہی رائے قاضی بیضاوی کی بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے فوراً بعد کا رونا اس لئے نہیں ہوتا کہ شیطان اس کو کچو کے لگا تا ہے۔

(بچہ کے اسی رونے کے سبب کے متعلق) شیخ محی الدّین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ دراصل ہر انسان کو جنت میں پہنچنے تک کچھ نہ کچھ تکلیف اور سختی سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً مرنے کے بعد برزخ میں پہنچنے سے بھی اسے مشقت و تنگی پیش آتی ہے۔ اس مشقت اور تنگی کا کم سے کم درجہ (قبر میں) منکر نکیر کے سوالات ہوتے ہیں (جو ایک امتحان اور آزمائش ہوتی ہے اور ہر امتحان اور آزمائش میں انسان کو مشقت اور تنگی محسوس ہوتی ہے) پھر جب وہ حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو اس میں بھی اسے اپنے یا دوسرے کے خوف کی ہی تکلیف اور مشقت ہوگی۔ چنانچہ دنیا میں آنے کے بعد بچے کو جو سب سے پہلا صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ چیخ چیخ کر روتا ہے اس کو ماں کے رحم اور اس کی (آرام دہ) گرماہٹ سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے کیونکہ رحم سے باہر آنے کے بعد اس کو ہوا لگتی ہے جس سے اسے تکلیف دہ ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ اب اگر وہ (اسی وقت اس ٹھنڈک کی تکلیف سے) مرگیا تو گویا (اتنے تھوڑے وقت کے لئے دنیا میں آنے کے باوجود) اس کو دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں میں سے اسے اس کا حصہ مل گیا۔ اس کے بعد علامہ ابن عربیؒ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں (جس میں حضرت عیسیٰؑ نے اپنے متعلق کہا ہے) "وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ" (پ سورہ مریم ع۲)

ترجمہ: اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مروں گا اور جس روز قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔

کہ اس کے معنی یہ ہیں کی اس شیطان سے حفاظت اور بچاؤ جو بچے کی پیدائش کے وقت اس کے کچوکے لگانے پر متعین ہے جبکہ باہر آ جانے کے بعد اس کے کچوکوں سے چیختا ہے (چنانچہ اسی حفاظت اور سلامتی کی وجہ سے وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے اور) روئے نہیں کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے باہر آئے تو زمین پر آ کر اللہ کے حضور میں سجدہ کی حالت میں واقع ہوئے۔

اب علامہ ابن عربیؒ کی یہ بات قابل غور ہوگئی کیونکہ اسی قول کے شروع میں وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ پیدائش کے وقت بچے کے رونے کا سبب یہ ہے کہ اس کو ماں کے رحم اور اس کی آرام دہ گرمی سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اور ادھر وہ ٹھنڈک کی تکلیف محسوس کرتا ہے (جب کہ آخر میں وہ حضرت عیسیٰؑ کے نہ رونے کا سبب بتلاتے ہیں کہ وہ شیطان کے کچوکوں سے محفوظ رہے تھے۔ اس طرح یہ دونوں باتیں ایک دوسرے خلاف ہوگئیں)۔

علامہ ابن عربیؒ نے اپنے اس قول میں کہا ہے کہ عیسیٰؑ ماں کے پیٹ سے نکل کر سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا پیدائش کے بعد سجدے کی حالت میں زمین پر واقع ہونا صرف آپ کی خصوصیات میں سے نہیں تھا واللہ اعلم۔

بہر حال اصل بیان یہ چل رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت دنیا کے بت اوندھے ہو کر گر پڑے تھے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قریش کی ایک جماعت جس میں ورقہ بن نوفل۔ زید ابن عمر نفیل اور عبداللہ بن جحش بھی تھے ایک بت کے پاس آیا کرتے تھے، جس رات میں آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے اس رات میں جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اوندھے منہ پڑے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بات بہت بری لگی اور انہوں نے جلدی سے اس کو اٹھا کر سیدھا کیا مگر پھر اسی طرح بالکل الٹا ہو کر گر گیا۔ انہوں نے پھر تیسری دفعہ اس کو سیدھا کیا مگر وہ بت تیسری دفعہ بھی اوندھا ہو کر گر گیا۔ (اب ان لوگوں کو یہ بات اہم معلوم ہوئی) انہوں نے کہا کہ یہ تو کوئی نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر ان

لوگوں میں سے ایک نے کچھ شعر پڑھے جس میں اس بت سے خطاب تھا اور اس کی حالت پر حیرانی ظاہر کی گئی تھی (ان شعروں میں پڑھنے والے نے) اس بت سے اس کے اوندھے ہونے کا سبب پوچھا تھا۔ اچانک اس نے سنا کہ اس کے پیٹ سے ایک آواز آرہی ہے اور کوئی کہنے والا بلند آواز سے یہ کہہ رہا ہے کہ۔

تروی لمولود اضاعت بنوره جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب

ترجمہ: ایک ایسے بچے کی پیدائش کی خبر ہے جس کے نور سے مشرق اور مغرب میں زمین کے تمام گوشے منور ہو گئے ہیں۔

اس واقعے کی طرف قصیدہ ہمزیہ کے شاعر نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

وتوالت بشری الهواتف ان قد ولد المصطفٰی وحق الهناء

یعنی پکارنے والوں کی (مراد ایسا شخص جسکی آواز سنائی دے مگر بولنے والا نظر نہ آئے) یہ خوشخبریاں مسلسل ہیں کہ بے شک حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہو گئے ہیں جو دنیا کی ساری مخلوق میں پسندیدہ اور منتخب ترین انسان ہیں اور اس خوشخبری یعنی آپ ﷺ کی ولادت کے نتیجے میں ساری مخلوق کے لئے خوشی اور مسرت ظاہر ہوئی۔

(اسی طرح آنحضرت ﷺ کی پیدائش کے وقت جو عجیب واقعات پیش آئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی رات میں کعبے میں زلزلہ آیا اور تین دن اور تین رات تک ہلتا رہا (جو اس بات کی علامت تھی کہ کعبے جیسی عظیم مقدس جگہ جس کو کفار نے بتوں کا اڈا بنا رکھا تھا اس کو بتوں سے پاک کرنے اور اس کا احترام کرنے کا وقت آ گیا) آنحضرت ﷺ کی پیدائش کی علامتوں میں یہ پہلی علامت تھی جس کو قریش نے دیکھا (اسی کے ساتھ ساتھ آپ کی پیدائش کے وقت) کسریٰ نوشیرواں (یعنی ایرانی سلطنت کے شہنشاہ) کا محل ہلنے لگا اور اس میں شگاف پڑ گئے۔

نوشیرواں کے معنی ہیں مجدّد ملک یعنی نئے سرے سے سلطنت بنانے والا۔ نوشیرواں کا یہ محل ایک نہایت مضبوط اور مستحکم عمارت تھی جو بڑے بڑے پتھروں اور چونے

سے بنائی گئی تھی اور اس میں کہیں بھی کوئی کمزور چیز استعمال نہیں کی گئی تھی (مگر اس کے باوجود آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت آگ کے پجاری کا یہ محل تنکے کی طرح لرز کر پھٹ گیا جس سے پوری سلطنت میں دہشت پھیل گئی) نوشیرواں اس محل میں تقریباً بیس سال تک رہا۔ اس محل کے پھٹنے کی بڑی زبردست اور خوفناک آواز ہوئی اور اس کے بعد اس کے چودہ کنگورے ٹوٹ کر گر گئے۔ یہ شگاف عمارت کی کسی کمزوری اور خامی کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئے تھے (کیونکہ یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ ایک نہایت مضبوط اور پتھر کی عمارت تھی) بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ یہ عمارت کی پھٹن اس کے نبی کی ایک نشانی بن کر دنیا میں (ایک طویل عرصہ تک) باقی رہے۔

(بعد میں جو اس محل کا انجام ہوا اس کے متعلق کہتے ہیں) کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے یحیٰ ابن خالد برمکی کو جو جعفر اور فضل برمکی کا باپ تھا حکم دیا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا دیا جائے۔ یحیٰ نے کہا کہ اس عمارت کو مت گرایئے جو اپنے بنانے والی (یعنی کسریٰ نوشیرواں) کی عظمت کا نشان ہے (یحیٰ ابن خالد برمکی خود اصل میں ایرانی تھا اس لئے اس نے اپنے ملک کے ایک پچھلے بادشاہ کی نشانی کو ڈھانے سے خلیفہ کو روکنا چاہا۔ ہارون رشید نے اس بات کو سمجھ لیا اس لئے اس نے طنزیہ انداز میں) کہا کہ کیوں نہیں اے مجوسی (یعنی آگ کو پوجنے والے) اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ آخر یحیٰ ابن خالد نے اس محل کو ڈھانے کا جو خرچہ آتا تھا وہ خلیفہ کو پیش کیا۔ خلیفہ ہارون رشید کو یہ خرچہ زیادہ معلوم ہوا (اور اس نے اس کا اظہار کیا تو یحیٰ نے خلیفہ پر طنز کرتے ہوئے) کہا کہ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اس عمارت کو ڈھانے سے بھی عاجز ہوں جس کو آپ ہی جیسے ایک بادشاہ نے بنوایا تھا۔ (یہاں تک خلیفہ ہارون رشید سے متعلق واقعہ ہے)۔

مگر (اس واقعہ کے برخلاف) بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے جب بغداد شہر کی تعمیر کی تو اس نے چاہا کہ کسریٰ کے اس محل کو ڈھا کر وہاں شہر بسائے کیونکہ بغداد

اور کسریٰ کے اس محل کے درمیان ایک دن کا فاصلہ تھا (یعنی مسافر ایک دن میں جتنا فاصلہ چلتا ہے) چنانچہ اس بارے میں اس نے خالد ابن برمک سے مشورہ کیا جو اس کا وزیر تھا۔ خالد نے خلیفہ کو اس ارادہ سے روکا اور کہا:

یہ اسلام کی ایک نشانی ہے (کیونکہ آپ ﷺ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں شگاف پڑ گیا تھا) ہر دیکھنے والا اسے دیکھ کر جان لے گا کہ جس کا یہ محل ہے اس کا معاملہ (عبرت کی چیز بن کر دنیا کے سامنے) موجود ہے۔ پھر یہ کہ یہاں حضرت علیؓ نے نماز پڑھی ہے۔ اور اس کے ڈھانے پر جو خرچہ آئے گا وہ اس کی تعمیر سے بھی زیادہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ منصور اور اس کے پوتے خلیفہ ہارون دونوں نے (اپنے اپنے زمانے میں) اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا ہو۔ (جب خلیفہ ہارون رشید نے اس محل کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس کے وزیر یحییٰ ابن خالد برمکی نے اس کو اس سے روکا تو خلیفہ نے یحییٰ کو مجوسی یعنی آتش پرست کہہ کر پکارا تھا حالانکہ وہ مسلمان تھا۔ اس کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے مصنف سیرتِ حلبیہ کہتے ہیں) خلیفہ ہارون رشید نے یحییٰ کو مجوسی اس لئے کہا تھا کہ اس کا دادا یعنی خالد برمکی کا باپ برمک اصل میں خراسان کا رہنے والا تھا اور شروع میں وہ مجوسی یعنی آگ کو پوجنے والا تھا پھر بعد میں مسلمان ہوگیا۔ وہ ایک نہایت ہوشمند اور عقلمند، لکھنے والا (یعنی فرمان اور تحریر مرتب کرنے والا) تھا اور بہت سے علم جانتا تھا۔ یہ برمک بنی امیہ کی سلطنت کے زمانے میں ملک شام میں آگیا تھا اور عبدالملک ابن مروان کے خاص اور مقرب لوگوں میں شامل ہوگیا تھا۔ یہاں اس کو ترقی کے بہت اچھے مواقع ملے اور اس کی حیثیت دربار شاہی میں بہت بڑھ گئی۔ اس کے بعد جب بنی امیہ کی سلطنت ختم ہوگئی اور بنی عباس کی خلافت کا زمانہ آگیا تو یہ برمک (بنی عباس کے پہلے خلیفہ) سفاح کا وزیر بن گیا۔ پھر سفاح کے بعد اس کے بھائی یعنی بنی عباس کے دوسرے خلیفہ منصور کا وزیر بن گیا۔ (جستہ جستہ از سیرت حلبیہ ج اول)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۳۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام انبیاءؑ سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سینتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام انبیاءؑ سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں" اور بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کام کرنے کی اس گناہ گار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنا، آمین۔

بہر حال محترم قارئین! منجملہ خصوصیات میں یہ بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کے مقابلے میں ہمارے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی سب سے زیادہ غیب کی خبریں عطا فرمائیں، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کے طور پر کچھ واقعات پیش کئے جارہے ہیں، البتہ یہ وضاحت آنے والے اوراق میں بھی کی جائے گی اور یہاں بھی کی جارہی ہے کہ اس پر ہمارا پختہ ایمان ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں، حتیٰ کہ تمام نبی اور ہمارے نبی ﷺ کے پاس بھی غیب کا علم نہیں، عالم الغیب ذات صرف اور صرف خدا کی ذات ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے فضل سے کسی نبی کو غیب کی کچھ کچھ خبریں عطا فرمادیں تو الگ بات ہے، بالکل اسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سی غیب کی خبریں عطا فرمائیں تھیں، تو چونکہ وہ غیب

کی خبریں دیگر انبیاءؑ کے مقابلے میں ہمارے نبی ﷺ کو کثیر تعداد میں ملی اس لئے اسے ہم نے آپ ﷺ خصوصیت قرار دیا، علاوہ ازیں مزید وضاحت آنے والے اوراق میں آرہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

سینتیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

سب سے پہلے یہ ایک ضروری بات سمجھ لی جائے کہ قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں۔" چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں اور ان کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جاسکتا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَقُل اِنَّمَا الغَیبُ لله کہدے (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے۔ اور فرمایا قُل لا یَعلَمُ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالأرضِ الغیبَ اِلَّا الله (نمل) کہدے (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان وزمین میں کوئی غیب نہیں جانتا۔

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان وزمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔ یَومَ یَجمَعُ اللهُ الرُّسُلَ فَیَقُولُ مَاذَا اُجِبتُم قالُوا لَا عِلمَ لَنا اِنَّکَ أنتَ علَّامُ الغُیوب (مائدہ۱۵)

"جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کرے گا اور کہے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا، وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں، غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے۔"

آنحضرت ﷺ جو اعلم الانبیاء تھے، ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ قل لا أقولُ لَکُم عِندِی خَزَائنُ اللهِ ولا أعلمُ الغیبَ (انعام۵) "کہدے اے پیغمبر! کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام خزانے میرے قبضے میں ہیں اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں

جانتا''

اورفرمایا کہ قُل لا اَمْلِکُ لِنَفسِی نَفعاً وَّلاَضَرًّا اِلاَّ مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَو کُنتُ اَعْلَمُ الغَیبَ لا سْتکثر تُ مِنَ الخَیرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ أنا اِلَّا نَذیرٌ وَّبَشِیرٌ لّقومٍ یُّؤ مِنُوْن۔

''کہد ے(اے پیغمبر) کہ میں اپنے آپ کے لئے کسی نفع وضر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ جوخدا چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھالیتا اور مجھ کو کبھی مصیبت پیش آتی ،لیکن میں تو ایماندارقوم کوڈرانے والا اورخوشخبری سنانے والا ہوں۔''

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ ﷺ کو بتائی گئی تھیں۔البتہ خداتعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا۔ آنحضرت ﷺ کو وقتاً فو قتاً اس سے مطلع فرماتا رہا۔ چنانچہ صاف ارشاد ہوا وَلاَیُحِیطُونَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلمِہٖ اِلاَّ بِمَاشَآ ءَ (بقرہ۳۴)''وہ(یعنی مخلوقات الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔

سورہ جن میں فرمایافَلاَیُظْھِرُ علٰی غَیْبِہٖ أحدًا .اِلاَّ مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ.(جن۲)

''اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا ،لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے'' دوسرے جگہ سورہ آل عمران میں فرمایاوَمَاکَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُم عَلَی الغَیْبِ ولکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِی مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشآء . 'اورخداغیب کی باتیں تم کو بتانہیں سکتالیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے(اس کے لئے) چن لیتا ہے۔''

امورغیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کردی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔یَسئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعۃِ أیَّا نَ مُرْسَاھا. قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عندَ رَبِّی لا یُجَلِّیْھَا لِوَ قْتِھَا اِلاَّھُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالأرْضِ لاتَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً یَسْئَلُوْنَکَ کَأَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْھَا ، قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِندَاللّٰہِ ولکِنَّ اَکثرَ النَّاسِ لاَیَعْلَمُوْن . (اعراف)

(اے پیغمبر) لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہوگی؟ کہدے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے۔ وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ وہ وقت آسمان وزمین پر بڑا بھاری ہوگا، وہ دفعتہً آجائے گا، تجھ سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے ہیں کہ گویا تجھے معلوم ہے اور تو چھپاتا ہے کہدے کہ اس کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔"

صحاح میں جبرائیلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انہوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوالات پوچھے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کو جوابات دیئے ہیں۔ اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہو گی؟ اس کے جواب میں انحضرت ﷺ فرماتے ہیں: مَاالْمَسْئُولُ عَنهَا بِاعلم مِنَ السَّائلِ وساحدثک عن اشر اطها. (کتاب الایمان مسلم وبخاری)

جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس باب میں زیادہ علم نہیں رکھتا، ہاں میں اس کی علامتیں بتاؤں گا۔"

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں جانتے تھے وہ جھوٹا ہے، قرآن نے صاف کہہ دیا ہے: وماتَدرِی نَفسٌ مَّاذَا تکسِبُ غَدًا "کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔"

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھی کچھ گا رہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا: وفِینَا نَبِیٌّ یَعلَمُ مَا فِی غَدِ. "ہم میں سے ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انحضرت ﷺ نے فرمایا غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللہَ عِندَہٗ عِلمُ السَّاعَة. وَیُنَزِّلُ الغَیثَ، وَیَعلَمُ مَافِی الأرحَام. وَمَاتَدرِی نَفسٌ مَّاذَا تَکسِبُ غَدًا. وَ مَاتَدرِیْ نَفسٌ بِاَیِّ أرضٍ تَمُوت. (لقمان۔۴)

خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے، وہی پانی برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔"

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی اور نہ خدا کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا اور نہ خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے کہ وہ کہاں مرے گا؟

چنانچہ معلوم ہوا کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں البتہ ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے۔ اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا، آنحضرت ﷺ کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا۔ سورہ ہود میں بعض انبیاء کے تذکرے کے بعد خدا فرماتا ہے تِلْکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْکَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُکَ (ھود ۱۰) "یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں، نہ تو ان کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی۔"

خود آنحضرت ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ. (تکویر۔۱)

"یعنی آپ کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دی جاتی ہے آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و موثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا: یا امة محمد و اللہ لو تعلمونَ ما عَلمتُ لَضحکتُم قلیلاً لبَکَیتُم کثیراً (صحیح بخاری) "اے گروہ محمدؐ! خدا کی قسم! اگر تم جانتے ہوتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے بہت زیادہ" ایک دفعہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا "تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے، لیکن خدا کی قسم مجھ سے (نماز میں) تمہارا خشوع اور نہ

تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں'' دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنّی لأرَاکُم مِن وَرَائِی کَمَا أرَاکُم . (بخاری) ''میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''

احادیث میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا، آپ ﷺ کو جوش آ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا سَلُو نِی عَمَّاشِئتُم (جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا ''حذافہ'' دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا ''سالم غلام شیبہ'' اور بار بار آپ ﷺ فرماتے جاتے تھے ''پوچھو مجھ سے پوچھو مجھ سے'' یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے۔

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ اس سے فارغ ہو کر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا یعنی آغازِ آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت، فتن، حشر ونشر سب کچھ سمجھایا، صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے، بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے ان واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آ جاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے، پھر اس کو دیکھ کر یاد آ جاتی ہے۔ بہر حال اس طرح کے چند اور واقعات ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں ملاحظہ فرمایئے:۔

آپ ﷺ کا دوسروں کے سوال خود ہی بتا کر جواب دینا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ

مسجد منیٰ میں بیٹھا ہوا تھا کہ دو اشخاص ایک انصاری اور ایک ثقفی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کچھ پوچھنے آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں بتاؤں جو تم پوچھنے آئے ہو یا تم خود ہی کہو گے'' انہوں نے عرض کی۔ '' آپ ہی ارشاد فرمائیے'' حضور ﷺ نے فرمایا '' تم یہ پوچھنے آئے ہو کہ ہم جو اپنے گھر سے بقصد خانہ کعبہ آئے ہیں ہمیں کتنا ثواب ہے اور بعد طواف کے دو رکعتوں کا کیا ثواب ہے اور صفا و مروہ کے درمیان طواف کا کتنا ثواب ہے اور وقوف عرفات کا کیا ثواب ہے اور قربانی کرنے کا کتنا ثواب ہے اور رمی جمار کا کیا ثواب ہے'' ان دونوں نے عرض کی۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہم یہی باتیں پوچھنے آئے تھے۔ (بحوالہ طبرانی)

آپ ﷺ کا غائبانہ واقعہ کا حال بتانا

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بن سنان جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں، جس شب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی، انہوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی لیکن کفار نے ان کو روک دیا، وہ رات بھر کھڑے رہے اور بیٹھنے کا نام نہیں لیا۔ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کر دیا ہے، یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔ انہوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پا کر مدینہ کا راستہ لیا۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر کچھ زر و نقد دے کر ان سے رہائی حاصل کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھتے کے ساتھ فرمایا ''اے ابو یحییٰ! تمہاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ کو خبر دیتا؟ یہ یقیناً آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔ مستدرک حاکم

آپ ﷺ کا گمشدہ اونٹنی کی خبر دینا

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اس کی بہت تلاش کرائی لیکن نہ ملی۔ اس پر منافقین چہ میگوئیاں کرنے لگے ایک منافق زید بن لیب کہنے لگا محمد ﷺ کہتے ہیں میں غیب کی خبریں جانتا ہوں لیکن وہ اپنی گمشدہ اونٹنی کا حال نہیں جانتے سرور

کائنات کو ان باتوں کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا میں دعوے نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں لیکن اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اونٹنی فلاں گھاٹی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے۔ لوگ دوڑتے ہوئے اس گھاٹی میں پہنچے تو اونٹنی کو اسی طرح پایا جیسا حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ (بیہقی)

آپ ﷺ کا پوشیدہ خط کا حال جان لینا

رسول اکرم ﷺ نے فتح مکّہ کا قصد فرمایا تو اس بات کا خاص التزام فرمایا کہ قریش مکّہ کو مسلمانوں کے عزائم کی خبر نہ ہونے پائے۔ تمام صحابہؓ کو حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ارادوں کی اطلاع کسی کو نہ دیں۔ ایک بدری صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے اہل وعیال مکّہ میں تھے۔ ان کی سلامتی کے خیال سے انہوں نے بتقاضائے بشری کفار مکّہ کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر دینی چاہی اور ایک خط قریش مکّہ کے نام لکھ کر ایک عورت کے ہاتھ مخفی طور پر روانہ کیا۔ جس دن یہ عورت مدینہ سے روانہ ہوئی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو بلا کر حکم دیا کہ تم روضہ خاخ تک جاؤ وہاں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے۔ وہ خط اس سے لے آؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ہم تینوں گھوڑے دوڑاتے وہاں پہنچے اور عورت کو وہاں پایا۔ ہم نے کہا خط نکال دے۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا خط نکال دے ورنہ ہم تیری تلاشی لیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر دیا۔ یہ خط اگر قریش مکّہ کو پہنچ جاتا تو مسلمانوں کے لئے مہیب خطرے پیدا ہو سکتے تھے۔ حضور نے حضرت حاطبؓ کو بلا بھیجا اور اس حرکت کا سبب پوچھا انہوں نے کہا کہ میں قریش مکّہ کو یہ اطلاع بھیج کر احسان کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ میرے بیوی بچوں کو تکلیف نہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اجازت دیں تو میں حاطب کی گردن اڑا دوں کہ اس نے یہ منافقانہ حرکت کیوں کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''نہیں بدریوں پر اللہ تعالیٰ نے خاص

مہربانی کی ہے اوران کی سب خطائیں معاف کردیں ہیں۔ (صحیحین)

آپ ﷺ کو بنونضیر کی سازش کی اطلاع کا ہو جانا

یہود بنونضیر کھل کر تو مسلمانوں کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے لیکن در پردہ وہ ہادی اکرم ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ ایک دفعہ حضور ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ ایک ضروری کام کے لئے بنونضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے۔ بد بخت یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ حضور ﷺ کو شہید کرنے کا بہترین موقع ہے چنانچہ سازشیوں میں سے ایک شخص اس دیوار پر چڑھ گیا جس کے نیچے حضور ﷺ کھڑے تھے۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک بھاری پتھر آپ ﷺ پر پھینک دے تاکہ آپ ﷺ اس کے نیچے دب کر شہید ہو جائیں حضور ﷺ کو عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے اس سازش کی اطلاع دے دی اور آپ ﷺ فوراً اس جگہ سے ہٹ گئے۔

سورۂ مائدہ کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ

(اے مسلمانو یاد کرو اللہ کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں)۔ (سورہ مائدہ۔ ع ۲)

آپ ﷺ کا صحیفہ کے بارے میں بن دیکھے خبر دینا

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں زہری سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے قریش کو خبر دی کہ کیڑے نے سوائے اللہ کے نام کے بالکل عبارت اس صحیفے کی کھا کر ختم کردی ہے جسمیں قریش نے عہد لکھا تھا کہ بنی ہاشم کی عداوت پر مضبوط رہیں اور ان سے برادری بالکل چھوڑ دیں سو قریش نے اس صحیفے کو دیکھا تو ویسا ہی پایا جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی۔

فائدہ بعد نبوت آنحضرت ﷺ کے جبکہ اسلام مکۂ معظمہ میں شائع ہوا اور مذمت بتوں کی برملا ہوئی کافران قریش کو بہت رنج ہوا اور مسلمانوں پر انہیں بہت قہر آیا تب انہوں

نے آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اس بات پر ابو طالب اور بنی ہاشم راضی نہ ہوئے تب انہوں نے کہا یا محمد ﷺ کو ہمارے حوالہ کر دو یا تم سب کے سب ہم سے علیحدہ ہو کر گھاٹی میں جا رہو اور ہماری تمہاری برادری کا بائیکاٹ نہ ساتھ کھانا اور نہ ساتھ پینا اور نہ ہم تم کسی مجلس میں اکھٹے ہوں ابو طالب اور بنی ہاشم نے اس بات کو قبول کر لیا اور سب کے سب شعب ابی طالب میں جا رہے اور کفار قریش نے ایک عہد نامہ مضمون قطع برادری کا اور استحکام عداوت کا بنی ہاشم کے ساتھ لکھ کے کعبہ میں لٹکا دیا اور یہاں تک عداوت پر مستعد ہوئے جو کوئی گاؤں کا آدمی غلہ یا کچھ چیز بیچنے کو لاتا اس کو منع کر دیتے کہ نبی ہاشم کے ہاتھ نہ بیچے تین برس اسی طرح پر آنحضرت ﷺ نے اس شعب میں بسر کئے اور بڑی تکلیف اٹھائی دریں اثنا اللہ جل جلالہ نے آنحضرت ﷺ کو اس بات سے مطلع کیا کہ اس عہد نامے کو دیمک کھا گئی ہے جہاں کہیں اس میں نام اللہ کا تھا اس کو دیمک نے چھوڑ دیا ہے اور باقی سب کھالیا ہے آپ ﷺ نے اس بات سے ابو طالب کو مطلع کیا اور ابو طالب قریش کے پاس گئے اور اس نے کہا کہ محمد ﷺ نے مجھے خبر دی ہے تم اس عہد نامے کو منگوا کر دیکھو اگر یہ بات جھوٹی نکلے تو ہم محمد ﷺ کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور اگر سچی ہو تو تم ہماری تکلیف دہی سے باز آ جاؤ اور ہمیں شعب سے نکلنے دو انہوں نے وہ صحیفہ منگوا کر دیکھا تو واقعی جہاں کہیں اللہ کا نام تھا وہ باقی تھا اور باقی دیمک نے کھا لیا تھا تب وہ نادم ہوئے اور بنی ہاشم سے کہا کہ تم شعب سے نکل آؤ۔ (بحوالہ نسیم الریاض)

آپ ﷺ کا دل کا حال جان لینا

حضرت حذیفہؓ ایک دفعہ کئی دن تک رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ ان کی والدہ کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئیں کہ تم اتنے دن تک حضور ﷺ کی خدمت میں کیوں حاضر نہیں ہوئے انہوں نے ندامت کا اظہار کیا اور کہا کہ آج دربار نبوت میں حاضر ہو کر اپنی اور آپ کی بخشش کی دعا کراؤں گا۔ چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جا کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد حضور ﷺ مسجد سے نکلے تو حضرت حذیفہؓ بھی

پیچھے پیچھے چلنے لگے حضور ﷺ نے آواز پہچان کر فرمایا ''کون حذیفہ، خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے۔'' اس طرح حضور ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کے درخواست کرنے سے پہلے ہی ان کی خواہش پوری کر دی۔ (بحوالہ جامع ترمذی)

آپ ﷺ کا زہر آلود گوشت کا حال جان لینا

غزوہ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں دعوت کی اور گوشت میں زہر ملا دیا۔ حضور ﷺ چند صحابہؓ کے ہمراہ اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ صحابہؓ سے فرمایا کہ ہاتھ روک لو۔ اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے خیبر کے تمام یہودیوں کو جمع کر کے پوچھا کیا تم نے اس عورت سے سازش کر کے اس گوشت میں زہر ملایا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں، لیکن آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے بعض یہودیوں سے ان کے باپ کا نام پوچھا انہوں نے غلط بتایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو تمہارے باپ کا اصل نام یہ ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی حضور ﷺ نے درست فرمایا (بحوالہ سنن ابی داؤد)

آپ ﷺ کا نجاشی کی وفات کا اطلاع دینا

بخاری و مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی وفات کی اسی دن خبر دی جس دن وہ مرا اور آپ ﷺ عیدگاہ کی طرف اصحاب کے ساتھ گئے اور صف باندھ کے نجاشیؒ کی نماز جنازہ پڑھی اور چار تکبیریں فرمائیں۔

فائدہ...... نجاشی لقب تھا بادشاہ ملک حبشہ کا جو وہاں بادشاہ ہوتا اسے نجاشی کہتے اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا نصرانی مذہب تھا آپ ﷺ کا نامہ اسے گیا تب وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ جس پیغمبر کی خبر پچھلی کتابوں میں ہے وہ یہی ہیں اور بہت اعتقاد اور نیازمندی سے پیش آیا اور جب اس نے وفات پائی جناب رسول اللہ ﷺ نے بطور اخبار الغیب کے اس دن اس کی موت کی خبر دی اور غائبانہ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

فائدہ...... موافق اس حدیث کے شافعیہ نماز جنازے کی غائب پر درست کہتے ہیں اور حنفیہ کہتے ہیں کہ نجاشی کا آنحضرت ﷺ پر منکشف ہو گیا تھا اور غائب کو نجاشیؒ پر قیاس کرنا نہ چاہئے۔

آپ ﷺ کا خفیہ منصوبہ کا راز بتا دینا

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اور وہ صفوان بن امیہ دونوں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے قتل کر آئے اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا۔ عمیر یہاں سے اٹھ کر گھر آ گیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا۔ مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ عمیر یہاں کس ارادے سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا کیوں نہیں: کیا تم نے اور صفوان نے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ عمیر یہ راز کی بات سن کر سناٹے میں آ گیا اور اس کو سخت تعجب ہوا اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد ﷺ بے شک تم خدا کے پیغمبر ہو، خدا کی قسم: میرے اور صفوان کے سوا تیسرے کو اس معاملے کی خبر نہ تھی۔ (تاریخ طبری)

آپ ﷺ کا جس رات کسریٰ قتل ہوا اس کی صبح کو اطلاع دینا

بیہقیؒ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسریٰ کے مقتول ہونے کی اس رات کی صبح خبر دی جس رات وہ مارا گیا اور قصہ اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ نے جب ٦ ہجری میں اکثر بادشاہوں اور امیروں، گورنروں کو نامے لکھے تو کسریٰ پرویز بادشاہ فارس کو بھی نامہ لکھا اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے آپ ﷺ کے خط کو پھاڑ ڈالا اور کہا کہ اپنے نام کو میرے نام سے پہلے کیوں لکھا اور باذان کی جانب سے ملک یمن میں عامل تھا

اس کو لکھا تو دو آدمی چالاک اور تیز اس شخص کے پاس بھیج جو دعویٰ پیغمبری کا کرتا ہے کہ وہ اس شخص کو تیرے پاس لے آئیں سو باذان نے دو آدمی آنحضرت ﷺ پاس مدینہ بھیجے انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے تقریر بے باکانہ کی اور کہا کہ تم کسریٰ کے پاس چلو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم کل آؤ اسی رات میں شیرویہ پرویز کے بیٹے نے پرویز کو مار ڈالا اور آنحضرت ﷺ کو بوحی الٰہی اس بات سے اطلاع ہوئی آپ ﷺ نے ان شخصوں سے بلا کر فرمایا تم چلے جاؤ رات کسریٰ کو شیرویہ نے مار ڈالا وہ پھر گئے اور باذان سے انہوں نے جا کر یہ حال بیان کیا تب باذان نے کہا کہ اگر تصدیق اس امر کی معلوم ہو تو بے شک وہ پیغمبر ہیں اور ان ہی ایام میں نامہ شیرویہ کا بنام باذان بایں مضمون پہنچا کہ پرویز ظالم تھا میں نے اس سبب سے اسکو مار ڈالا اور تم اس شخص سے جو دعویٰ پیغمبری ملک عرب میں کرتا ہے کچھ تعرض مت کرو باذان آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق دریافت کر کے مع دونوں بیٹوں کے مسلمان ہو گیا بحوالہ نسیم الریاض

فائدہ...... کسریٰ نے جب آپ ﷺ کا نامہ مبارک پھاڑ ڈالا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں بد دعا کی کہ الٰہی اسکے خاندان کو پاش پاش کر دے اللہ تعالیٰ نے اس کے خاندان کی سلطنت کو تھوڑے دنوں میں بالکل نیست و نابود کر دیا۔

آپ ﷺ کا لڑائی کے نتیجے کا حال بتانا

مسلمانوں نے ۸ ھ میں طائف کا محاصرہ کیا۔ جب محاصرے کو کئی دن گزر گئے تو ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کل ہم انشاء اللہ محاصرہ اٹھا کر کوچ کریں گے۔ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کی محاصرہ سے طائف کی فتح مقدر نہیں۔ صحابہؓ نے متعجب ہو کر پوچھا۔ یارسول اللہ ﷺ ہم فتح حاصل کئے بغیر محاصرہ اٹھالیں۔ "حضور ﷺ نے فرمایا" اچھا کل پھر قسمت آزمائی کرلو۔ دوسرے دن مسلمان جان توڑ کر لڑے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ شام ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا" کل انشاء اللہ محاصرہ اٹھا کر کوچ کریں گے۔" مسلمان اب سمجھ گئے کہ جو بات حضور ﷺ کے علم میں ہے وہ ہم نہیں جانتے چنانچہ

دوسرے دن مسلمان محاصرہ چھوڑ کر عازمِ مدینہ ہو گئے۔ (صحیحین)

آپ ﷺ کا سینکڑوں میل دور کے واقعات کا دیکھنا

۸ھ میں جنگ موتہ پیش آئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ موتہ کے حاکم نے اسلامی قاصد کو شہید کر دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حاکم موتہ کی سرکوبی کے لئے لشکر تیار کیا اور اس کا سردار حضرت زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا۔ لشکر کی روانگی کے وقت حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ لشکر اسلام کے سپہ سالار ہوں گے۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ قائدِ لشکر ہوں گے۔ اور جب وہ بھی راہِ حق میں کام آ جائیں تو مسلمان باہمی مشورہ سے اپنا سردار کسی کو بنالیں۔'' حضور ﷺ کے یہ ارشادات دراصل پیش آنے والے واقعات کا آئینہ تھے۔ چنانچہ میدان جنگ میں پہلے حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے۔ پھر حضرت جعفر نے جامِ شہادت پیا۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے حضرت خالدؓ بن ولید کو اپنا امیر بنالیا۔ عین اس وقت جب یہ واقعات پیش آ رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ وہاں سے سینکڑوں میل دور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور فرما رہے تھے ''نشان لیا زیدؓ نے اور شہید ہوئے۔ نشان لیا اب جعفرؓ نے اور شہید ہوئے۔ نشان لیا اب عبداللہ بن رواحہؓ نے اور شہید ہوئے۔ اب نشان لیا خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اس کو فتح دی گئی۔'' گویا میدان جنگ کا نقشہ رسول اکرم ﷺ کے بالکل سامنے تھا۔ اسی واقعہ کی بناء پر حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری)

آپ ﷺ کا منافق کو پہچان لینا

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا، صحابہ نے دیکھا تو اس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ ''یہ جہنمی ہے'' صحابہ کو اس پر تعجب ہوا

اور ایک صحابیؓ اس کے پیچھے ہو لئے۔ ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی۔ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ خدا کے رسول ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ" کیا واقعہ ہوا" انہوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہو لیا میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمے سے اس شخص نے خودکشی کر لی۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کا چوری کی اطلاع دے دینا

ایک غزوہ میں ایک شخص لڑتا ہوا مارا گیا کسی نے آ کر حضور ﷺ کو خبر دی کہ یا رسول اللہ فلاں شخص نے جام شہادت پیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا شہادت اس کی قسمت میں کہاں۔ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت سے ایک عبا چرائی تھی (جامع ترمذی)

آپ ﷺ کا ایک منافق کی موت کی خبر دے دینا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول ﷺ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے، جب مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک شدید ہوا چلی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے چنانچہ جب آپ مدینے میں داخل ہوئے تو لوگوں نے خبر دی کہ آج رفاعہ بن یزید مر گیا ہے۔ یہ شخص فی الحقیقت بہت بڑا منافق تھا۔

آپ ﷺ کا پوشیدہ دفینے کا حال بتا دینا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جنگ بدر میں کافروں کو شکست ہوئی تو حضور ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے بھی اسیر ہو کر آئے تھے۔ حضور ﷺ نے قیدیوں کے عوض فدیہ طلب کیا تو انہوں نے عرض کی کہ میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ زر فدیہ ادا کر سکوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ مال کیا ہوا؟ جو تم ام الفضل (حضرت عباس کی زوجہ) کے پاس دفن کیا ہے اور اس

سے کہہ آئے تھے کہ اگر میں مارا جاؤں تو یہ مال میری اولاد کے لئے ہے حضرت عباسؓ نے کہا یارسول اللہ! خدا کی قسم اس مال کی میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو خبر نہ تھی۔ (مسند احمد)

آپ ﷺ کا سوال پوچھنے سے پہلے ہی جواب دے دینا

حضرت وابصہ اسدیؓ صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں؟ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا"وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی ارشاد ہو، فرمایا تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو بھیجا، آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ ارشاد ہوا"نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے، اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو۔ (مسند احمد)

بغیر اجازت لی ہوئی بکری کا حال بتادینا

حضرت عاصم بن کلیبؒ بیان کرتے ہیں کہ جناب رسول ﷺ ایک انصاری کے جنازے پر تشریف لے گئے۔ میت کی تدفین کے بعد مرحوم انصاری کی بیوہ نے رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی۔ آپ ﷺ اس کے گھر تشریف لے گئے۔ جب کھانا آیا تو آپ ﷺ نے کھانا شروع کیا۔ ایک لقمہ منہ میں چبایا اور نگلا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہو۔ میزبان خاتون نے عرض کی یارسول اللہ میں نے بازار میں بکری خریدنے کے لئے آدمی بھیجا تھا وہاں نہ ملی، پھر میں نے اپنے ہمسائے کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ اپنی بکری میرے پاس فروخت کردے لیکن میرا ہمسایہ گھر میں موجود نہ تھا۔ اس کی بیوی نے بکری بھیج دی۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ اس کھانے کو (غیر مسلم) قیدیوں کو کھلادو۔ (ابوداؤد، بیہقی)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۳۸

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اڑتیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر حیوانات پر'' بیشک ذیل کی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی شخصیت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ جس شخصیت کا اثر انسانوں پر تو ہوتا ہی تھا، حیوانات پر بھی آپ ﷺ کی شخصیت کا اثر ہوتا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس قسم کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، جنہیں ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اڑتیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جس طرح وہ انسان جس کے نام پر قرعہ سعادت پڑا ہوا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی شریعت کے مطیع ومسخر ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے حیوانات کو بطریق اعجاز وخرق عادت رسول اکرم ﷺ کا مطیع ومسخر بنایا۔ چنانچہ منجملہ اس طرح کے واقعات میں سے چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

آپ ﷺ کو اونٹ کی شکایت اور سجدہ

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک کے ہاں ایک اونٹ

تھا۔ جس سے آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا۔ اور اپنی پیٹھ پر پانی نہ اٹھاتا تھا۔ اونٹ کے مالک رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے کہ ہمارے ہاں ایک اونٹ ہے۔ جس سے ہم آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا ہے پانی پیٹھ پر پانی نہیں اٹھاتا۔ ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھ رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اٹھو! وہ اٹھے اور آپ ﷺ ان کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہ اونٹ اس باغ کے ایک گوشہ میں تھا۔ آپ ﷺ اس کی طرف روانہ ہوئے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہیں آپ ﷺ کو تکلیف پہنچے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں۔ جب اونٹ نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کی طرف آیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آگے سجدہ میں گر پڑا۔ آپ ﷺ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے اور وہ ایسا مطیع ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کو کام پر لگا دیا۔ آپ ﷺ کے اصحاب نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ حیوان آپ ﷺ کو سجدہ کرتا ہے اور ہم عقل والے ہیں۔ اس لئے اس کی نسبت آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انسان کو سزاوار نہیں کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ سب سے پسندیدہ شے جس کو رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لئے اوٹ بنایا کرتے تھے۔ کوئی بلند چیز یا درختانِ خرما کا مجمع تھا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اس باغ میں ایک اونٹ ہے۔ اس اونٹ نے جب نبی ﷺ کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اکرم ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے پس گوش پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا وہ چپ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک نوجوان نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس چوپایہ

کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے اور کثرت استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔

آپ ﷺ کو بکری کی اطاعت اور سجدہ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ انصار کے باغ میں داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور انصار کے چند اشخاص تھے۔ اس باغ میں ایک بکری تھی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے آگے سجدہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس بکری کی نسبت ہم آپ ﷺ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کو جائز نہیں کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایک کا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم دیتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (مشکوٰۃ شریف)

آپ ﷺ سے متعلق بھیڑیئے کی شہادت اور اطاعت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کی طرف آیا۔ اس نے بکریوں میں سے ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہے نے بھیڑیئے کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ بکری اس سے چھڑالی۔ پس بھیڑیا ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا اور کتے کی طرح اپنے چوتڑوں پر بیٹھ گیا اور اپنی دم کو اپنے پیروں کے درمیان کرلیا اور بولا میں نے رزق کا قصد کیا۔ جو اللہ نے مجھے دیا اور میں نے اسے لے لیا۔ پھر تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے کہا خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کسی دن بھیڑیئے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔ بھیڑیئے نے کہا اس سے عجیب تر ایک شخص (حضرت محمد ﷺ) کا حال ہے جو نخلستان میں ذوحرہ کے درمیان یعنی مدینہ میں ہے تمہیں خبر دیتا ہے اس کی جو گزر چکا اور تمہارے بعد ہونے والا ہے۔ (اور لوگ اس امی لقب نبی کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ چرواہا یہودی تھا اس نے جناب پیغمبر خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس واقعہ کی خبر دی اور مسلمان ہوگیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا

کہ اس طرح کے امور قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں قریب ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلے گا اور واپس نہ آئے گا یہاں تک کہ اس کے ہر دو نعل اور اس کا تازیانہ بتائے گا کہ اس کی غیر حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کیا عمل کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک چرواہا حرہ میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا اس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو پکڑنے آیا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیئے کے درمیان حائل ہو گیا۔ بھیڑیا اپنی دم پر کتے کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چرواہے سے بولا کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ میرے رزق کے درمیان جو اللہ نے میرے قابو میں کر دیا ہے حائل ہوتا ہے۔ چرواہا نے کہا کہ تعجب ہے کہ بھیڑیا انسان کی طرح کلام کرتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا۔ دیکھ! میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ ذوحرہ (سنگلاخ زمینوں) کے درمیان (مدینہ میں) لوگوں سے گزشتہ امتوں کے حال بیان فرما رہے ہیں۔ (اور وہ اس امی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) پس چرواہے نے بکریاں ہانک لیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں آیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بھیڑیئے کا قصہ بیان کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سچ ہے۔ دیکھو! درندوں سے انسان کا کلام کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ درندے انسان سے کلام کریں گے اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ اور اس کے کوڑے کا سرا کلام کرے گا اور انسان کو اس کی ران خبر دے گی۔ جو اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں کیا۔

حضرت حمزہ بن اسیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بھیڑیا راستے میں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا، یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے اس کے لئے کچھ مقرر کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی کیا رائے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو بہت ہے۔ آپ ﷺ نے بھیڑیئے کی

طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں سے جلدی چل دو۔ بھیڑیا یہ سن کر چلا گیا۔ (بحوالہ خصائص کبریٰ)

آپ ﷺ کے لئے شیر کی اطاعت

رسول اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ ؓ کا بیان ہے کہ میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی پس میں اس کے ایک تختے پر چڑھ بیٹھا اور ایک بن میں جا نکلا جس میں شیر تھے۔ ناگہاہ ایک شیر آیا۔ جب میں نے اسے دیکھا تو میں نے کہا۔ اے ابوالحارث! رسول ﷺ کا آزاد کردہ غلام سفینہ ؓ ہوں۔ یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے پر ڈال دیا۔ پھر اس نے کچھ دیر ہلکی آواز نکالی میں سمجھا کہ یہ مجھے الوداع کر رہا ہے۔

جب ہجرت کے وقت رسول اکرم ﷺ کوہ ثور کے غار میں تھے۔ اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ کفار تعاقب میں وہاں پہنچے۔ اس عجیب دربانی و پاسبانی کو دیکھ کر واپس ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر حضرت اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ بنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی ﷺ)

آپ ﷺ کے لئے گوہ کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی پیغمبری کی گواہی دینا

طبرانی ؒ نے اور بیہقی ؒ نے عمر بن الخطاب ؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ ایک بار اپنے اصحاب کے مجمع میں تشریف رکھتے تھے سو ایک اعرابی آیا اور اس نے ایک سوسمار (گوہ) کو شکار کیا تھا سو اس نے اصحاب پیغمبر خدا ﷺ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں اصحاب نے کہا یہ پیغمبر خدا ہیں اس نے کہا کہ قسم ہے لات وعزیٰ کی تم پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک یہ سوسمار ایمان نہ لاوے اور اس سوسمار کو آپ ﷺ کے روبرو ڈال دیا آپ ﷺ نے سوسمار کو پکارا کہ اے سوسمار۔ اس نے زبان فصیح صاف سے کہ سب لوگوں نے سنا جواب دیا کہ میں حاضر ہوں اور تابعدار ہوں اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت میں موجود ہوں گے آپ ﷺ نے پوچھا تو کس کی عبادت کرتا ہے اس نے کہا کہ اس خدا کی جس کا آسمان میں عرش ہے اور

زمین میں اس کا حکم ہے اور دریا میں اس کی بنائی ہوئی راہ ہے اور بہشت میں اس کی رحمت ہے اور دوزخ میں اس کا عذاب ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں اس نے کہا کہ تم رسول ہو، پروردگار عالم کے اور خاتم النبیین ہو جو کوئی تمہاری تصدیق کرے اس نے فلاح پائی اور جو کوئی تمہاری تکذیب کرے وہ نا امید رہا پس وہ اعرابی مسلمان ہو گیا اور رسول اکرم ﷺ نے اس کو نماز اور قرأت سکھائی اور سورۂ اخلاص یاد کرادی اس نے جا کر یہ حال اپنی قوم سے بیان کیا وہ رسول اکرم ﷺ کے حضور میں آئے اور سب مسلمان ہو گئے۔ (بحوالہ معجزات رسول اکرمؐ)

آپ ﷺ سے ہرنی نے انسانوں کی طرح کلام کیا

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ ایک جنگل میں جا رہے تھے کہ ایک ہرنی نے آپ ﷺ کو انسانوں کی طرح پکارا۔ آپ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو ایک ہرنی کو بندھا ہوا پایا جس کے پاس ایک اعرابی سو رہا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ہرنی سے پوچھا کہ کیا کہتی ہے۔ اس نے کہا مجھے اس اعرابی نے پکڑ لیا ہے۔ سامنے پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں آپ ﷺ مجھے چھوڑ دیں میں ان کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تو ضرور آ جائے گی نا۔ اس نے کہا بے شک یا رسول اللہ ﷺ رسول اکرم ﷺ نے اسے کھول دیا وہ گئی اور بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے باندھ دیا۔ اتنے میں وہ اعرابی جاگ پڑا اور رسول اکرم ﷺ کو وہاں دیکھ کر عرض کی کہ یا رسول اکرم ﷺ آپ ﷺ یہاں کیسے تشریف رکھتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تو اس ہرنی کو چھوڑ دے اس نے حکم کی تعمیل کی اور ہرنی کلمۂ شہادت پڑھتی ہوئی وہاں سے رخصت ہوئی۔ (طبرانی۔ بیہقی)

آپ ﷺ کی برکت سے بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا۔ عقبہ بن معیط ایک قریشی کافر رئیس کی بکریاں مکہ میں چراتا تھا، رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے کہا لڑکے! تمہارے پاس دودھ

ہے؟ ہم کو پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امین ہوں تم کو نہیں پلا سکتا۔ آپ نے پوچھا کہ اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا لے آؤ۔ حضرت ابوبکر نے بچہ پکڑا اور رسول اکرم ﷺ نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی۔ حضرت ابوبکرؓ ایک گہرا پتھر لے آئے، اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپ ﷺ نے خود پیا، پھر حضرت ابوبکرؓ نے پیا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پلایا۔ دودھ پی کر آپ ﷺ نے فرمایا "اے تھن سمٹ جا"۔ وہ سمٹ کر خشک ہو گیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھایئے۔ فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو، تو میں نے خود رسول اکرم ﷺ کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں، جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کو دخل ہے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی برکت سے سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا

حضرت ابوطلحہؓ کا گھوڑا نہایت سست رفتار تھا۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور و غل ہوا، آپ ﷺ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپ ﷺ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز رو ہو گیا کہ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ "یہ تو دریا ہے، اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا"۔

آپ ﷺ کی برکت اور امّ معبدؓ کی بکری کا واقعہ

حضرت حزام ابن ہشام اپنے والد (حضرت ہشام) سے اور وہ حزام کے دادا (یعنی اپنے والد) حبیشؓ سے، جو امّ معبد کے بھائی ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو جب مکہ چھوڑ دینے کا حکم ہوا اور آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام عامر ابن فہیرہ اور ان دونوں (یعنی رسول اکرم ﷺ اور ابوبکرؓ) کو راستہ بتانے والے عبداللہ لیثی (ان چاروں) کا گزر (مدینہ کے راستہ میں ایک

جگہ، امّ معبد کے دو خیموں پر ہوا (جو اس ویرانے میں قیام پزیر تھیں) ان حضرات نے اہل خیمہ سے کچھ گوشت اور کھجوریں خریدنی چاہیں لیکن ان دونوں کو امّ معبد کے پاس ان میں سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر لوگ قحط زدگی اور بے سروسامانی کا شکار تھے۔ اتنے میں اچانک رسول اکرم ﷺ کی نظر ایک بکری کی طرف گئی، جو خیمہ کی ایک جانب (بندھی کھڑی) تھی، آپ ﷺ نے وہ بکری دیکھ کر) پوچھا کہ امّ معبد! اس بکری کو کیا ہوا؟ امّ معبد نے جواب دیا کہ اس کے دبلے پن نے اس کو ریوڑ سے الگ کر رکھا ہے (یعنی اتنی کمزور اور لاغر ہے کہ چرنے کے لئے دوسری بکریوں کے ساتھ چراگاہ تک جانے پر قادر نہیں ہے) آپ ﷺ نے پوچھا! کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ امّ معبد نے کہا! جس مصیبت میں یہ مبتلا ہے اس میں دودھ کہاں دے سکتی ہے (مطلب یہ کہ ذرا سا بھی دودھ دینے کی صلاحیت اس میں باقی نہیں ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم مجھے اجازت دیتی ہو کہ میں اس کا دودھ دوہوں؟ امّ معبد نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، اگر آپ ﷺ کو اس میں دودھ معلوم ہوتا ہو تو ضرور دودھ لیں (یعنی جب اس میں سرے سے دودھ ہے ہی نہیں تو آپ ﷺ کیسے دوہیں گے) رسول اکرم ﷺ نے یہ سن کر بکری کو منگوایا، پھر آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر اپنا دست مبارک پھیرا، بسم اللہ پڑھی اور امّ معبد کے لئے ان کی بکری کے تئیں برکت کی دعا فرمادی۔ چنانچہ بکری نے دودھ دینے کیلئے اپنے پاؤں رسول اکرم ﷺ کے سامنے کشادہ کر دیئے جیسا کہ دودھ والے جانور کی عادت ہوتی ہے کہ دوھے جانے کے وقت اپنے دونوں پاؤں کو پھیلا دیتا ہے۔ پھر وہ بکری دودھ دوھنے اور جگالی کرنے لگی، آپ ﷺ نے ایک اتنا بڑا برتن منگایا جو ایک جماعت کو شکم سیر کرے اور اس برتن میں خوب بہتا ہوا دودھ دوھا یہاں تک کہ دودھ کے جھاگ برتن کے اوپر تک آ گئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے وہ دودھ (پہلے امّ معبد ؓ کو پلایا، جنہوں نے خوب سیر ہو کر پیا پھر اس کے ساتھیوں کو پلایا، وہ بھی اچھی طرح سیر ہو گئے اور پھر سب کے بعد خود آپ ﷺ نے پیا، کیونکہ خود آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ لوگوں کو پلانے والا خود سب کے بعد پیتا ہے۔ پھر پہلی مرتبہ دوھنے کے

بعد (کچھ دیر) بعد آپ ﷺ نے دوبارہ اسی برتن میں دوھا، یہاں تک کہ وہ برتن دودھ سے لبریز ہو گیا اور وہ دودھ آپ ﷺ نے امّ معبد کے پاس چھوڑ دیا (تاکہ وہ اپنے خاوند کو بھی یہ معجزہ دکھا دیں) پھر آپ ﷺ نے امّ معبد کو مسلمان کیا اور ان کے ہاں سے روانہ ہو گئے......

اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں، ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے نیز حدیث مبارکہ میں واقعہ کی اور بھی تفصیل ہے۔

تشریح:۔ امّ معبدؓ کا اصلی نام عاتکہ بنت خالد خزاعیہ ہے، رسول اکرم ﷺ اپنے سفر ہجرت کے دوران ان کے خیمہ میں تشریف لائے تھے اور ان کو حلقہ بگوش اسلام فرمایا تھا امّ معبدؓ بڑے مضبوط اعصاب اور قوی دل و دماغ کی خاتون تھیں اور اس ویرانہ میں قیام پذیر تھیں، وہ اپنے خیمہ کے باہر مسند لگا کر بیٹھ جایا کرتی تھی اور راہ چلتے ہر ضرورت مند و مسکین کے کھانے پینے کی ضرورت پوری کیا کرتی تھیں۔

"اس حدیث مبارکہ میں واقعہ کی اور تفصیل بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ امّ معبدؓ کے خیمہ سے آگے سفر پر روانہ ہو گئے اور امّ معبد نے اپنے خاوند ابو معبدؓ سے (پورا واقعہ بیان کیا اور) نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں رسول اکرم ﷺ کے اوصاف و فضائل بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک نہایت بابرکت ہستی ہمارے خیمہ میں آئی تھی اور یہ دودھ اسی کی مبارک آمد کی طفیل ہے ابو معبدؓ نے (یہ سب کچھ سن کر) کہا یقیناً وہ ہستی قریش میں سے وہی شخص ہے جس کے بہت سے اوصاف میں نے مکہ میں سنے ہیں۔ اگر میں جانے کی قدرت رکھوں تو بخدا میں اس ہستی کی خدمت میں باریاب ہونے اور اس کی صحبت سے سرفراز ہونے کا قصد رکھتا ہوں۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت کی رات میں حضرت ابوبکرؓ کو لے کر مکہ سے روانہ ہو گئے اور اہل مکہ یہ معلوم کرنے میں ناکام رہے کہ رسول اکرم ﷺ کہاں اور کس طرف گئے ہیں تو ایک مسلمان جن جبلؓ ابو قیس پر چڑھا اور وہاں زور زور سے کچھ اشعار پڑھنے لگا مکہ کے لوگ حیرت سے اس آواز کو سن رہے تھے، جو ان کے کانوں

میں صاف آرہی تھی لیکن وہ آواز جس طرف سے آرہی تھی وہاں ان کو کوئی نظر نہیں آرہا تھا،
ان اشعار میں سے دو شعر یہ ہیں۔

جَزَی اللّٰہُ رَبُّ النَّاسِ خَیْرَ جَزَائِہٖ ۔۔۔ رَفِیْقَیْنِ حلاَّ خَیْمَتی اُمِّ مَعْبَدِ
ھُمَا نَزَلاَ بِالْھُدٰی وَاھْتَدَیْتُ بِہٖ ۔۔۔ فَقَد فَازَمَنْ اَمْسٰی رَفِیْقُ مُحَمَّدِ

آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے غارِ ثور پر کبوتروں کا انڈے دینا اور درخت کا پیدا ہونا اور مکڑی کا جالا بُننا

طبرانیؒ اور بیہقیؒ اور ابو نعیمؒ اور بزارؒ اور ابن سعدؒ نے زید بن ارقمؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے جس رات میں جناب رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں جا چھپے تھے خدائے تعالیٰ نے ایک درخت کو حکم دیا تھا کہ وہ غار پر اس طرح آجما کہ رسول اکرم ﷺ کو اس نے ڈھک لیا اور خدائے تعالیٰ نے حکم کیا دو کبوتروں کو کہ وہ آکر غار کے منہ پر ٹھہرے اور وہاں گھونسلا بنا کر انڈے دیئے اور مکڑی نے آکر غار کے دروازے پر جالا بُن دیا جب قریش کے لوگ آپ ﷺ کو ڈھونڈنے کو آئے اور غار تک پہنچے غار پر کبوتروں کو اور مکڑی کے جالے کو دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر وہ اس میں ہوتے تو کبوتر اس کے دروازے پر نہ ٹھہرتے اور مکڑی کا جالا اس طرح نہ ہوتا اور اتنا قریب پہنچ گئے تھے کہ جناب رسول اکرم ﷺ ان کی باتیں سنتے تھے اور اگر اچھی طرح نظر کرتے تو رسول اکرم ﷺ کو دیکھ لیتے پر وہ پھر گئے۔

فائدہ...... اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو شر اعداء سے محفوظ رکھا اور کبوتر اور مکڑی اور درخت کو پردہ دار کیا۔

فائدہ...... بعض علماء نے لکھا ہے کہ حرم میں جواب کبوتر ہیں سو وہ اسی کبوتر کے جوڑے کی اولاد میں ہیں۔ (بحوالہ معجزات رسول)

آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹ کا شکایت کرنا

حضرت یعلیٰ ابن مرہ ثقفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ سفر میں) رسول اکرم ﷺ

(کے معجزات میں) سے تین چیزیں دیکھیں، وہ اس طرح کے ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جارہے تھے کہ ناگہاہ آب کش (پانی کھینچنے والے) اونٹ کے پاس سے گزرے اس اونٹ نے جب رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو بڑبڑ کر کے اپنی گردن (زمین پر رکھ دی) رسول اکرم ﷺ اس کے پاس ٹھہر گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ مالک حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو! اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں اس اونٹ کو بیچ نہیں سکتا ہاں (آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کے احترام میں) اس کو آپ کی خدمت میں (بلا قیمت نذر کرتا ہوں، ویسے (یہ عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں دیکھتا کہ) یہ اونٹ ایسے گھر والوں کا ہے یعنی میرا اور میرے اہل وعیال کا جن کا ذریعہ معاش اس اونٹ کے علاوہ کچھ نہیں آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا جب کہ تم نے اس اونٹ کے بارے میں حقیقت حال بیان کر دی ہے تو (میں بھی تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اپنی ضرورت کے لئے اونٹ کو خریدنا نہیں چاہتا تھا، بلکہ اصل مقصد اس اونٹ کو تنگی اور مصیبت سے نجات دلانا تھا کیونکہ) اس اونٹ نے درحقیقت مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ اس سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور کھانے کو کم دیا جاتا ہے، پس (اگر تم اس اونٹ کو بیچ کر اپنے سے جدا نہیں کر سکتے تو یہ تو کر سکتے ہو کہ) اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو یعنی اس کو گھاس دانہ خوب دو اور کام کم لو، اگرچہ زیادہ کھلا کر زیادہ کام لینا جائز ہے، یا اگر چارہ زیادہ دینے کی استطاعت نہیں تو کام بھی کم لینا چاہئیے، لیکن یہ ظلم کی بات ہے کہ کھلاؤ کم اور کام زیادہ لو)۔ اس کے بعد حضرت یعلیٰؓ نے دوسرا معجزہ بیان کیا کہ پھر ہم آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ایک جگہ اتر کر آرام کرنے لگے اور رسول اکرم ﷺ سو گئے اس وقت (میں نے دیکھا کہ) ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا آیا اور رسول اکرم ﷺ کو ڈھانک لیا یعنی آپ ﷺ پر جھک گیا اور پھر وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ جب رسول اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس درخت کے آنے اور جانے کا ذکر کیا آپ ﷺ نے (پورا واقعہ سن کر) فرمایا کہ یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے پروردگار سے اس بارے میں اجازت مانگی تھی کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو سلام کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

اجازت دے دی (اور وہ مجھے سلام کرنے آیا تھا)۔ حضرت یعلی ؓ تیسرا معجزہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم پھر آگے بڑھے اور ایک پانی کی جگہ (یعنی ایسی آبادی میں) پہنچے جہاں پانی دستیاب تھا وہاں ایک عورت اپنے لڑکے کو لے کر رسول اکرم ﷺ کے پاس آئی، اس لڑکے پر دیوانگی طاری تھی (یعنی کسی جن یا شیطان کے اثرات بد میں گرفتار تھا)، رسول اکرم ﷺ نے لڑکے کی ناک پکڑ کر (اس جن یا شیطان سے) کہا کہ نکل جاؤ، میں محمد ﷺ اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے بعد ہم نے آگے کا سفر کیا اور جب واپسی میں اس پانی والی آبادی سے گزرے تو رسول اکرم ﷺ نے اس عورت سے اس لڑکے کا حال دریافت کیا، عورت نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم نے آپ ﷺ (کے جانے) کے بعد (یا آپ ﷺ کی دعا کے بعد) اس لڑکے میں تشویش کی کوئی بات نہیں دیکھی یعنی وہ بالکل اچھا ہو گیا ہے اور سارے اثرات بد زائل ہو گئے ہیں اس روایت کو بغویؒ نے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے"۔

سفر میں چھوٹی بکری کے دودھ سے لشکر کا سیراب ہونا

بیہقیؒ اور ابن عدیؒ نے سعد مولیٰ ابی بکرؓ اور اصحابؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک سفر میں، ہم ساتھ جناب رسول اکرم ﷺ کے چار سو آدمی تھے سو ایک جگہ اترے جہاں پانی نہ تھا سب لوگ گھبرائے اور اس بات کی رسول اکرم ﷺ کو خبر دی اتنے میں ایک چھوٹی سی بکری سینگوں والی رسول اکرم ﷺ کے سامنے دوہانے کے لئے کھڑی ہو گئی، آپ ﷺ نے اس کا دودھ دوہا اور پیا یہاں تک کہ خوب سیر ہو گئے اور ہم سبھوں کو آپ نے پلایا یہاں تک کہ سب خوب سیر ہو گئے بعد اس کے آپ ﷺ نے رافعؓ سے کہا کہ اسے رات بھر تھام رکھو اور فرمایا مجھے نہیں نظر آتا کہ تمہارے پاس یہ بکری تھم رہے رافعؓ نے اسے باندھ رکھا اور سو رہے پھر رات میں جو ان کی آنکھ کھلی تو اس بکری کو نہ پایا انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو خبر دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اسے لایا تھا وہی اسے لے گیا یعنی خدائے تعالیٰ۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۳۹

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر نباتات پر

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انتالیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر نباتات پر'' بیشک ذیل کی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی شخصیت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ جس شخصیت کا اثر انسانوں پر تو ہوتا ہی تھا، نباتات پر بھی آپ ﷺ کی شخصیت کا اثر ہوتا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس قسم کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، جنہیں ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

انتالیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جس طرح حیوانات رسول اکرم کے امر کے مطیع تھے اسی طرح نباتات بھی آپ ﷺ کے فرمانبردار تھے۔ چنانچہ درختوں کا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آنا اور سلام کرنا، اور آپ ﷺ کی رسالت پر شہادت دینا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جن میں سے کچھ مثالیں درج کی جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی تو جس پتھر اور درخت پر میرا گزر ہوتا تھا وہ کہتا تھا ''السلامُ علیکَ یا رسولَ اللہ ﷺ!

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ پہنچ کر ایک وسیع و عریض میدان میں اترے اور رسول اکرم ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے وہاں آپ ﷺ کو (ٹیلہ وغیرہ کی طرح کی) کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جس کی اوٹ میں آپ ﷺ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر قضائے حاجت کے لئے بیٹھ سکتے، اچانک آپ ﷺ کی نظر درختوں پر پڑی جو میدان کے کنارہ پر کھڑے تھے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ ان میں ایک درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے (اوٹ بننے کے لئے) میری اطاعت کر۔ یہ سنتے ہی وہ درخت آپ ﷺ کے سامنے زمین پر اس طرح جھک گیا جیسے نکیل پڑا ہوا اونٹ (اپنے ہانکنے والے کی اطاعت کرتا ہے) پھر آپ ﷺ دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، پہلے درخت کی طرح اس درخت نے بھی فوراً اطاعت کی (اور زمین پر جھک گیا) اس کے بعد آپ ﷺ نے ان درختوں کے درمیانی فاصلہ کے بیچوں بیچ پہنچ کر فرمایا کہ اب تم دونوں خدا کے حکم سے (ایک دوسرے کے قریب آ کر) آپس میں اس طرح مل جاؤ کہ میں تمہارے نیچے چھپ جاؤں، چنانچہ وہ دونوں درخت مل گئے اور آپ ﷺ ان دونوں درختوں کی اوٹ میں بیٹھ کر قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں (اس واقعہ کو دیکھ کر حیران تھا اور اس عجیب و غریب کرشمہ سے متعلق غور و فکر کر کے سوچ رہا تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے ذریعہ یہ کیسا معجزہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس واقعہ سے متعلق میں اپنی کسی گہری سوچ میں پڑا ہوا تھا کہ اچانک میری نظر ایک طرف پڑی تو آپ ﷺ کو تشریف لاتے دیکھا اور پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں درخت ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے ہیں۔ (مسلم شریف)

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے۔ حضرت اُسامہ بن زیدؓ حجۃ الوداع میں اور حضرت یعلی بن مرہؓ نے کسی سفر میں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ قضائے حاجت کے لئے کہیں جگہ ہے؟ میں نے عرض کی اس میدان میں آدمیوں کی کثرت سے کہیں جگہ نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو کہیں درخت یا پتھر ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ درخت ہی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان درختوں سے جا کر کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ آپس میں مل جاؤ اور پتھروں سے بھی اسی طرح کہو۔ میں نے جا کر درختوں اور پتھروں سے اسی طرح کہا۔ خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ درخت باہم مل گئے اور پتھر مثل دیوار کے بن گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی آڑ میں قضائے حاجت کی۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا کہ اب ان سے کہو کہ الگ ہو جائیں۔ میں نے ایسا ہی کہا۔ خدا کی قسم تمام درخت اور پتھر جدا ہو کر اپنی جگہ پر چلے گئے۔ (ابویعلی، بیہقی)

اور حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک سفر میں میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک جگہ رسول اکرم ﷺ کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی۔ آپ ﷺ نے چھوہارے کے دو درختوں کو حکم دیا وہ دونوں مل گئے اور آپ ﷺ نے ان کی آڑ میں بیٹھ کر قضائے حاجت کی۔ (مسند احمد۔ بیہقی۔ طبرانی)

اسی طرح حضرت بزار بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے آپ ﷺ سے معجزہ طلب کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اس درخت سے جا کر کہہ کہ رسول اکرم ﷺ تجھے بلاتے ہیں اس اعرابی نے جا کے کہا سو اس درخت نے اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے حرکت کی اور زمین کو پھاڑتا ہوا اور اپنی جڑوں کو گھسیٹتا ہوا جھپٹتا ہوا آپ ﷺ کے سامنے آ کے کھڑا ہوا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ اعرابی نے کہا کہ آپ ﷺ اسے اجازت دیجئے کہ اپنی جگہ پر چلا جاوے آپ ﷺ نے پھر جانے کا حکم دیا وہ پھر گیا اور جڑیں اس کی پھر زمین میں گھس گئیں اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اعرابی مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ ﷺ کو سجدہ کروں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ

اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، پھر اس نے کہا اگر اجازت دیجئے تو میں آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چوموں، آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور اس نے ہاتھ اور پاؤں مبارک آپ ﷺ چومے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ چند جن رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پوچھا کہ کون آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ درخت۔ پھر آپ ﷺ نے اس درخت کو بلایا وہ اپنی جڑوں کو گھسیٹتا ہوا چلا آیا اور آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی۔

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہایت غمگین اور زخموں کے خون میں لتھڑے ہوئے بیٹھے تھے، جو اہل مکہ نے پہنچائے تھے کہ اتنے میں حضرت جبرائیلؑ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو آپ کا ایک معجزہ دکھاؤں (جو آپ کی نبوت و رسالت کی علامت ہوگی اور جس سے آپ کو تسلی ہو جائے گی کہ اللہ کی راہ میں یہ اذیت و پریشانی اٹھانا آپ کے مراتب و درجات کی بلندی میں اضافہ کا باعث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ضرور دکھاؤ۔ حضرت جبرائیل ﷺ نے اس درخت کی طرف دیکھا جو ان کے پیچھے تھا اور پھر رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ اس درخت کو بلایئے، رسول اکرم ﷺ نے درخت کو بلایا اور وہ آپ ﷺ کے سامنے (تابعداروں کی طرح) آ کر کھڑا ہو گیا، حضرت جبرائیلؑ نے کہا اب اس کو واپس جانے کا حکم دیجئے، رسول اکرم ﷺ نے اس کو واپسی کا حکم دیا تو واپس چلا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا، مجھ کو کافی ہے، مجھ کو کافی ہے''۔ (دارمی)

تشریح...... ''جو اہل مکہ نے پہنچائے تھے'' سے کفار مکہ کی وہ بدسلوکی اور اذیت رسانی مراد ہے جو ان کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کو جنگ احد میں پہنچی تھی جس کے نتیجہ میں آپ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور رخسار مبارک زخمی ہو گیا تھا۔

''مجھ کو کافی ہے، مجھ کو کافی ہے'' سے رسول اکرم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ بس یہ عنایت حق تعالیٰ کی میرے لئے کافی ہے، اس معجزہ کی صورت میں بارگاہ حق میں اپنا بلند مرتبہ و مقام اور اپنی عظمت دیکھ کر مجھے اپنے زخموں کی اذیت کا احساس رہ گیا ہے اور نہ کوئی رنج و غم رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خارق عادت (یعنی معجزہ یا کرامت) کا ظہور یقین و اعتقاد کی مضبوطی اور غم و حزن کے دفعیہ میں مؤثر کردار ادا کرتا ہے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جن بندگان عالی کو بارگاہ رب العزت میں تقرب اور عظمت کا مقام حاصل ہوتا ہے اگر ان کو دشمنوں کی اور مخالفوں کی طرف سے جسمانی یا روحانی اذیت و تکلیف اور رنج و غم پہنچے تو اس پر صبر کرنا چاہیئے کیونکہ دین کی راہ میں جس قدر مشقت اور پریشانی آتی ہے اتنا ہی اجر بڑھتا ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی محبت میں کھجور کے تنے کا رونا

''حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (مسجد نبوی ﷺ میں) خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے اس سوکھے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے جو ایک ستون کے طور پر مسجد میں کھڑا تھا، پھر جب منبر تیار ہو گیا اور رسول اکرم ﷺ خطبہ پڑھنے کے لئے اس (منبر) پر کھڑے ہوئے تو وہ تنا جس سے (ممبر بننے سے پہلے) ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے چلانے لگا (یعنی زور زور سے رونے لگا) اور قریب تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے فراق کی اذیت کی شدت سے پھٹ جائے کہ نبی کریم ﷺ (منبر سے) اترے اور اس کے پاس جا کر اس کو ہاتھوں سے پکڑا اور پھر (اس کی تسلی کے لئے) اس کو گلے لگایا اس کے بعد تو اس ستون نے اس بچہ کی طرح رونا شروع کر دیا جس کو (مختلف حیلوں تدبیروں سے) چپ کرایا جاتا ہے (اور وہ جلدی چپ نہیں ہوتا) آخر کار اس ستون کو قرار آ گیا اور وہ چپ ہو گیا۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے (اس ستون کے رونے کا سبب یہ) بیان فرمایا کہ یہ ستون اس وجہ سے رویا کہ (اللہ کا) جو ذکر سنتا تھا اس سے محروم ہو گیا ہے''۔ (بخاری)

تشریح...... رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی ﷺ کے ستون کھجور کے سوکھے

تنوں کے تھے، چنانچہ ابتدائی زمانہ میں جب کہ منبر شریف بن کر تیار نہیں ہوا تھا، رسول اکرم ﷺ ارشاد فرماتے وقت انہی ستونوں میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، جب منبر تیار ہو گیا اور آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے اس ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہونے کے بجائے منبر پر کھڑے ہوئے تو وہ ستون اپنی اس سعادت کی محرومی پر بلک بلک کر رونے لگا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر یعنی خطبہ کے وقت اس کو میرا جو قرب حاصل تھا اور نہایت قریب سے میرا جو خطبہ سنتا تھا اس سے محرومی نے اس کو رونے پر مجبور کر دیا ہے اس واقعہ کے بعد سے اس ستون کو اسطوانہ حنانہ کہا جانے لگا۔

یہ حدیث مبارکہ جس میں اس ستون کے رونے کا ذکر ہے، جماعت صحابہؓ کے اتنے متعدد طرق سے منقول ہے کہ اس کے بارے میں کوئی شک شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور بعض محدثین نے تو اس حدیث مبارکہ کو "متواتر" کہا ہے، یہ دراصل رسول اکرم ﷺ کا ایک بڑا معجزہ تھا کہ کھجور کے سوکھے تنے جیسی بے جان چیز رسول اکرم ﷺ کی قرب کی سعادت سے محرومی پر رونے لگی اور اس کے رونے کی آواز کو مسجد نبوی میں موجود صحابہؓ نے اپنے کانوں سے سنا۔ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ اس حدیث مبارکہ کو بیان کرتے تو بے اختیار رونے لگتے اور کہا کرتے تھے کہ لوگو! کھجور کی سوکھی ہوئی لکڑی رسول اکرم ﷺ کی شوق و محبت میں روتی تھی تمہیں تو اس سے زیادہ رسول اکرم ﷺ کی محبت اور شوق ملاقات میں بے قرار رہنا چاہیئے۔

آپ ﷺ کی گواہی کیکر کے درخت کی زبانی

"حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ایک جہاد کے سفر میں تھے کہ (لشکر گاہ کے پاس) ایک دیہاتی آ گیا اور جب رسول اکرم ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم اس امر کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اور جس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"۔ دیہاتی نے

کہا کہ آپ ﷺ نے جو کہا ہے (یعنی نبوت و رسالت کا جو دعویٰ کیا ہے) اس کی گواہی و شہادت دینے والا (نوع انسانی کے علاوہ) اور کوئی بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیکر کا درخت (جو سامنے کھڑا ہے گواہی دے گا) اور پھر آپ ﷺ نے کیکر کو بلایا، اس وقت آپ ﷺ ایک وادی کے کنارہ پر ٹھہرے ہوئے تھے، کیکر کا درخت (آپ ﷺ کا حکم سن کر) زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے اس سے تین بار گواہی دینے کو کہا اور اس درخت نے تین بار گواہی دی (کہ آپ ﷺ اپنے دعوے میں سچے ہیں اور یقیناً رسول رب العالمین ہیں اس کے بعد وہ درخت اپنے اگنے کی جگہ واپس چلا گیا یعنی جس جگہ سے آیا تھا وہیں واپس جا کر کھڑا ہو گیا"۔ (دارمی)

"اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا کہ میرے لئے اس بات کو جاننے (اس پر یقین کرنے) کا ذریعہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذریعہ سے کہ میں ابھی اس کھجور کے درخت پر لگے ہوئے خوشہ کو بلاتا ہوں وہ (یہاں آ کر) گواہی دے گا کہ میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس خوشہ کو بلایا اور وہ (خوشہ) کھجور کے درخت سے الگ ہو کر اترنے لگا اور رسول اکرم ﷺ کے قریب زمین پر آ گرا اور رسول اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی پھر آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور وہ خوشہ واپس (اپنی جگہ) چلا گیا، (یہ دیکھ کر) اس دیہاتی نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے"۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بیہقیؒ اور ابو نعیمؒ نے ابی امامہؓ سے روایت میں نقل کیا ہے کہ رکانہ پہلوان نے جب رسول اکرم ﷺ سے معجزہ طلب کیا، آپ ﷺ نے ایک درخت سمرہ کو کہ آپ ﷺ سے قریب تھا فرمایا کہ ادھر آ بحکم خدا وہ درخت آ کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا بعد اس کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جا، وہ درخت پھر گیا۔

اور قصہ مفصل اس کا اس طرح پر ہے کہ رکانہ ایک بڑا زبردست پہلوان تھا قریش

میں سے اور وہ ایک جنگل میں بکریاں چراتا تھا، ایک دن رسول اکرم ﷺ اپنے دولت خانے سے نکل کر اسی جنگل کی طرف تشریف لے گئے رکانہ ملا اور وہاں کوئی نہ تھا سو اس نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیا کرتے ہو اور اپنے معبود عزیز کی عبادت کرتے ہو اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو میں آج تمہیں مار ڈالتا (توبہ نعوذ باللہ) لیکن تم اپنے خدا سے کہو کہ خدا تم کو آج مجھ سے بچاوے اور میں تم سے ایک بات چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے کشتی لڑو اور تم اپنے خدا سے دعا مانگو اور میں اپنے لات وعزیٰ سے دعا مانگوں اگر تم مجھ پر غالب آجاؤ تو میری ان بکریوں میں سے دس بکریاں پسند کر کے لے لو، آپ ﷺ اس سے کشتی لڑے اور غالب آئے، اس نے کہا کہ تم نے تو مجھے نہیں پچھاڑا مگر تمہارا خدا غالب آ گیا اور لات وعزیٰ نے میری مدد نہ کی اور میرا پہلو آج تک زمین پر کسی نے نہیں لگایا لیکن ایک بار اور کشتی لڑو، اب کی بار پچھاڑ دو گے تو دس بکریاں اور پھر دوں گا آپ ﷺ پھر اس سے کشتی لڑے اور پھر اسے پچھاڑا، پھر اس نے ویسی ہی تقریر کی اور پھر آپ واپس سے کشتی لڑے پھر اسے تیسری بار پچھاڑا۔ تب اس نے کہا کہ میری بکریوں میں سے تیس بکریاں آپ پسند کر لیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بکریاں نہ لوں گا لیکن میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تو مسلمان ہو جا تو دوزخ سے نجات پائے گا، اس نے کہا اگر کوئی معجزہ مجھے دکھاؤ تو البتہ میں مسلمان ہو جاؤں تب آپ ﷺ نے ایک سمرہ کے درخت کو کہ متصل آپ ﷺ کے تھا، فرمایا کہ ادھر آ بحکم خدا وہ چر کر دو ہو گیا اور ایک اس میں سے چل کر آپ ﷺ کے اور رکانہ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا اور رکانہ نے کہا کہ واقعی معجزہ تو آپ ﷺ نے بڑا دکھایا اسے حکم کیجئے کہ پھر جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ میرے کہنے سے پھر جائے تو تو مسلمان ہو جائے گا، اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا درخت سے کہ پھر جا وہ پھر گیا اور اس کے دونوں ٹکڑے مل کر ایک ہو گئے پھر آپ ﷺ نے رکانہ سے کہا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا میں اگر مسلمان ہو جاؤں تو عورتیں کہیں گی کہ رکانہ رعب کھا کے مسلمان ہو گیا بعد اس کے رکانہ فتح مکہ کے سال میں مسلمان ہو گیا۔

آپ ﷺ کی برکت سے درخت کی شاخ کا قندیل بن جانا

ایک دفعہ حضرت قتادہ بن نعمانؓ نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ رات اندھیری تھی اور مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے اندھیرا اور بھی بڑھ گیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کو درخت کی ایک شاخ دی اور فرمایا کہ یہ ایسی روشن ہو جائے گی کہ دس آدمی تمہارے آگے اور دس آدمی تمہارے پیچھے اس کی روشنی میں چل سکیں گے اور جب تم گھر پہنچو گے تو ایک سیاہ چیز دیکھو گے اسے مار کر نکال دینا۔ حضرت قتادہؓ رسول اکرم ﷺ سے رخصت ہوئے تو درخت کی وہ شاخ روشن ہوگئی۔ وہ اس کی روشنی میں گھر پہنچے اور سیاہ چیز کو دیکھا۔ رسول اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے اسے مار کر نکال دیا۔

(مسند احمد حنبل)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۴۰

رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر جمادات پر

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چالیسویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کا اثر جمادات پر" بیشک ذیل کی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی شخصیت میں ایسا اثر رکھا تھا کہ جس شخصیت کا اثر انسانوں پر تو ہوتا ہی تھا حیوانات ونباتات اور جمادات پر بھی آپ ﷺ کی شخصیت کا اثر ہوتا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس قسم کے کچھ واقعات آپ ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ جنہیں ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

چالیسویں خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

جس طرح نباتات رسول اکرم ﷺ کے زیرفرمان تھے اس طرح جمادات بھی آپ ﷺ کے مطیع تھے۔ چنانچہ شجر کا آپ ﷺ کو سلام کرنا اور آپ ﷺ کی رسالت پر شہادت دینا اس سے پہلی خصوصیت میں آچکا ہے۔ اور اسی طرح سخت پتھروں کا آپ ﷺ کے لئے نرم ہو جانا بھی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جارہیں ہیں ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا ایک روز ہم اس کے بعض نواح میں نکلے۔ جو پہاڑ یا درخت آپ ﷺ کے سامنے آتا تھا وہ کہتا

تھا۔ السَّلامُ علیکُم یا رسول اللہ ﷺ!......

آپ ﷺ کے ہاتھوں میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا

حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت رسول اکرم ﷺ کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ رسول اکرم ﷺ تشریف فرما نہ تھے۔ میں نے خادم سے دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی آدمی آپ ﷺ کے پاس نہ تھا۔ مجھے اس وقت یہ گمان ہوتا تھا کہ آپ ﷺ وحی کی حالت میں ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا کہ تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ میں آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نہ میں آپ ﷺ سے کچھ پوچھتا تھا، اور نہ آپ ﷺ مجھ سے کچھ فرماتے تھے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا تجھے کیا چیز لائی؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جا۔ وہ ایک بلند جگہ پر رسول اکرم ﷺ کے مقابل بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے۔ انہوں نے بھی ویسا ہی کیا اور رسول اکرم ﷺ نے ویسا ہی فرمایا۔ حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسی طرح حضرت عثمانؓ آئے اور حضرت عمرؓ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے سات یا نو یا اس کے قریب سنگریزے لئے۔ ان سنگریزوں نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ان میں شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی (پھر آپ ﷺ نے ان کو زمین پر رکھ دیا اور وہ چپ ہو گئے) پھر آپ ﷺ نے وہ سنگریزے مجھے چھوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کو دیئے۔ ان سنگریزوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ ﷺ نے

وہ کنکر حضرت ابوبکرؓ سے لے کر زمین پر رکھ دیئے۔ وہ چپ ہو گئے اور ویسے ہی سنگریزے بن گئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند ان کی آواز سنی) پھر آپ ﷺ نے زمین پر رکھ دیئے۔ وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت عثمان کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند آواز سنی) پھر آپ ﷺ نے لے کر ان کو زمین پر رکھ دیا۔ وہ چپ ہو گئے۔ (پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ نبوت کی خلافت ہے)۔ (بحوالہ سیرت رسول عربی ﷺ)

آپ ﷺ کی برکت سے کھانے سے سبحان اللہ کی آواز کا آنا

حضرت امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بیمار ہوئے۔ حضرت جبرائیلؑ ایک خوان لائے۔ جس میں (بہشت کے) انار اور انگور تھے۔ جب آپ ﷺ نے تناول فرمانے کے لئے ان میں سے کچھ اٹھایا تو اس میں سے سبحان اللہ کی آواز آئی۔

یہ خارق عادت (تسبیح الطعام) بہت دفعہ آپ ﷺ کے اصحاب اکرامؓ سے بھی ظہور میں آیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "ہم البتہ بے شک طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا۔

آپ ﷺ کی برکت سے گھر کی چوکھٹ سے آمین کا بلند ہونا

حضرت ابو اسیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے ابوفضل! کل تم اور تمہارے بیٹے اپنے مکان سے نہ جائیں۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ کیونکہ مجھے تم سے ایک کام ہے انہوں نے آپ ﷺ کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا السلام علیکم، انہوں نے جواب دیا۔ وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ ﷺ نے فرمایا۔ تم نے کیوں کر صبح

کی۔ انہوں نے عرض کی بحمد اللہ ہم نے بخیریت صبح کی۔ پس آپ ﷺ نے ان سے فرمایا، نزدیک ہو جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ ﷺ کے متصل ہو گئے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک سے ان کو ڈھانپ لیا اور یوں دعا فرمائی۔ ''اے میرے پروردگار یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے، اور یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو دوزخ کی آگ سے یوں چھپا لینا جیسا کہ میں نے ان کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے''۔ اس پر گھر کی چوکھٹ اور دیواروں نے تین بار آمین کہی۔

آپ ﷺ کی حرکت سے ہلتے ہوئے پہاڑ کا رک جانا

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کوہ احد پر چڑھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ تھے وہ پہاڑ ہلا آپ ﷺ نے اسے اپنے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا تو ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔ (بحوالہ بخاری شریف)

اور حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کوہ ثبیر پر تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ تھے اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلا۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر کوہ دامن میں گر پڑے۔ آپ ﷺ نے پائے مبارک سے ٹھوکر لگا کر فرمایا۔ اے ثبیر ساکن رہ۔ کیوں کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔ (ابن ماجہ)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وطلحہؓ وزبیرؓ کوہِ حرا پر تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اے حرا! ساکن رہ کیوں کہ تجھ پر نہیں ہیں مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا ذکر ہے اور حضرت علیؓ کا ذکر نہیں اور ایک روایت میں سوائے ابوعبیدہ کے تمام عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں کہ جب ہجرت کے وقت قریش نے جناب رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے تو کوہ ثبیر نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ! اتریئے۔ کیوں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ آپ ﷺ کو میری پشت پر قتل کر دیں اور مجھے اللہ تعالیٰ عذاب

دے۔ پس حرا نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ میرے طرف آیئے۔ (بحوالہ مدارج النبوۃ)

آپ ﷺ کی برکت سے سنگریزوں کا کارنامہ

بدر کے دن جب لڑائی سخت ہوگئی تو رسول اکرم ﷺ نے سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور قریش کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ شاھتِ الوجوہ (ان کے چہرے بدشکل ہو گئے) پھر ان کی طرف پھینک دی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ اس بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى. (الانفال۔ ع۲) ترجمہ:۔ ''اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کے پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا''۔

اسی طرح حنین کے دن جب رسول اکرم ﷺ کے ساتھ صف چند صحابہؓ رہ گئے تو آپ ﷺ نے اپنے خچر سے اتر کر مشت خاک لی اور شاھت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں وہ مٹی نہ پڑی ہو۔ پس وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔

آپ ﷺ کے ہاتھ سے چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا

غزوۂ خندق میں تمام صحابۂ کرامؓ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے۔ اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی۔ لوگوں نے ہر چند اُس کو توڑنا چاہا، مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیاں اس پر پڑ پڑ کر اچٹ جاتی تھیں، آخر لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آکر صورتحال عرض کی۔ آپ ﷺ اٹھ کر خود تشریف لائے اور کدال ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہوگئی۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا

فتح سے پہلے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ کعبہ میں تشریف لے گئے، دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت

کریمہ جاری تھی۔ جَآءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ اِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقاً . (بنی اسرائیل) "حق آیااور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لئے آیا تھا"۔

آپ ﷺ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا۔ (ابن حبان وبیہقی وطبرانی وابونعیم)

فائدہ...... یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپ ﷺ دست مبارک سے چھڑی لے کر اُن بتوں کی طرف اشارہ کرتے تھے اور آیت مبارکہ مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے، صحیح بخاری و مسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے، مگر اس اشارہ سے بے چھوئے بتوں کا گر جانا اور گرتے جانا صحیحین میں مذکور نہیں۔ البتہ بروایت عمر اور طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے اُس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اُن لوگوں سے اکھڑوا کر پھنکوا دیا۔ اس حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں کہ۔ "حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھے آپ ﷺ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو آپ ﷺ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر نکال دیئے گئے"۔

اگر طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں طرف تھے، آپ ﷺ ان کی طرف اشارہ کرکے آیت مذکور کو پڑھتے تھے اور وہ گر جاتے تھے اور خانہ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے اندر جانے سے پہلے آپ ﷺ نے اُن کو نکلوا کر پھینکوا دینے کا حکم دیا تھا اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کونچے دینے کا ذکر ہے وہ، وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے، وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔ (بحوالہ سیرت النبیؐ جلد سوم)

آپ ﷺ کو پتھر کا سلام کرنا

مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں ظہورِ نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو (خوب) پہچانتا ہوں''۔ (مسلم شریف)

تشریح...... ''مجھے سلام کیا کرتا تھا''۔ یعنی جب بھی میں اس پتھر کے سامنے سے گزرتا تو مجھے اس میں آتی ہوئی یہ آواز سنائی دیتی۔ السلام علیک یا نبی اللہ ﷺ! بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس پتھر سے مراد حجر اسود ہے اور بعض حضرت نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے، جو ''زقاق الحجر'' کے نام سے مشہور ہے اور وہ اب تک مکہ میں موجود ہے، یہ پتھر جس جگہ ہے وہ مسجد حرام اور حضرت خدیجہؓ کے گھر کے درمیان واقع ہے۔ ایک روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ''جب حضرت جبرائیلؑ میرے پاس رسالت لے کر آئے اور مجھے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کر دیا گیا تو اس کے بعد جب بھی میں کسی درخت یا پتھر کے سامنے سے گزرتا تو وہ کہتا کہ السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۴۱

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکتالیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی'' بیشک یہ بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری امتوں سے اعلیٰ امت عطا فرمائی جیسا کہ آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں اس کی تفصیل پیش کی جارہی ہے کہ یہ آخری امت دوسری امتوں سے زیادہ افضل کس طرح ہے، البتہ اب ہم جو آخری امت میں شامل ہیں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنے نبی ﷺ کے صدقے جو ہمیں افضلیت ملی ہے اس کی لاج رکھیں، اور اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوں کہ بے شک اسی میں ہم سب کی کامیابی اور فلاح مضمر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام احادیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے

اکتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا حال بارش کے حال کی طرح ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر بہتر ہے۔ (ترمذی)

تشریح...... بارش کی مثال کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کا ذکر جس انداز میں کیا اس سے بظاہر تو شک و تردد اور عدم یقین اس میں سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس امت کے پہلے لوگ بہتر تھے یا بعد کے لوگ بہتر ہیں۔ لیکن حقیقت میں حدیث سے یہ

مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ بارش کی مثال کے ذریعہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پوری امت اچھی ہے جیسا کہ سوکھے اور خشک موسم میں جب باران رحمت نازل ہوتی ہے تو پوری بارش ہی اچھی اور نافع مانی جاتی ہے، اس طرح امت محمدی ﷺ میں پہلے زمانے سے تعلق رکھنے والے اور بعد کے زمانوں کے سچے مسلمان بھی خیر یعنی اچھا ہونے اور فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے برابر ہیں، پس لفظ ''خیر'' دین کے اعتبار سے افضلیت ظاہر کرنے والے اسم تفصیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا۔ رہا یہ سوال کہ امت کے اول اور آخر دونوں سے تعلق رکھنے والے اچھا اور نافع ہونے میں برابر ہیں؟ تو وہ یوں کہ دور اول کے لوگوں نے رسول خدا ﷺ کی صحبت ورفاقت کا شرف پایا۔ آنحضرت ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کی، آپ ﷺ کی دعوت اسلام دوسروں تک پہنچائی، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کی ہر طرح کے پیش کئے ہوئے دین کے فوائد کی بنیاد رکھی، آپ ﷺ کے دین متین کو اعانت وتقویت پہنچائی اور آنحضرت ﷺ کی ہر طرح سے مدد وحمایت کی تو بعد کے امتیوں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ ﷺ کی شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، رسالت وشریعت کے ہر جز پر مضبوط عقیدے کے ساتھ جمے رہے، آپ ﷺ کے دین کی حفاظت اور دین کو استحکام ورواج دیا دینی قوائد وہدایات کی بنیاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اور یا دین وشریعت کے ارکان کو مضبوط و مستحکم کیا، اسلام کے جھنڈے کو سر بلند کیا، اسلام کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اور اس کے برکات واثرات تمام عالم پر ظاہر کئے اور اگر لفظ ''خیر'' کو اسم تفصیل کے معنی پر محمول کیا جائے تو بھی اس اعتبار سے درست ہوسکتا ہے کہ ''خیر'' (بہتر ہونے) کے وجود اور اسباب متعدد ہوتے ہیں جن اسباب و وجود کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، ان کے علاوہ بعض اور اسباب و وجود سے بعد کے زمانے کے امتی بہتر ہیں گویا حاصل یہ نکلا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نافع اور اچھا ہونے کے اعتبار سے پوری امت یکساں اور برابر ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے، کہ وجود اور سباب کے تعدد و اختلاف کے مدنظر دور اول کے امتی اپنے اعتبار سے بہتر ہیں اور بعد کے زمانے کے امتی

اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہتر ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے وہ صرف دور اول امتیوں یعنی صحابہؓ کیلئے مخصوص ہے۔ اگر چہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص درجہ ونوعیت کے تحت بعد کے امتیوں میں سے کسی کے لئے جزوی افضلیت ثابت کی جائے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کلی افضلیت سے مراد'' اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب پانا'' ہے۔

اور علامہ تورپشتیؒ نے لکھا ہے: حدیث کے بعد کے امتیوں پر دور اول کے امتیوں کی فضیلت وبرتری میں شک وتردد پر ہرگز محمول نہیں ہے کیونکہ قرنِ اول (صحابہؓ کا زمانہ) تمام قرنوں سے بلاشک وشبہ افضل ہے پھر اس کے بعد کے قرآن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں اور پھر اس کے بعد قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرنوں سے افضل ہیں، پس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین شریعت پھیلانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے۔ اسی طرح کی بات قاضیؒ نے بھی ایک طویل عبارت میں لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بارش کے بارہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسکا کون سا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اور کس وجوہ سے ''خیر'' کا وجود ہے اور کن افراد میں ''خیر'' کا وجود نہیں ہے، کیونکہ وجود خیر کی مختلف جہتیں اور مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے امت کا ہر دور اپنی اپنی حیثیت اور جہت سے ''وجود خیر'' کا حامل ہوگا۔ تاہم الفضل للمتقدم کے تحت افضلیت انہی امتیوں کے لئے ہے جو دور اول میں تھے، یعنی صحابہؓ اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لئے تسلی کا مصدر ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العلمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس کی بارگاہ سے حصول فیض کی توقع ہر حال میں باقی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں طیبیؒ لکھتے ہیں امت کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے وہ محض ہدایت اور علم کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں بارش کو ہدایت اور علم کے مشابہت دی ہے پس حدیث میں مذکورہ ''امت'' جس کو بارش کے

ساتھ مشابہت دی گئی ہے اس سے مراد علماء کاملین ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، یہ وضاحت بھی گویا اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ''خیر'' سے ''نفع'' کے معنی مراد لئے جائیں جس سے ''افضلیت'' میں پوری امت کا یکساں ہونا لازم نہیں آتا، خلاصہ کلام یہ کہ امت محمدی ﷺ اپنے کسی دور میں ''خیر'' سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے پوری امت کو ''امت مرحومہ'' فرمایا ہے اور یہ ثمرہ ہے اس بات کا کہ اس امت کا نبی ''نبی رحمت'' ہے، بخلاف دوسری امتوں کے کہ ان کے ہاں ''خیر'' کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا اور پھر بعد والوں میں ''شر'' آ گیا اور اس طرح آیا کہ انہوں نے اپنی مقدس آسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کر کے اپنے دین کا حلیہ بگاڑ دیا جس پر ان کے دور اول کے لوگ تھے۔

اور حضرت امام جعفر صادقؒ اپنے والد (حضرت امام محمد باقرؒ) سے وہ اور وہ امام جعفر کے دادا (یعنی حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ اور خوش ہو جاؤ، بات یہ ہے کہ میری امت اجابت کے (افراد کا حال (حصول منفعت کے اعتبار سے) بارش کے حال کی مانند ہے جس کے بارہ میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اخیر بہتر ہے یا اس کا اول بہتر ہے، یا میری امت کی مثال ایک باغ کی مانند ہے جس (کے کچھ حصوں سے) ایک سال ایک جماعت نے کھایا یعنی نفع اٹھایا اور اس (کے کچھ حصوں سے) دوسرے سال ایک اور جماعت نے کھایا، ممکن ہے وہ جماعت جس نے آخر میں باغ سے کھایا ہے (پہلی جماعت کے مقابلے میں) چوڑائی اور گہرائی میں زیادہ ہو اور خوبیوں میں بھی اس سے بہتر ہو، بھلا وہ امت کیونکر ہلاک (یعنی نیست و نابود) ہو جس کا اول میں ہوں جس کے وسط میں مہدی ہوں گے اور جس کے آخر میں مسیح ہوں گے، ہاں ان زمانوں کے درمیان ایک کج رو (یعنی گمراہ) جماعت پیدا ہو گی، اس جماعت کے لوگ میرے راستے و طریقہ پر چلنے والے اور میرے متبعین میں سے نہیں ہوں گے اور نہ ہی میں ان میں سے ہوں یعنی میں ان سے راضی اور ان کا حامی و مددگار

نہیں بلکہ انکی سرکشی اوران کے فسق کے سبب اس سے ناراضگی اور بیزاری کا اظہار کرتا ہوں"

تشریح......"خوش ہواور خوش ہو......" یہ الفاظ آپ ﷺ نے دوبار تاکید کے لئے فرمائے یا اس تکرار میں یہ نقطہ ملحوظ تھا کہ ایک بشارت تو دنیا کے اعتبار سے ہے اور ایک بشارت آخرت کے اعتبار سے۔

"میری امت کی مثال......" اس جملہ میں او(یا) کا لفظ تنویع کے لئے بھی ہوسکتا ہے اور تخیر کے لئے بھی، بہر صورت "باغ" سے مراد وہ باغ ہے جس کے درخت ہرے بھرے ہوں اور اس میں انواع واقسام کے پھل میوے کثرت سے ہوں اور "امت" کو باغ کے ساتھ مشابہت دینا دراصل "دین" کو اس کے شرائع ارکان اور شعبوں کی جہت سے مشابہت دینا ہے۔

چوڑائی اور گہرائی میں...... یہاں چوڑائی اور گہرائی" سے جماعت کی کثرت اورلوگوں کی بڑی تعداد کے معنی مراد ہیں، اس جملہ میں طول، (لمبائی) کا ذکر اس لئے نہیں ہے کہ عرض اور عمق طول کے بعد ہوتا ہے، جب عرض اور عمق کا ذکر آ گیا تو طول کا بھی ذکر ہو گیا۔

"اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن صحابہؓ سے پوچھا) بتاؤ! ایمان کے اعتبار سے تم مخلوق میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو، یعنی خدا کی مخلوقات میں کس مخلوق کے ایمان کو تم بہت ہی قوی اور بہت اچھا سمجھتے ہو؟ صحابہؓ نے جواب دیا۔ ہم تو فرشتوں کے ایمان کو بہت اچھا اور قوی سمجھتے ہیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرشتوں کے ایمان میں کیا عجوبہ پن ہے؟ وہ تو اپنے پروردگار کے پاس ہی رہتے ہیں یعنی فرشتے مقرب بارگاہ خداوندی ہیں اور عالم جبروت کے عجائب وغرائب کا ہمہ وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اگر ان کا ایمان قوی ہے تو اس میں کیا عجیب وغریب بات ہے۔ انہی صحابہؓ یا دوسرے بعض صحابہؓ نے عرض کیا! تو پھر وہ پیغمبر ہیں کہ ہمارے نزدیک ان کا ایمان بہت اچھا اور قوی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بھلا وہ

شک وشبہ سے دور اور قوی ایمان کے حامل کیوں نہیں ہوں گے، آسمان سے وحی اترتی ہی ان کے اوپر ہے، اب صحابہؓ نے کہا! تو پھر ہم لوگ ہیں (جو آپ ﷺ کے صحابہؓ ہیں، لہٰذا کہنا چاہئے کہ ہمارا ایمان اچھا اور قوی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے ہی ایمان میں کیا عجوبہ پن ہے جب کہ میں تمہارے درمیان میں موجود ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ میری اتباع کرنے والے کہ جو نسل در نسل قیامت تک اس دنیا میں آتے رہیں گے) وہ لوگ احکام دین کے مجموعہ مصحف یعنی قرآن پاک پائیں گے اور اس میں جو کچھ مذکور ہے سب پر ایمان لائیں گے۔

تشریح...... جواب دینے والے صحابہؓ نے بہت اچھے اور بہت قوی ایمان کے اعتبارسے جو پہلے فرشتے کا ذکر کیا اور پھر انبیاء کا تو اس سے انبیاء پر فرشتوں کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ اللہ کے ہاں کثرت ثواب کے اعتبار سے جو فضیلت انبیاء کو حاصل ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس میں شک وشبہ نہیں۔

آسمان سے وحی اترتی ہی ان کے اوپر ہے...... یعنی انبیاء کو تو ایمان کا اور سب سے اچھا اور سب سے قوی ایمان کا حامل ہونا ہی چاہئے۔ کیونکہ اس دنیا میں ایمان اور دین وشریعت کے اترنے کا اصل ذریعہ ''وحی'' ہے اور وحی انہی پر اترتی ہے فرشتہ روح الامین (جبرئیل) آسمان سے آتا ہے اور حق تعالیٰ کا پیغام براہ راست ان کو پہنچاتا ہے۔ وہ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ لغت میں ''وحی'' کے معنی ہیں۔ پیغام، دل میں پوشیدہ بات ڈالنا ہر وہ چیز دوسرے کو معلوم ہونے کے لئے تم پیش کرو اور آواز، اور اصطلاح شرع میں ''وحی'' اللہ کے اس پیغام کو کہتے ہیں جو جبرائیل امین پیغمبروں کے پاس لائیں۔

''جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں'' اور تم وحی اور ایمان کے آثار وانوار کا مشاہدہ کرتے ہو، نبوت کی نشانیاں اور معجزے دیکھتے ہو میرے جمال با کمال سے انوار حق کا دیدار کرتے ہو، میری صحبت وہم نشینی کے ذریعہ تم میں اسرار حقیقت سرایت کرتے ہیں اور

میرے باطنی تصرف اور میرے ارشادو اقوال سے تمہارے ظاہر و باطن میں کمالات و کرامات پیدا ہوتے ہیں۔۔ایسی صورت میں خدا پر ایمان لانے، خدا کے اتارے ہوئے دین، شریعت کے احکام میں یقین رکھنے اور خدا کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی کو ماننے میں تمہارے لئے شک و تردد کا کوئی موقع ہی نہیں ہے۔

''سب ایمان لائیں گے۔۔۔''یعنی ان کا ایمان بالغیب ہوگا، نہ انہوں نے اپنے نبی کو دیکھا ہوگا، نہ نبی کی صحبت کے ذریعہ انوارِ حق کا مشاہدہ کیا ہوگا، اور نہ نبوت کے آثار و معجزات کو اپنی نظروں کے سامنے پایا ہوگا۔وہ اپنے بڑوں (صحابہؓ) سے اخبار آثار کی صورت میں جو کچھ سنیں گے اسی پر اعتماد و یقین کر کے خدا پر، خدا کے رسول پر، خدا کی کتاب پر اور خدا کے اتارے ہوئے دین پر ایمان لائیں گے اور اس ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو فرمایا ہے کہ یؤمنونَ بِالغَیب تو اس کی مراد بھی بعض تفسیر کا جہات سے یہی ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں نے ان کے سامنے محمد ﷺ کے صحابہؓ اور ان کے ایمان کا ذکر کیا تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: حق تو یہ ہے کہ محمد ﷺ کی حقیقت و حیثیت، ان کی دعوت اسلامی اور انکا سارا معاملہ ہر اس شخص پر پوری طرح روشن اور واضح تھا جس نے آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کی صحبت و ہم نشینی کا شرف پایا، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کسی ایمان والے کا ایمان ایمان بالغیب سے افضل نہیں اور پھر حضرت مسعودؓ نے یہی آیت یعنی یومنو ن بالغیب پڑھی۔

بہر حال آنحضرت ﷺ کے زمانے مبارک سے متصل ہونے کے سبب اور آنحضرت ﷺ کے بابرکت صحابہؓ کی رفاقت وصحبت پانے کی وجہ سے اگر چہ تابعین پر آثار وانوار حقانیت واضح ہیں، اور آنحضرت ﷺ کا صدق واضح تھا لیکن اس کے باوجود یہی کہا جائے گا کہ، از دیدہ بسے فرق بود تا بشنیدہ۔اور حاصل یہ ہے کہ اگر چہ صحابہؓ کا ایمان بالغیب تھا لیکن ان کا ایمان بالغیب انہی چیزوں میں تھا جن پر ایمان لازم فرض ہے، جیسے اللہ کی

ذات، ملائکہ اور امور آخرت وغیرہ جب کہ اور بہت سی چیزیں ان کی آنکھوں دیکھی ہوئی تھیں ان کے مشاہدہ میں آئیں۔ ان کے برخلاف تابعینؒ اور ان کے بعد اہل ایمان کا معاملہ یہ ہے کہ ان کا سارا ایمان بالغیب ہے کوئی چیز انکی آنکھوں دیکھی ہوئی نہیں ہے، کوئی چیز ان کے مشاہدہ میں نہیں آئی پس اس اعتبار سے ان کے ایمان کو افضل اور پسندیدہ تر فرمایا گیا۔

آپ ﷺ کی امت میں ایک جماعت کی فضیلت

''حضرت عبداللہ بن علاء حضری کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جس نے نبی کریم ﷺ سے سنا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ وہ (زمانہ آنے والا ہے جب اس امت کے آخری دور میں ایک جماعت ہوگی جس کا ثواب اس امت کے ابتدائی دور کے لوگوں (یعنی صحابہؓ) کے ثواب کی مانند ہوگا، اس جماعت کے لوگ مخلوق خدا کو (ان) شرعی امور کی تلقین و تبلیغ کریں گے (جن کا وجود دین میں پایا جاتا ہے) اور ان باتوں سے باز رکھنے کی کوشش کریں گے جو خلاف شرع ہیں (اور جن کا دین سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں) نیز وہ لوگ فتنہ پردازوں (یعنی اسلام اور مسلمانوں سے منحرف ہوجانے والوں، خارجیوں، رافضیوں اور تمام بدعتیوں) سے لڑیں گے (خواہ اسلحہ و طاقت کے ذریعہ لڑیں خواہ زبان و قلم کے ذریعہ) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔''

آپ کو دیکھے بغیر ایمان لانے والوں کی فضیلت

''اور حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مبارک باد دی ہے اس شخص کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور سات بار مبارک باد دی ہے اس شخص کو جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور پھر اس پر ایمان لایا، میری نبوت کی تصدیق کی'' (احمد)

تشریح...... اور سات مبارک باد دی ہے۔۔۔۔'' اس سے ان امتیوں کی فضیلت ثابت ہوتی، جو آنحضرت ﷺ کی ذات پر اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر غائبانہ ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن یہاں سات کے عدد کا تعین کس معنٰی میں ہے اس کا علم خدا اور خدا کے

رسول ہی کے سپرد کرنا پڑتا ہے ایسے کہا جاسکتا ہے کہ کسی بات کو زیادہ سے زیادہ بلیغ انداز بیان کرنے کے لئے اور اس کی تکثیر کی خاطر چونکہ یہی سات کا عدد بابرکت مشہور و متعارف ہے اس لئے آپ ﷺ نے ذات رسالت پناہ پر ایمان بالغیب رکھنے والوں کو سات بار مبارک باد دی ہے، پس اس عدد سے تکثیر مراد لینی چاہئے نہ کہ تحدید۔

''اور حضرت ابن محیریزؒ (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جمعہؓ سے جو صحابہؓ میں سے ایک شخص ہیں، درخواست کی کہ آپ ہمارے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے خود رسول کریم ﷺ کی لسان مبارک سے سنی ہو، حضرت ابو جمعہؓ نے کہا: ہاں میں تمہارے سامنے ایک بڑی عمدہ حدیث بیان کروں گا (جو بہت فائدہ پہنچائے گی اور تمہیں خیر و فضیلت کی بشارت بھی عطا کرے گی، تو سنو) ایک دن ہم صبح کے کھانے پر رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھے ہمارے درمیان (مشہور صحابی) حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ بھی تھے (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) ابو عبیدہؓ نے (نعمت الٰہی کے شکر اور ذات رسالت پناہ کے انعام و احسان کے ذکر کے طور پر) کہا کہ یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص ہم سے بہتر ہوسکتا ہے ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے (آپ ﷺ کے ہاتھ پر) ایمان و اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے شانہ باشانہ دشمنان دین کے خلاف جہاد کیا، آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں اور وہ لوگ وہ ہیں جو تمہارے بعد پیدا ہوں گے اور مجھ پر ایمان لائیں گے جب کہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہوگا اس روایت کو احمدؒ اور دارمیؒ نے نقل کیا، نیز رزینؒ نے اس روایت کو حضرت ابو عبیدہؓ سے ان کے الفاظ سے آخر تک نقل کیا ہے (یعنی رزینؒ کی نقل کردہ حدیث میں ابن محیریزؒ اور ابو جمعہ کے مکالمہ کا ذکر نہیں ہے۔''

تشریح...... ہاں تم سے بھی بہتر لوگ ہیں'' یعنی وہ لوگ اس جہت سے تم سے بہتر ہیں کہ وہ مجھے بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے، اگرچہ اس حیثیت سے کہ تمہیں سبقت اسلام میری صحبت و زیارت اور میرے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہے ان لوگوں پر تمہاری فضیلت و برتری مسلم ہے۔

آپ ﷺ کی امت کے اربابِ حدیث کی فضیلت

''حضرت معاویہ بن قرہؒ سے روایت ہے جو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب اہل شام تباہ ہو جائیں تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی اور میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت ایسی رہے گی جس کو (دشمنان دین کے مقابلے پر غالب رہنے کے لئے اللہ کی نصرت و تائید حاصل ہوگی، اس جماعت کو وہ شخص کچھ نقصان و ضرر نہ پہنچا سکے گا جو اس کی تائید و اعانت ترک کر دے (کیونکہ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کی عنایت بے شمار ہوگی) تا آنکہ قیامت قائم ہو اور ابن مدینیؒ (جو اکابر محدثین میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ اس جماعت سے مراد اربابِ حدیث ہیں اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے او رکہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

تشریح...... حضرت معاویہ بن قرہؒ کے والد کا نام قرہ بن ایاسؓ ہے جو صحابی ہیں۔ خود حضرت معاویہ بن قرہ ایک تابعیؒ ہیں، ان کا شمار اہل علم و عمل میں ہوتا ہے۔ بلند پایہ فقیہہ کی حیثیت سے مشہور ہیں، جنگ جمل کے دن ان کی ولادت ہوئی تھی، اور ۱۱۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔

''تو پھر تم میں بھلائی نہ ہوگی......'' یعنی جب اہل شام میں بھی فساد و تباہی پھیل جائے گی تو اس وقت شام میں سکونت اختیار کرنا یا اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام میں جانے میں کوئی بھلائی نہیں رہے گی۔

اور حضرت شیخ عبدالحقؒ نے یوں وضاحت کی ہے کہ ان الفاظ کی بظاہر مراد یہ ہے کہ آخر زمانہ میں اہل شام خدا کے سچے دین پر قائم ہوں گے اور خیر امت ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیں گے اور پھر آخر کار ان میں بھی تباہی آجائے گی اور یہ اس وقت ہوگا جب قیامت آئے گی تو اس دنیا میں صرف بدکار لوگ موجود ہوں گے چنانچہ اہل شام کے تباہ ہونے کے ساتھ ہی اس روئے زمین میں سے خیر کا وجود اٹھ جائے گا جو اس بات کا نتیجہ ہوگا

کہ اس وقت اہل خیر میں سے کوئی بھی اس دنیا میں باقی نہیں ہوگا۔

تا آنکہ قیامت قائم ہو...... میں قیامت قائم ہونے سے مراد قائم ہونیکا وقت بالکل قریب آ جانا ہے کیونکہ یہ تو ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت روئے زمین پر کوئی کلمہ گو باقی نہیں ہوگا۔

''اس جماعت سے مراد ارباب حدیث ہیں۔۔''یعنی وہ محدثین اور اہل علم کہ جو حدیث کے حفاظ ہیں، حدیثوں کے راوی ہیں، سنت نبوی ﷺ پر کہ جو کتاب اللہ کی ترجمان اور شارح ہے عمل کرنے اور جو درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ احادیث نبوی ﷺ اور علوم نبوی کی خدمت اور اس کے سیکھنے میں لگے ہوئے ہیں اور گویا وہ گروہ جن کو ''اہل سنت والجماعت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی امت سے خطا ونسیان معاف ہے

''حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء نسیان کو معاف کر دیا ہے اور اس گناہ سے بھی معافی عطا فرمادی جس میں زبردستی مبتلا ہو گیا ہو۔'' (ابن ماجہ، بیہقی)

تشریح ...... خطا جو مد کے بغیر بھی اور مد کے ساتھ بھی آتا ہے اپنے مفہوم میں صواب کی ضد ہے اس کے معنی ہیں ''چوک جانا'' چنانچہ صراح میں لکھا ہے! خطاء بمعنی ناراست جو ''صواب'' (درست وراست) کا برعکس مفہوم ہے۔ اسی مصدر سے نکلا ہو لفظ ''خطیۃ'' ہے جس کے معنی ''گناہ'' کے ہیں، یا ایک قول کے مطابق وہ گناہ جو غیر ارادی طور پر سرزد ہو گیا ہو اور اگر خطا کا لفظ خ کے زیر اور ط کے جزم کے ساتھ خطا ہو تو اس کے معنی بھی گناہ کے ہوتے ہیں، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ خطاء کا لفظ اس گناہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو ارادی طور پر یعنی قصداً کیا گیا ہو اور جو گناہ غیر ارادی طور پر یعنی بلا قصد سرزد ہو اس کے لئے اخطاط کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ''مخطی'' اس شخص کو کہتے ہیں جو ارادہ تو

صواب یعنی راست ودرست عمل کا کرے مگر مبتلا غیر صواب یعنی ناراست وغیر درست عمل میں ہوجائے۔اس شخص نے خطا کی، یا اس شخص سے خطا ہوگئی۔ یہ بات ایسے آدمی کے بارہ میں کہی جاتی ہے جس نے قصدوارادہ تو کسی درست عمل کا کیا تھا لیکن اچانک اس سے وہ عمل واقع ہوگیا جو غیر درست تھا، مثلاً اس نے شکار کو نشانہ بنا کر بندوق چلائی تھی مگر بندوق کی گولی اچانک کسی انسان کو لگ گئی اور اس طرح وہ اس انسان کے قتل خطا کا مرتکب ہوگیا، یا یہ کہ مثلاً وہ آدمی روزہ سے تھا، کلی کرنے کے قصد سے اس نے منہ میں پانی لیا اور وہ پانی حلق میں اتر گیا، پس اس حدیث میں ''خطاء'' کے یہی معنی مراد ہیں۔

''نسیان'' اپنے مفہوم میں ''حفظ'' کی ضد ہے اس کے معنی ہیں بھولنا ''سہو'' کا لفظ ''نسیان'' کے معنی میں آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے، اس شخص نے فلاں کام میں سہو کیا۔یعنی وہ اس کام کو بھول گیا اس سے غافل رہا اس کا دھیان کسی اور کام میں الجھ گیا تھا، ان لفظی وضاحتوں کے بعد اب سمجھئے کہ حدیث میں جو فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے خطاء ونسیان کو معاف کردیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خطاء ونسیان کے تحت کوئی غیر درست ناروا فعل سرزد ہوجائے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، اس فعل کا مرتکب گناہ گار نہیں ہوگا، یہ مطلب نہیں خطاء ونسیان کے تحت سرزد ہونے والا ہر فعل دیناوی طور پر کسی شرعی قائدے قانون کی گرفت میں نہیں آتا، چنانچہ خود قتل خطاء پر دیت اور کفارہ کا واجب ہونا ثابت ہے، اسی طرح کسی ایک چیز کا خطاء کا ارتکاب ہوجائے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو اس روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے۔ ہاں نسیان کی صورت میں روزے کی قضاء واجب نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس میں رعایت دی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ روزہ میں اگر بھول سے کوئی چیز کھالی یا کوئی چیز پی لی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔تم اپنے اس روزہ کو پورا کرو کیونکہ تمہارا وہ کھانا پینا اللہ ہی کی طرف سے ہے، نیز نماز میں اگر نسیان اور سہو واقع ہوجائے تو اس پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔اسی طرح کوئی شخص اگر کسی کا مال سہواً تلف کردے تو اس پر ضمان (معاوضہ) واجب ہوتا ہے۔

''اور اس گناہ سے بھی معافی عطا فرمادی۔۔۔۔'' اس جملہ میں وما استکرھو ا علیه صیغہ مجہول کے ساتھ ہے، یعنی وہ گناہ جو زورو زبردستی سے کرائے گئے ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کو کسی ایسے فعل کے ارتکاب پر مجبور کیا گیا ہو جس کو وہ گناہ ہونے کی وجہ سے قطعی ناپسند کرتا ہو اور اس کے ارتکاب میں اس کے اپنے قصد وارادہ کو ذرا دخل نہ ہو تو وہ شخص گناہ گار نہیں ہوگا اگر چہ اس کو مجبور کرنے کے لئے قتل یا ضرب شدید جیسی کسی سخت دھمکی کا استعمال نہ کیا گیا ہو، تاہم اس (زورو زبردستی سے کرائے گئے گناہوں اور جرائم کے) سلسلے میں حق اللہ اور حق العباد کے تعلق سے شرعی احکام وقوانین کی الگ الگ نوعیتیں اور شقیں ہیں جن کی تفصیل اصول کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید)

آپ ﷺ کی امت کی ایک بہترین فضیلت

''اور حضرت بہز بن حکیم معاویہ بن حیدہ قشیری بصری اپنے والد (حضرت حکیم بن معاویہ) سے اور بہز کے دادا (اور اپنے والد حضرت معاویہ بن حیدہؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد: کُنتم خیرَ اُمَّةٍ اُخرِجَتْ لِلناسِ کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: (اے اہل اسلام) تم ستر امتوں کو تمام کرتے ہوئے اور اللہ کے نزدیک تم ان امتوں میں سے سب سے بہتر اور گرامی قدر ہو۔ اس روایت کو ترمذیؒ، ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ''حسن'' ہے۔

تشریح...... کُنتُم خیرَ اُمةٍ اُخرِجَتْ لِلناسِ کا ترجمہ ہے: امتوں میں سے سب سے بہتر امت تم تھے جسے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لئے پیدا کیا گیا۔ پس کنتم (تم تھے) سے مراد یہ ہے کہ اپنی اس خصوصیت اور وصف کے ساتھ تم روز اول سے اللہ کے علم وارادہ میں تھے جس کا ظہور اس دنیا میں اب میرے آنے کے بعد ہوا ہے۔ یا یہ کہ لوح محفوظ میں اس وصف وخصوصیت کے ساتھ تمہارا ذکر روز اول ہی آ گیا۔ اور یا یہ کہ گزشتہ امتوں کے درمیان تمہارا ذکر اسی وصف وخصوصیت کے ساتھ یعنی ''خیر امت'' کی حیثیت

سے ہوتا تھا۔

بہر حال ''خیر امت'' میں اس امت سے مراد اس امت کے تمام ہی اہل ایمان مراد ہیں خواہ وہ عام امتیوں میں سے ہوں یا خواص میں سے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن اعتقاد، ایمان کی راہ میں ثابت قدم رہنے، آنحضرت ﷺ کے تئیں بہت زیادہ محبت و تعلق رکھنے، ایمان سے نہ پھرنے، اسلام کی غلامی کے دائرے سے اپنے کو باہر نہ رکھنے اور ان جیسی دوسری خصوصیات وصفات رکھنے کے سبب ہر امتی اس فضیلت میں شامل ہے جو پچھلی تمام امتوں کے مقابلے میں اس امت مرحومہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاہم بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ''خیر امت'' کا مصداق مخصوص طور پر اس امت کی وہ جماعت ہے جو ''خواص'' سے تعبیر کی جاتی ہے، یعنی علما، صادقین، شہدائے اسلام اور صالحین امت ان حضرات کے نزدیک ''خیر'' سے مراد خیر تامہ کاملہ مخصوصہ ہے اسی طرح بعض حضرات نے اس کا مصداق ''مہاجرین کی جماعت'' کو قرار دیا ہے، لیکن یہ حضرات ''خیر امت'' کے مفہوم کو ایک محدود دائرہ تک کیوں رکھتے ہیں اور اس مصداق کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کیوں کرتے ہیں اسکی وجہ ظاہر نہیں ہے۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ ''خیر امت'' کے مفہوم کو مخصوص کرنے کے بجائے عام رکھا جائے۔

''ستر امتوں'' میں ستر کا عدد تحدید کے لئے نہیں، بلکہ تکثیر کے لئے ہے، کیونکہ اس عدد کا اظہار تکثیر کے موقعوں پر زیادہ آتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ''ستر امتوں'' سے مراد وہ گزشتہ امتیں جو بڑی بڑی اور جن کا عدد ستر تک پہنچتا ہے اور انہیں کے ضمن میں تمام چھوٹی چھوٹی امتیں بھی آجاتی ہیں۔

''تم ستر امتوں کو تمام کرتے ہو۔۔۔۔'' میں ''اتمام'' دراصل ''ختم'' کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ جس طرح تمہارے پیغمبر ﷺ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سرادر ہیں اسی طرح تم بھی تمام امتیوں کے خاتم، تمام امتوں سے زیادہ گرامی قدر اور اتم ہو، پچھلی امتوں پر امت محمدی کی فضیلت وبرتری کے اظہار کے لئے بغویؒ نے ایک روایت اپنی سند کے ساتھ

بطریق مرفوع نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں۔قال اِن الجنۃَ حَرُمَتْ عَلَی الانبیاءِ کُلِّهِم حتّٰی اَد خُلَهَا و حَرُمَتُ عَلَی الْاُ مَمِ حتّٰی تَد خُلَهَا ۔ ''آنحضرت ﷺ نے فرمایا: حقیقت یہ کہ جنت تمام انبیاء پر حرام ہے جب تک کہ میں اس میں نہ پہنچ جاؤں اور جنت تمام امتوں پر حرام ہے جب تک کہ میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔''

اور یہ چیز اس امت کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اِنَّ الَّذِینَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسنیٰ بھی اشارہ کرتی ہے پس امت محمدی ﷺ اس دنیا میں آنے کے اعتبار سے اگر چہ سب کے بعد ہے لیکن فضل وشرف اور مقام ومرتبہ میں سب سے اعلیٰ۔ (جستہ جستہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

آپ ﷺ کی امت کی ایک اور عظیم فضیلت

''حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔'' میری یہ اُمّتِ مرحومہ ہے (یعنی دوسری امتوں کی بہ نسبت میری امت کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت زیادہ ہے کیونکہ ان کے نبی کی شان بھی رحمۃ للعالمین ہے) اس امت پر آخرت میں عذاب نہیں ہوگا اور دنیا میں اس کا عذاب فتنے، زلزلے اور ناحق قتل ہے۔'' (ابوداودؒ)

تشریح...... ''آخرت میں عذاب نہیں ہوگا'' کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں دائمی عذاب یا سخت عذاب جو کفار و مشرکوں کے لئے ہے اس امت پر نہیں ہوگا بلکہ اس کا عذاب یہ ہے کہ جو لوگ برے اعمال کرتے ہیں اور دین و شریعت کے راستہ پر نہیں چلتے ان کو سزا کے طور پر اس دنیا میں مختلف فتنوں، آفتوں، امراض اور طرح طرح کے مصائب وآلام میں مبتلا کر دیا جاتا ہے! یہ بات اس آیت کریمہ مَن یَّعمَلْ مِنکُم سُو ءً یُجزَبِهٖ کی مراد سے بھی واضح ہوتی ہے اور حدیث کے الفاظ عذابها فی الدین الخ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے حدیث خاص طور سے ان مسلمانوں کے حق میں جو

کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہیں کرتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس حدیث کا روئے سخن اس امت کی ایک مخصوص جماعت یعنی صحابہ کرام کی طرف ہو چنانچہ مظہرؒ نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث نہایت پیچیدہ مفہوم کی حامل ہے کیونکہ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کے کسی بھی فرد کو آخرت میں عذاب نہیں دیا جائے گا خواہ وہ گناہ کبیرہ کرے یا جو چاہے کرتا پھرے! اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی و توفیق کے بغیر کچھ نہیں کہا جاسکتا سوائے اس سے کہ یہ تاویل کی جائے کہ یہاں امت سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکام کی فرمابرداری کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی بھی کامل پیروی کرے اور ان چیزوں سے پوری طرح پرہیز کرے جن کو اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

''دنیا میں اس کا عذاب۔۔۔۔'' کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے لوگ زمانہ کے جن حادثات سے دوچار ہوتے ہیں جیسے زلزلہ آتے اور جان و مال کو نقصان میں مبتلا کرتے ہیں، سیلاب آتے ہیں اور سخت تباہی پھیلاتے ہیں، لوٹ مار مچتی ہے اور مسلمانوں کے جان و مال کو نقصان پہنچتا ہے، یا اسی طرح کی دیگر آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں، اور یہ سب چیزیں ان لوگوں کے گناہوں اور خطاؤں اور بدعملیوں کے کفارہ کا موجب بنتی ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہے اسی طرح جو کشت و خون اور قتل و قتال ان کے درمیان ہوتا ہے اگر اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ مسلمان کفار اور دین کے دوسرے دشمنوں جیسے مبتدعین وغیرہ کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا قتل ہونا خود موجب شہادت ہوتا ہے یعنی ان مسلمانوں کو شہید کا درجہ ملتا ہے جو ایک بڑی سعادت ہے اور اس کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مسلمان خود آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ ان کا باہمی قتل و قتال اور کشت و خون کس بنا پر ہے، اگر ایسا ہے کہ دونوں فریق کسی ایسے معاملہ میں برسر جنگ ہو گئے ہیں جس کی حیثیت شرعی نقطہ نظر سے واضح نہیں ہے اور اشتباہ و تاویل کے سبب دونوں کا حق پر ہونا ثابت ہوسکتا

ہے تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ دونوں فریق سلامتی پر ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی ظالم قرار نہیں دیا جائے گا، اور اگر ان کا باہم برسرِ جنگ ہونا اور ایک دوسرے کا کشت وخون کرنا کسی ایسے معاملہ کی وجہ سے ہے جس کی حیثیت وحقیقت بالکل واضح ہے اور ایک فریق صریحاً ظلم وزیادتی پر ہے تو جو فریق مظلوم ہوگا اس کو ماجور قرار دیا جائے گا۔

بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عذاب قبر اس امت مرحومہ ومغفورہ کے خصائص میں سے ہے، یعنی مسلمانوں کو قبر کے عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جاتا ہے کہ ان کے نامہ اعمال میں گناہ ومصیبت کی جو گندگی ہے اس کو عالم برزخ میں دھویا جائے اور وہ مسلمان عذاب کی صورت میں اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو کر آخرت میں پہنچیں اور وہاں کے عذاب کا منہ نہ دیکھنے پائیں۔ واللہ اعلم بالصواب (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد چہارم)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ساری امتوں سے اعلیٰ امت بنایا تو اس اعلیٰ ہونے کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس نبی کے صدقے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضیلت ملی، اس نبی کی محبّت اور قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام سنتوں کو دل وجان سے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۴۲

رسولِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ خود ایک امتیازی خصوصیت ہے

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے بیالیسویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے، جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ خود ایک امتیازی خصوصیت ہے'' حضور اقدس ﷺ کی اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے روضہ مبارک کے سایہ تلے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے اور یہ میری ایک دیرینہ آرزو تھی کہ رسولِ اکرم ﷺ کی خصوصیات کے حوالے سے چھپنے والی کتاب سے پہلے پہلے اللہ مجھے اپنے حبیب ﷺ کے شہر بلالے اور میں اپنی آرزو کے مطابق اپنے آقا ﷺ کے سائے تلے بیٹھ کر اس کتاب کو فائنل ترتیب دے سکوں اور بحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے میری اس آرزو کو پورا کیا، اس پر میں اپنے اللہ کا شکر گزار ہوں۔

بہر حال محترم قارئین! اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے یعنی آپ ﷺ کی سیرت طیبہ خود ایک خصوصیت ہے کیونکہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ میں ہمیں جو کمالات، برکات، انوارات، فضائل، قربانیاں نظر آتی ہیں دیگر انبیاء کی سیرتوں میں اس قدر کمالات نظر نہیں آتے، دیگر انبیاء بھی اگر چہ کمالات رکھتے تھے لیکن ہمارے حضور ﷺ کی مقدس سیرت طیبہ تمام انبیاءؑ کے مقابلے میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، انشاء اللہ۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بیالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس پہلے انسان کو احسن تقویم کی خصوصیت کے ساتھ پیدا کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ابلیس کی کارروائیوں اور کارفرمائیوں کے باعث آپ ﷺ کو عالم بالا سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ یہاں آپ ﷺ کو نبوت کے منصب جلیلہ پر سرفراز کیا گیا۔ یوں اس کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز ایک ساتھ اور ایک ہی شخصیت کے حوالے سے ہوا۔ کاروان نبوت کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا، پھر یہ قافلہ مختلف منازل اور مراحل سے گزرتا ہوا اپنی حقیقی اور مطلوبہ منزل تک پہنچ گیا اور اس نقطۂ اختتام پر نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔

کائنات کے شاہکار حضرتِ انسان کا مقصد

آپ اس کائنات کے مختلف اجزاء اور مخلوقات پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ہر چیز اپنے اپنے مخصوص راستے پر اپنے فرائض ادا کر رہی ہے۔ چاند، سورج ہو یا ہوائیں، گلیشیئر، ندیاں یا دریا، فصلیں، اجناس ہوں یا پھل، چرند و پرند ہوں یا حیوانات، معدنی دفینے ہوں یا قدرتی وسائل، زمین و فضا ہو یا سیارے، سبھی اپنے فرائض اور وظائف ازل سے ایک ہی طریق پر انجام دیتے چلے آرہے ہیں اور اس میں سر مو انحراف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزائے آفرینش اور مخلوقات کو جو جبلی یا فطری ہدایت ودیعت کی ہے، سب اسی کے موافق چلتے اور کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب یہ تمام کائنات اور اس کی مخلوقات فطرت کے بخشے ہوئے قواعد اور ضوابط کے مطابق کام کر رہے ہیں تو کیا اس کائنات کے شاہکار یعنی خود حضرت انسان کے لئے کوئی مقصد متعین نہیں کیا گیا؟ اور آیا اس کے لئے ہدایت کا کوئی فطری نظام وضع نہیں کیا گیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر عہد کے فلاسفہ، حکماء، متکلمین اور دانشوروں نے دینے کی بھرپور کوشش کی

ہے، مگر کسی سے بات بن نہیں پائی۔ ان حضرات نے انسانی زندگی کی مقصدیت اور معنویت کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی کہ جس سے ابن آدم کا اطمینان ہوتا اور اس کے وقار میں اضافہ بھی ہوتا۔

انسان کیا ہے؟ اس کائنات میں اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ حیات بعد الممات، امورِ غیب اور مابعد الطبیعات اور الٰہیات کے بارے اس کا سرچشمۂ علم کیا ہے؟ اس کی ہدایت کے لئے وہ کون سا فطری طریق ہے، جو زمین اور زمانے کی ہر گردش میں پورا اترتا دکھائی دیتا ہے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں، جن کے صحیح، درست اور اطمینان بخش جواب صرف اور صرف انبیاء علیہم السلام نے فراہم کئے۔ اور اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کا جواب اپنی سمجھ اور فہم کی بجائے اس وحی والہام کے ذریعے سے دیا ہے جو انہیں مقدس اور معتبر فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں انبیاء و رُسل اور فلسفیوں اور دانشوروں کی آراء میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔

فلسفی اور متکلم ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے مسئلے کو مزید الجھا دیتے ہیں، جس سے انسانی قلب و نظر کا اضطراب اور انتشار مزید بڑھ جاتا ہے، مگر انبیاء رُسل اس کا وحی الہام کے سرچشمے سے ایسا جواب فراہم کرتے ہیں۔ جس سے شکوک اور شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ کامل طمانیت میسر آجاتی ہے۔ آسمانی ہدایت کے ذریعے قلب و نظر کی طمانیت کا یہ پیغام جن شخصیات کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ سلیم الفطرت اور پاکیزہ نفس انسان ہوتے ہیں، جنہیں ہم نبی، رسول اور پیغمبر علیہم السلام کی پاکیزہ اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ، متقی اور مخصوص افراد و رجال کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان انبیاء کے مقصد بعثت کو بہت نمایاں انداز میں پیش کیا گیا۔ اگر ایسی تمام آیات مبارکہ کو جن میں نبوت کے چارٹر کی تشریح کی گئی ہے، جمع کیا جائے تو ان کا خلاصہ تین نکات پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔

(۱)۔ تلاوت آیات (۲)۔ تزکیۂ نفس (۳)۔ تعلیم کتاب وحکمت

انبیائے کرام علیہم السلام کے اس مشن اور چارٹر کے ذریعے جو ذہنی تغیر اور قلبی انجذاب پیدا ہوتا ہے، اسے ہم کارنامۂ سیرت کہتے ہیں۔ افسوس کہ مغربی دانشور، سیرت اور سوانح کے درمیان فنی اور علمی نوعیت کا فرق محسوس نہ کر سکے۔ انہوں نے تو خود اپنے رسولوں کے تذکرے صرف داستانوی اسلوب میں لکھے ہیں، لہٰذا کسی یورپی اور مستشرق سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی بھی نبی یا رسول کے کارنامۂ سیرت کو اس کے حقیقی فنی تقاضوں کے ساتھ پیش کر سکے۔ مغرب میں سوانح نگاری کے فن نے بہت کمال پیدا کیا۔ ہیرو یا ہیرو ورشپ میں ان کے ہاں بہت جذباتی شدت پائی جاتی ہے۔

مگر جو مذاہب اپنے رسولوں کی سیرت کو فراموش کر چکے ہوں اور جن کی مذہبی کتابیں اپنے الہامی متن اور اس کی زبان تک سے محروم ہو چکی ہوں، وہاں کسی پیغمبر یا نبی کے کارنامۂ سیرت کا تقاضا ایک بے سود خواہش ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جن مستشرقین نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے، وہ صرف اس لئے ناکام رہے کہ ان کے ذہن میں سوانح اور سیرت کا فرق ملحوظ نہیں تھا۔ حضور ﷺ محمد بن عبداللہ بھی ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی۔ محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے انہوں نے آپ ﷺ کی سوانح کو مرتب کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوی حیثیت سے بے خبر ہونے کے باعث وہ کارنامۂ سیرت کی تحسین سے محروم رہے، جب تک کوئی قلم کار خود ایمانی اور اخلاقی اقدار کے سرمائے سے مالا مال نہ ہو، وہ کسی کے سرچشمۂ ایمان اور مرکز رُشد وہدایت شخصیت کی سیرت کا فہم کیسے پیدا کر سکتا ہے۔

لفظ سیرت کا معنیٰ اور مطلب

''سیرت'' کا عربی مادہ ومصدر سار، یسیر، سیراً اور میسراً ہے۔ اس مادے سے بننے والا ہر لفظ کئی معنی رکھتا ہے۔ جو لغت نویسیوں کے ہاں چال، چال چلن، مسافت، ہیئت اور

گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اسے سیرہ یا السیر ہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے ''السیر ہ'' کے معنی طریقہ کے بھی لکھے ہیں۔ یوں ''احسن السیر ہ'' کے معنی ''اچھا طریقہ'' کے ہیں۔ ''ھذا فی سیر ۃ الاوّلین ''یعنی یہ بات پہلے لوگوں کے طریقے میں موجود ہے۔ اس کے ایک معنی ہیئت اور حالت کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ المعجم الاعظم میں لفظ سیرت کے معنی جانا، روانہ ہونا، چلنا، روش، طریقہ، شکل وصورت، ہیئت، حالت، کردار، سنّت، طرزِ زندگی کام کاج کرنے کا چلن، زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ، عادت، کہانی اور پرانے لوگوں کے قصّے اور واقعات کو بیان کرنے کے بھی ہیں۔ سیرہ کا لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم میں سوانح عمری اور علم و تاریخ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

انبیاء کی پاکیزہ سیرتوں کا مستند ریکارڈ قرآن کریم ہے

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے ۳۱۵ کتب اور صحائف میں سے آج انسانیت کے پاس صرف ایک صحیفہ کامل ''قرآن مجید'' کی شکل میں موجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت، فرائض نبوت اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کا اگر کوئی مستند ریکارڈ کہیں موجود ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن مجید میں دکھائی دیتا ہے۔ جہاں تک عہد نامۂ جدید اور قدیم اور زبور، انجیل وغیرہ کا تعلق ہے، ان کے بیانات میں اس قدر تناقص اور تضاد ملتا ہے کہ کوئی ذی فہم شخص راستباز یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عبارتیں حقیقی الہام پر مبنی نہیں ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کو ملفوظاتی لٹریچر قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ بعض مقامات پر قرآن مجید اور ان تحریف شدہ الہامی نوشتوں میں یکسانیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقی ہدایت کا سرچشمہ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ کوئی سچی الہامی کتاب یا صحیفہ ہوسکتی ہے، سو قرآن مجید آج عالم انسانیت کے پاس وحی الٰہی کا واحد نمونہ ہے۔ جس پر استناد سے اعتماد اور اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی حفاظت کا یہ

نظام اور ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے سپرد رکھی ہوئی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد پاک ہے کہ ''اِنَّا نحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُون'' (الحجر:۹)

رسول اکرم ﷺ کی سیرت لائقِ اتباع اور محفوظ سیرت ہے

جس طرح وحی کا کامل اور جامع نمونہ قرآن مجید آج ہدایت کے لئے موجود ہے۔ بعینہٖ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ اسے علمی آثار کے طور پر محفوظ کیا گیا۔ علوم الحدیث کا ایک ایسا ذخیرہ مرتب وا، جس کی مثال دنیا کی کسی تہذیب و مذہب میں دکھائی نہیں دیتی۔ علوم کی دنیا میں علم حدیث کو اگر تہذیب انسانی کا سے بڑا علمی سرمایہ قرار دیا جائے تو کسی لحاظ سے کمزور یا غلط بات نہیں ہوگی۔ یہ امر بھی تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا جائے تو کسی لحاظ سے بیان کیا جانا چاہیئے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت عملی تواتر کے لحاظ سے محفوظ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس محبت، عقیدت اور راستبازی کے ساتھ اسوۂ سیرت کو عملاً محفوظ رکھا، اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری شخصیت نہیں کر سکتی۔ آج دنیا میں چھ ارب انسان پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک چوتھائی کے علاوہ سب غیر مسلم ہیں اور مختلف مذاہب اور ادیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تمام مذاہب مل کر بھی کوئی ایک ایسا انسان پیش نہیں کر سکتے جو اپنے سچے نبی کی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ اگر چہ امّت مسلمہ بھی اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے چودہ صدیوں کے فاصلے پر کھڑی دکھائی دیتی ہے۔ مگر اس امّت کے سینکڑوں، ہزاروں نہیں لاکھوں افراد ایسے ملیں گے، جن کی شکل و صورت اور اعمال و عبادات کا ایک بھاری حصہ اسوۂ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کامل مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے۔

ایک دوسرے مفہوم میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیرت طیبہ کا یہ ایک امتیاز ہے کہ یہ ایک سچی، لائق اتباع اور محفوظ سیرت ہے، جسے دنیا کی کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اسلام کی دوامی تہذیب اور سیرت کے لافانی نقشے

کے پس منظر میں یہ حقیقت مہر درخشاں بن کر چمک رہی ہے۔

قرآن مجید کے ایک مقام پر مقاصد نبوت اور فرائض رسالت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس سیرت اور اسوہ کو انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ.** (سورۃ آل عمران)

''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا، جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے''۔

نبوت کو انسانیت کے لئے ایک احسانِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا باعث وہ فرائض ہیں، جن کا تذکرہ آیت مذکور میں کیا گیا ہے۔ تلاوت آیات، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت منشورِ رسالت ہے۔ اسی منشور رسالت میں سیرت کی اہمیت، ضرورت اور حکمت سب کچھ واضح کر دیا گیا ہے۔ آیات بینات ہوں اور احادیث مبارکہ، کتاب وسنت کی ان تعلیمات کا مقصود نفس انسانی کی اصلاح اور نفوسِ انسانیہ کا تزکیہ ہے۔ قرآن مجید میں نفس انسانی کی تین حالتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نفس امارہ کی شرارتوں، خباثتوں اور جہالتوں کے سلسلے تمام منکرات وفواحش میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات خوف آخرت اور اسوۂ رسول میں تضرع وزاری اور خشوع وخضوع کے اسباق ایک ہی جیسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس سے نفس انسانی میں لوامہ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو ترقی کرتے کرتے بالآخر نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے اور یہی مقصود حیات، غایات زندگی اور حکمتِ زیست ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۞ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۞

فَادخُلِی فِی عِبَادِی o وَادخُلِی جَنَّتِی۔ (الفجر: ۲۷۔۳۰)

''اے نفس مطمئنہ، چل اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں''۔

یوں انبیاء علیہم السلام کی سیرتیں اپنے اپنے زمانے میں خلق خدا کے نفوس کی اخلاقی، روحانی اور ایمانی تربیت کے لئے ناگزیر رہی ہیں۔ ہر عہد میں اور ہر نبی کے زمانے میں ہمیشہ دو ہی قسم کے کردار پیدا ہوئے ہیں، ایک اشرار کا ابلیسی کردار، جبکہ دوسرا اخیار اور ابرار کا نبوی کردار۔ قرآن مجید نے ان دونوں طبقات کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے اور یوں تاریخ دعوت وعزیمت کے باب زمانہ قبل نبوت اور بعد رسالت میں صاف واضح دکھائی دیتے ہیں۔

یوں سیرت نفوس انسانی کی اخلاقی تعلیم وتربیت کے لئے ایک ناگزیر دعوت عمل ہے۔ مختلف مذاہب، متنوع کردار پیدا کرتے ہیں مگر حقیقی اور مطلوبہ سیرت اب صرف خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی کامل اتباع سے میسر آسکتی ہے۔ انسان کی صالح تربیت کے لئے مختلف مذاہب نے جو طریق اور سلوک پیش کیا ہے، اس کا تقابل اگر اسلامی اور محمدی ﷺ سیرت سے کیا جائے تو ایک قاری کو اس میں بنیادی اور واضح فرق معلوم ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت ہمارے لئے سرمایہ حیات ہے

بے شک محاسن اسلام کا سرمایہ، محاسن مصطفوی ﷺ سیرت نبوی ﷺ میں جھلکتا دکھائی دے گا۔ فضائل اور اخلاق کا کوئی عملی نمونہ یا پیکر مجسم اگر تاریخ میں دکھائی دیتا ہے تو وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اعلیٰ وارفع سیرت کے علاوہ کوئی اور سرمایہ نہیں۔ اسوۂ حسنہ کا یہ وہ معدن ومنبع ہے، جس سے خوشہ چینی کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے ان کی زندگیوں میں راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اگر ایک طرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی کوئی دوسری

مثال دکھائی نہیں دیتی تو دوسری طرف اصحاب رسول ﷺ سے کوئی جماعت بھی دکھائی نہیں دیتی۔

دنیا میں اخلاقی نشونما اور روحانی بالیدگی کے لئے بہت سی شخصیات اور اداروں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ادارے یا شخصیات مطلوبہ مثالی اخلاقی نظام کی تشکیل کے تقاضوں اور لوازمات کا یا تو ادارک نہیں رکھتے تھے یا پھر وہ خود کوئی بہتر نمونۂ اخلاق پیش کرنے سے قاصر تھے۔ انسانیت ابھی تک ایک ایسی شخصیت کی تلاش میں تھی جس کی سیرت خود اس کے آئینۂ عمل میں منعکس ہو، اس کے پیغام کی شرح اس کی اپنی سیرت سے آشکار ہو۔ اس کی اخلاقی تعلیمات خود اس کی علمی زندگی کا حصہ ہوں۔ اس کا ہر اشارہ حرکت اعمال و افعال، حرکات وسکنا اور اقوال و فرامین ایک اعلیٰ اور بلند اخلاقی، ایمانی اور روحانی مقام کی نشان دہی کرتی ہوں۔ انسانیت کے دامن میں جزوی اعتبار سے بہت سے اخلاقی نمونے اور نقوش موجود ہیں مگر یہ سب مل کر بھی کسی مکمل اور مطلوبہ سیرت کا نقشہ پیش نہیں کرتے۔

انسانیت کو ایک انسانِ کامل کی ضرورت ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانیت کو بہت مدت سے ایک ایسے انسانِ کامل اور صاحبِ کمال کی ضرورت تھی، جو دن کی رُوشنی میں امورزندگی کی باگ دوڑ سنبھالتا دکھائی دے ،تو اس کی راتیں اپنے خالق و مالک کے ساتھ راز و نیاز میں بسر ہوتی ہوں۔ اس کی جلوت مخلوق کے دکھ درد میں شریک ہوتو اس کی خلوت ذکر وعبادات میں مصروف دکھائی دے۔ وہ بیک وقت دنیا وعقبٰی کی حقیقتوں کا شناسا ہو۔ اس کی زبان صبر وشکر کے کلمات سے مزین اور اس کی آنکھ عفت وحیا کی تصویر دکھائی دے۔ اس کے پاس اموالِ دنیا کے ڈھیر لگ جائیں تو وہ استغنا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اور اگر وسائل کی قلت پیدا ہو جائے تو وہ صبر و قناعت کا پیکر دکھائی دے۔ وہ اپنے اہل عیال اور ساتھیوں کے لئے خلیق اور شفیق اور اپنے

مخالفین کے لئے دامن عفو کو پھیلائے نظر آئے۔ اس کا جہاد امن کی نوید بن جائے اور اس کی سلطنت سراسر خدمتِ انسانی کا نمونہ دکھائی دے۔ وہ اپنے دامنِ فقر میں واردات شاہی کا منظر پیش کرے۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کی سیر شکمی کا سامان کرے۔ دوسروں کی تکالیف کا ازالہ اس کے لئے سامانِ راحت بن جائے۔ وہ حقوق وفرائض میں توازن کی مثال اور دنیا کی افراط وتفریط میں جادۂ اعتدال پر گامزن دکھائی دے۔ ان سب صفاتِ حسنہ سے متصف اور ان تمام کمالاتِ سیرت سے آراستہ صرف ایک ہی سیرت دکھائی دیتی ہے اور وہ حضرت محمد عربی مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے۔ لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللهِ اُسوَةٌ حَسَنَ. (الاحزاب)

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کے امتیازات

سیرت کے اس مفہوم اور ضرورت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد ہمیں یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ بذات خود ایک امتیازی خصوصیت ہے۔ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں کا تذکرہ کرتا ہے، مگر قرآن وَمَا أَرسَلنٰكَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعَالَمِينَ ...... کی سیرت کو گزشتہ چودہ صدیوں سے اس کائنات کی صف کے لپٹنے اور قیامت کے قائم ہونے تک کے لئے ایک واجب الاتباع سیرت قرار دیتا ہے۔ انسانیت کو اپنے اخلاقی مقاصد کی تکمیل اور روحی نشو نما کی تعمیل، ایمانی جذبات کی تشکیل اور تبلیغ دعوت کے ترسیل کے لئے جس مثالی سیرت کی ضرورت تھی، وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت مبارکہ میں میسر آ گئی۔ قرآن مجید نے اس سیرت خاص کی ضرورت کو بہت سی آیات میں واضح کیا ہے جس میں سے چند کلیدی آیات درج کی جاتی ہیں۔

وما اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُم عَنهُ فَانتَهُوا. (الحشر:۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دے، اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کرے، اس سے رک جاؤ''۔

لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللهِ اُسوةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرجُو اللهَ واليومَ

الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْراً. (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

''اے نبی ﷺ، لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر درحقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے''۔ ان سے کہو کہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے، جو اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں''۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا. (النساء:۵۹)

''اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور انجام سے بہتر بھی ہے''۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَمْراً اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِیْناً. (الاحزاب:۳۶)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے، تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، تو صریح گمراہی میں پڑ گیا''۔

قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی آئینی، شرعی اور قانونی حیثیت کو متعین کیا گیا ہے۔ ذرا اس حدیث مبارکہ کا مطالعہ کیجئے جس میں آپ ﷺ نے خود

اپنی حیثیت کے بارے میں مطلع فرمایا ہے کہ لا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُونَ اَحَبَّ اِلَیهِ مِن وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِین. (صحیح البخاری، کتاب الایمان)

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میری محبت و عقیدت اس کو، اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہو''۔

دنیاوآخرت کی بھلائی آپ ﷺ کی سیرت کواپنانے میں ہے

کتاب وسنت کی ان تعلیمات کی روشنی میں یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ دنیااورآخرت کی بھلائی اسی میں مضمر ہے کہ حضورا کرم ﷺ کی اتباع اس انداز میں کی جائے کہ آپ ﷺ کا اسوۂ کامل ہماری زندگیوں کی اساس اور مرکز ومحور بن جائے۔ جب تک ہمارے اعمال کی بنیاد یا اساس مسنون نہیں ہوگی، ہماری زندگی ایمانی تقاضوں کوفراموش کرنے کی خطامرتکب ہوتی رہے گی۔ پیغمبرانہ زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کے بعد اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی ذی روح یا تنفس اتباع رسول کے بغیر زندگی گزارنے کی جسارت کرے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی واحد پناہ گاہ ہے، جہاں ہمارے فکروعمل کے سارے داعیات کوسلامتی اور صراطِ مستقیم میسرآسکتی ہے۔

انسان اگر اپنے مقصد تخلیق کے تقاضوں سے باخبر ہونا چاہتا ہے اور وہ ان مطالبات کی تعمیل بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے سیرت نبوی ﷺ کے آخری اور کامل نمونے کا مطالعہ ہَوا، پانی اور روشنی کی طرح ناگزیر ہے، روئے زمین پر آج تک انسان دوطرح سے زندگی بسر کررہے ہیں، ایک تو خود پسندی، خود پرستی اور نفس پرستی کا راستہ ہے جو ہر انسان کے اندر ایک چھوٹا یا بڑا نمرود، فرعون، ہامان یا شداد پیدا کردیتا ہے، دوسرا خدا پرستی یا عبودیت الٰہیہ کا راستہ ہے، جسے حق پرست پیغمبروں نے انسانیت کے لئے واضح کیا اور جس کا آخری اور مکمل نمونہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں میسرآیا ہے۔ ان دونوں راستوں پر چلنے والوں کے کردار کیا کیا رہے ہیں۔ اس کا واضح نقشہ ہمیں قرآن مجید میں رحمانی اور

شیطانی کرداروں کے ضمن میں نمایاں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف پسندی اور غیر جانبداری سے اپنی زندگی کے مقصود کا جاننا چاہتا ہے اور اس مقصودِ حیات کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسوۂ رسول اکرم ﷺ ہی ایک ایسا راستہ اور اتباع رسول ہی ایک ایسا رجحان اور رضائے الٰہی ہی ایک ایسی منزل ہے، جو اس اسلوب زندگی کو اختیار کرنے کے فطری نتائج ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا ہر پہلو قرآن سے واضح ہے

رسول اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ جن کا احاطہ کرنے کے لئے کتاب داروں نے بہت سے کتابیات تیار کی ہیں۔ اگر اس پورے ادبیاتِ سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخِ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو لٹریچر تیار ہوا ہو۔ سیرت تو ایک مستقل میدان تحقیق و تصنیف ہے۔ خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لئے ایک الگ سے کتابی جائزے کی ضرورت ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے اور یہ بات ہمیشہ حقیقت رہے گی کہ سیرتِ نبوی ﷺ کا سب سے کامل اور معتبر ذخیرہ، لوازمہ اور سرمایہ خود قرآن مجید ہے۔ مجھے ان تمام سیرت نگاروں کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ دنیا سے تمام ذخیرہ سیرت ختم ہو جائے اور صرف قرآن مجید کا متن موجود رہے تو آپ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ و مطہرہ کا ہر پہلو محفوظ رہے گا۔ آپ ﷺ کی نبوی زندگی کا ہر پہلو اور اسلامی ہدایت کا جملہ سامان اس کتاب سے واضح ہے۔

قرآن مجید کے اسی لوازمہ سیرت کی کاملیت کے پیش نظر ہی تو قرآن نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً (الاحزاب:٢١)

”درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر

اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے''۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (القلم:۵) ''اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں''۔

هُوَا الَّذِی اَرسَلَ رَسُولَهٗ بِالهُدٰی وَدِینِ الحَقِّ لِیُظهِرَهٗ عَلَی الدِّینِ کُلِّهٖ، وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیداً o مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه ، وَالَّذِینَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَینَهُم تَرَاهُم رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبتَغُونَ فَضلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضوَانًا. سِیمَاهُم فِی وُجُوهِهِم مِّن اَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِکَ مَثَلُهُم فِی التَّوراةِ وَمَثَلُهُم فِی الاِنجِیلِ، کَزَرعٍ اَخرَجَ شَطئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاستَغلَظَ فَاستَوٰی عَلٰی سُوقِهٖ یُعجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیظَ بِهِمُ الکُفَّار. وَعَدَاللّٰهُ الَّذِینَ اٰمَنُو وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ مِنهُم مَّغفِرَةً وَّ اَجرًا عَظِیمًا.(الفتح)

''وہ اللہ ہی ہے، جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سارے ادیان و مذاہب پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں، تم جب دیکھو گے، انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں، جس سے وہ نمایاں پہنچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے، جس نے پہلے کونپل نکالی، پھر اس کو طاقت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے، تا کہ کافر ان کی نشو نما پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے''۔

ماخذاتِ سیرت میں قرآن پاک کی حیثیت اور حقیقت تو واضح ہے۔ احادیث بھی اس سیرت کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ہیں۔ صحاح ستہ اور اس کی شروحات میں، وہ تمام کا نامہ سیرت موجود ہے۔

اس کارنامۂ سیرت کا اساسی لوازمہ حضور کریم ﷺ کے اقوال و اعمال، فرامین و

ارشادات اور ہر نوع کی دستاویزات میں موجود ہے۔ صحابہؓ نے اس ذخیرہ کو جس عقیدت، محنت، مسئولیت اور ذمہ داری کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کیا اور محدثین کی جماعت نے جس ترتیب و ترکیب کے ساتھ اس سے استفادے کی شکلیں پیدا کیں اور اس کے فہم کے لئے جس نوعیت کے علوم و فنون کا اختراع کیا، یہ بات خود تاریخ علم کا ایک معجزاتی کرشمہ ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کے بعد احادیث کی مدد کے بغیر وقائع سیرت اور کارنامۂ سیرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

مگر قرآن مجید کے علاوہ تمام اصناف علم اور اقسام تحقیق کے لوازمے کو اصول سیرت کی روشنی میں پرکھنا چاہیئے۔ ہر چند اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کی طرح اصولِ سیرت پر الگ سے مستند کتب نہیں لکھی گئی ہیں۔ دورِ حاضر میں کچھ حضرات نے فقہ السیرہ کے عنوان سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وقائع سیرت کے اخذ و ترک میں قریب قریب وہی منہج اور اصول اختیار کرنا پڑے گا جو اہل علم حدیث کے اخذ و قبول میں اختیار کرتے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ عربی زبان میں اس اصول کے تحت سیرت نگاری کی نئی اور مفید کوششیں منصۂ شہود اور منظر عام پر آ رہی ہیں۔

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہوئے، مصنفین سیرت کی کثرت ایک قاری کو حیران کرتی ہے اور بلاشبہ اس عقیدہ میں اضافہ کرتی ہے کہ سیرت و سوانح پر گزشتہ چودہ صدیوں سے مسلسل لکھا جا رہا ہے مگر ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں سیرت مغازی، دلائل شمائل، مدارج، معارج، سیر اور میلاد کی صورت میں لکھی جاتی رہی، مگر گزشتہ ایک صدی سے موضوعات سیرت پر توجہ بڑھ گئی ہے۔ سیرت کے موضع پر ابھی تک جو کوائف کتابیاتی تفصیلات کے ذریعے سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق دنیا کی پچاس سے زائد زبانوں میں دس ہزار سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں تحریر ہو چکی ہیں۔ ہر چند ان میں بعض زبانوں میں تخلیق سطح پر سیرت نگاری کی بجائے تراجم سے کام لیا جا رہا ہے۔ قرآن مجید احادیث اور کتب سیرت کے تراجم دعوت اسلامی کے بنیادی ہتھیار ہیں۔ اس

امر کی بھی صورت ہے کہ مختلف علمی اور دینی رسائل و جرائد میں جو لاکھوں مضامین سیرت کے موضوع پر شائع ہو چکے ہیں، ان کی بھی زبان وار فہارس تیار ہونا چاہیئے اور اس ذخیرے کو کسی ترتیب سے الیکٹرانک پیڈیا مرتب کر سکیں، جو دورِ حاضر کی انسانیت کی علمی، دعوتی اور دینی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

سیرت النبی ﷺ کے امتیازات کے لئے جو تفصیلی پس منظر ہم نے بیان کیا ہے، یہ بذات خود امتیازات سیرت کا ایک ناگزیر باب ہے۔ امتیازات سیرت میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ انسانیت کو جس سیرت کی ضرورت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن مجید میں محفوظ کر دی گئی ہے۔ آپ ذرا قرآن مجید کا نسخہ ہاتھ میں تھامئے اور عربی متن کے ساتھ ان آیات کا ترجمہ پڑھتے چلے جایئے، تو آپ کو امتیازات سیرت کا واضح شعور اور ادراک حاصل ہو جائے گا، متن کی طوالت کے پیشِ نظر ہم صرف بعض قرآنی سورتوں کی متعلقہ آیات کے نمبر شمار کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔ (۲۱، الانبیاء، ۱۰۷)، (۳۴، سبا، ۲۸)، ۳۳، الاحزاب، ۴۰)، (۵، المائدہ، ۳)، (۲، البقرہ، ۱۵۱)، (۳، آل عمران، ۳۱۔۳۲)، (۱۷، بنی اسرائیل، ۱)، (۵۳، النجم، ۳۔۴)، (۱۰۸، الکوثر، ۱)، (۹۴، الم نشرح، ۴)، (۸، الانفال، ۶۵)، (۳۳ الاحزاب، ۲۱، ۴۵۔۴۶)، (۶۸، القلم، ۴)۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس مختصر انتخاب سے کارنامۂ سیرت کے اس امتیاز کا اندازہ ہو جاتا ہے، جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔ آدم علیہ السلام سے حضور ختمی مرتبت ﷺ تک دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ قرآن مجید کی آخری وحی میں اس دین اسلام کی تکمیل کا اعلان یوں کیا گیا ہے۔

اَلیومَ اَکمَلتُ لَکُمْ دِینَکُم واَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الِاسلَامَ دِیناً. (المائدہ:۳) ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی

نعمت تم پر تمام کردی اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے"۔

کاروانِ اسلام اور قافلۂ نبوت کے اس سفر کے دوران ہزاروں انبیاء ورسول مبعوث ہوئے، ان کی طرف مستقل کتابوں کے علاوہ سینکڑوں صحائف بھی نازل کئے گئے۔ ان الہامی صحائف اور کتابت اور کتابِ سماوی میں تحریف کے باوجود جگہ جگہ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں، جن کا مصداق آپ ﷺ کی ذات اور شخصیت کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔ جیسا کہ کچھ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

آسمانی اور الہامی صحائف کی بشارات کے علاوہ غیر آسمانی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کے لئے واضح پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ ہمیں ان کتابوں کے بارے میں یقین ہے کہ یہ انسانی دماغ اور قلم کی پیداوار ہیں، مگر اس کا کیا کیجئے کہ ان میں بھی آپ ﷺ کے لئے واضح پیشن گوئیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں قید، پوران، دھمید اور اوستا جیسی کتب میں یہ لوازمہ موجود ہے۔

سیرت النبی ﷺ کا ایک یہ امتیازی پہلو پیشِ نظر رہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے ہر مذہب کے اسکالرز اور مصنفین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، ان میں سے اکثر کتب تو معاندانہ ہیں، کچھ میں اصلاح طلب مواد اور لوازمہ ہے اور چند ایک واقعتاً ایسی ہیں کہ ان کے ہر صفحے پر وفورِ محبت کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح غیر مسلم شعراء نے آپ ﷺ کی نعت میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔

اس ضمن میں ہم مشہور مغربی مفکر تھامس کارلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے ایک زمانے میں اپنے خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اس نے اس سلسلے کا دوسرا خطبہ پیش کیا تو خطبے کے دوران لوگوں نے اس لئے احتجاجاً واک آؤٹ کیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں حضرت محمد عربی ﷺ کو انبیاء ورسل کا ہیرو قرار دے رہا ہے۔ تھامس کارلائل کے اس مضمون کے دو ترجمے اردو زبان میں ہو چکے ہیں۔ یہ خطبہ کوئی بہت مثبت جذبات کا حامل نہیں، مگر اس کے باوجود اس میں آپ ﷺ کی عظمت وشوکت کے کچھ پہلو آشکارا ہوتے

ہیں۔

ابھی ربع صدی قبل مائیکل ایچ ہارٹ کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ جس میں تاریخ انسانی کے ۱۰۰ ایسے نمایاں افراد کا تذکرہ ہے، جنہوں نے سب سے بڑھ کر تاریخی عمل کو متاثر کیا ہے۔ ساتھ ہی مصنف نے ان سب کی درجہ بندی بھی کردی ہے کہ سب سے نمایاں شخصیات کون سی ہیں۔ وہ اپنے تاریخ انسانی اور تجزیئے کے باوصف اس امر کا اعتراف کرنے مجبور ہے کہ حضرت محمد عربی ﷺ نے تاریخ انسانی اور تہذیب انسانی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ مائیکل ایچ ہارٹ کی طرح مختلف مذاہب اور ممالک کے ماضی و حال کے بہت سے تذکرہ نگار ایسے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی تعریف و تحسین میں اچھے کلمات لکھے ہیں۔ غیر مسلموں کی ان آراء پر مبنی بہت چھوٹی بڑی کتابیں ذخیرۂ سیرت کا مستقل حصہ ہیں۔ ہم اس موقع پر مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کی اس رائے سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بات کہی ہے کہ پانچ لاکھ راویانِ سیرت نے آپ ﷺ کے وقائع کو بیان کیا ہے، یہ ایک ایسا مقدس سلسلہ ہے کہ جو کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گا اور ہر شخص اس میں حصہ لینے کا آرزومند دکھائی دیتا ہے۔

امتیازاتِ سیرت پر توجہ کرتے ہوئے ہمیں ذخیرۂ حدیث میں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت بہت اہم دکھائی دیتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ۔ **اعطیت خمسا لم یعطھن احد قبلی نصرت بالرعب مسیرۃ شھر وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد من قبلی واعطیت الشفاعۃ وکان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ.** ''مجھے پانچ ایسے (امتیازات) دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے۔

(۱)۔ ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ ساری روئے زمین میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے، جو

جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۳)۔ غنیمت کا مال میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے، جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔

(۴)۔ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔

(۵)۔ پہلے انبیاء علیہم السلام اپنی اقوام کے لئے خاص ہوا کرتے تھے، مگر میں ساری دنیا کے لئے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ سراپا امتیاز ہے

رحمت عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ سراپا امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کو جو کتاب قرآن مجید کی شکل میں عطا کی گئی، وہ اپنی جگہ ایک دائمی اور زندہ معجزہ ہے۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرتیں اس امر کی غماز ہیں کہ ان سے بہتر کوئی گروہ تاریخ میں نہ اس سے پہلے گزرا اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ ان برگزیدہ اور پاک باز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت نے آپ ﷺ کی سیرت کو علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے محفوظ کر دیا۔ پہلی صدی ہجری میں امت کا ادلہ شرعیہ پہ کامل اجماع تھا۔ جس کی برکات سے امت مسلمہ اور انسانیت قیامت تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ کیسی بابرکت بات ہے کہ پہلی وحی ہی میں علم کو قلم کی حمایت حاصل ہو گئی اور پھر کتابت کے حوالے سے کاتبوں کا ایک عظیم گروہ پیدا ہو گیا۔ جنہوں نے قرآن مجید، احادیث اور سیر و مغازی کے دفتر لکھے، جن پر ائمہ و محدثین نے ایسی جزرسی اور پختگی سے نگاہ رکھی کہ احوال و حقائق میں کسی نوعیت کی تحریف اور کمی و اضافہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ آج اگر کوئی وقائع سیرت میں کوئی تغیر یا تبدیلی کرنا چاہے تو سینکڑوں علماء اور محققین اس کی گرفت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ ائمہ و محدثین کی یہ انہی محنتوں کا صلہ ہے کہ اب روایت اور راوی کی تحقیق کے لئے دریافت اور جرح و تعدیل کا فن موجود ہے، جن کی مدد سے تخریج کی تحقیقی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

اس موقع پر سیرت کے امتیاز کو تحریری مسودات اور دستاویزات کے حوالے سے سمجھنے

کی ضرورت ہے۔ خود عہدِ رسالت ﷺ میں آپ ﷺ نے عرب اور اس کے اردگرد کے بادشاہوں اور قبائل کے اکابرین کو خطوط لکھوائے، آپ ﷺ کے خطبات حفظ کئے جاتے تھے اور لوگوں کی فرمائش پر اس کی نقول بھی فراہم کی جاتی تھیں۔ ایک ایسی ہی نقل خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن کے بادشاہ ابوشاہ کو فراہم کی گئی۔ سفرِ ہجرت میں سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک کو حضرت ابوصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام حضرت غلام عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن فہیرہ ایک امان نامہ آپ ﷺ کے حکم پر لکھ کر دیتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ میں تشریف آوری پر مدینہ کی شہری ریاست کے لئے آپ نے پہلا آئین تحریر کروایا۔ جو دنیا میں اس امر کی مثال تھی کہ کسی فرمارواں نے پہلی مرتبہ اپنی ریاست کے باشندگان کے حقوق و فرائض کے لئے ایک تحریری دستور لکھوایا اور عطا کیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو ارضِ روم میں ان کے آباواجداد کے علاقے لوٹانے کے لئے تاریخ اسلامی کا پہلا ہبہ نامہ بھی آپ ﷺ ہی نے تحریر کروایا۔ صلح حدیبیہ اور مختلف وفود کے ساتھ معاہدات آپ ﷺ ہی نے تحریر کرائے۔ اسلامی ریاست کی مردم شماری بھی آپ ﷺ کے حکم سے ریکارڈ کی جاتی تھی۔ حجاز کی وسیع تر اسلامی ریاست میں دوسری ریاستوں کے عمال اور قاضیوں کو ریاستی احکامات لکھوا کر بھجوائے جاتے تھے۔ مسجدِ نبوی ﷺ میں قائم ہونے والے بیت المال کی آمد و خرچ کی تمام مدات موجود اور محفوظ ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ نے مختلف نوعیت کے عائلی، دیوانی، فوجداری اور تجارتی فیصلوں کا اعلان کیا، جن کو بالآخر محفوظ کر لیا گیا، آپ ﷺ کے گھر میں آخری سالوں میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کچھ لکھتے تھے، وہ آپ ﷺ کو دکھا لیتے تا کہ ان کی تحریروں کی توثیق ہو سکے۔

الغرض قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ بیسیوں قسم کی تحریرات اور دستاویزات ہیں، جو امت کی تعلیم اور رہنمائی کے لئے آج تک موجود ہیں۔ کیا ایسی علمی، تحقیقی اور دستاویزی شہادت کسی دوسری نبوت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امتیازات سیرتِ نبوی ﷺ کا ایک غیر معمولی کارنامہ سیرت ہے۔

امتیازاتِ سیرت کا انوکھا امتیاز

امتیازاتِ سیرت کا ایک انوکھا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی سوانح آپ ﷺ کے حالات کو کمال حزم واحتیاط سے محفوظ رکھا گیا ہے، اس امتیاز کو سمجھنے کے لئے، ذرا ایک مثال کو ذہن میں لائیے۔ فرض کیجئے کہ ہم موجودہ عہد کے دو بڑے سیاسی سربراہوں کے صرف ایک دن کے چوبیس گھنٹے کے احوال کا مکمل نقشہ جاننا چاہیں کہ روس کے صدر اور امریکہ کے صدر بش نے سالِ رواں کا ایک دن کیسے گزارا۔ تو شاید اس کی مکمل اور جامع تفصیلات ہمارے سامنے نہ آسکیں۔ دراں حالیکہ اس دور میں ایسی شخصیات کے ساتھ ان کے پرائیویٹ سیکریٹری، ان کا وسیع ترعملہ، ہمہ وقت اور ہمہ نوع خدمات کے لئے تیار ہوتا ہے۔ فوٹو گرافرز موجود ہوتے ہیں۔ آڈیو، ویڈیو سہولتیں موجود ہیں۔ ان کے پریس سیکریٹری موجود ہیں، ان کے ذاتی معالج، ان کے طعام خانے کے ماہر باورچی، ان کی تفریح کے لئے مخصوص افراد، دوست اور احباب اور اہل خانہ اور متعدد دوسرے افراد اور ایجنسیز مختلف خدمات کے لئے موجود ہیں۔ مگر ان کی موجودگی اور دستیابی بھی کسی ایک دن کے چوبیس گھنٹے کی لمحہ بہ لمحہ مصروفیات اور مشغولیات کا ریکارڈ پیش نہ کرسکیں گی۔ مگر قربان جایئے حضرت محمد عربی ﷺ کے کوائفِ حیات کے تمام ماہ وسال کے تمام وقائع اور مصرفیات کا جامع نقشہ اور تفصیلات آج ہمیں میسر ہیں۔ آپ ﷺ کے معمولات کیا تھے۔ آپ ﷺ کا حلیہ مبارک کیسا تھا۔ گھریلو رہائش میں موجود بستر اور برتن کیسے تھے۔ آپ کی نشست وبرخاست، خورد ونوش، لباس وطعام، اندازِ کلام، مختلف افراد سے باہمی میل جول، پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی تفصیل، ملنے والوں کی روداد یں حتیٰ کہ اپنی ازواج مطہرات جو اُمت کی مقدس ومحترم مائیں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات، سب تفصیلات آپ ﷺ نے خود بیان فرمائی اور آپ ﷺ کے متعلقین نے ان کا باضابطہ ریکارڈ مرتب کیا، کیا دنیا کی کوئی شخصیت ایسا کہہ سکتی ہے کہ اس کی شبینہ مصروفیات کو دن کی روشنی میں بیان کیا جائے، کیونکہ پیغمبر کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر عمل

اُمت کے لئے خیر وفلاح کا باعث ہے۔ سیرت النبی ﷺ کا یہ امتیاز ایسا ہے، جو آپ ﷺ کی شخصیت اور کارناموں کو ایک امتیازی رنگ عطا کرتا ہے۔ اللھم صلّ علیٰ محمد ﷺ

رسول اکرم ﷺ ایک جامع انقلاب کی نوید لے کر آئے

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک جامع ترین انقلاب کی نوید لے کر آئے۔ یہ ایک ایسا انقلاب اور ایک ایسا دعوتی نظام تھا، جو اعتقادی، علمی، معاشرتی، عدالتی، عسکری، ثقافتی، تجارتی، سفارتی، تہذیبی، آئینی سیاسی اور بین الاقوامی تعلقات کی سطح پر ایک کامل انقلاب تھا۔ اس انقلاب کی اس جہت پر توجہ کیجئے کہ یہ قلیل ترین مادی وسائل کے ذریعے مکمل ہوا۔ مادی سہولتوں اور مالی فراغتوں کے اعتبار سے مکی زندگی ہو یا مدنی دور، عمومی طور پر عسرت اور تنگ دستی کا عالم رہا۔ فقر وفاقہ کی زندگی کا چلن تھا۔ صرف چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے تھے، جنہیں ہر طرح کی مالی آسودگی اور معاشی فراغت میسر تھی اور ان کے پاس اموالِ تجارت، مالی مویشی یا کھیتی باڑی کا موزوں انتظام تھا۔ یہی باعث ہے کہ آپ ﷺ کو تمام اہم امور خصوصاً بعض غزوات کے لئے خصوصی تعاون کے لئے اعلان کرنا پڑتا تھا۔ سیرت النبی ﷺ کے اس دور میں شعب ابی طالب کی صعوبتوں کا منظر ہمارے سامنے ہے۔ بعض حالات میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہوتا تو اس کے لئے موزوں تجہیز وتکفین کا سامان تک فراہم نہ ہوتا۔ اگر کسی مرنے والے کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ پاؤں کو ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مکانات عموماً مختصر، کچے اور سادہ تھے۔ اسلامی ریاست کے اردگرد کی ریاستوں اور تہذیبوں کے نقشے کا کوئی رنگ یا شائبہ یہاں دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان معاشی حالات میں اس انقلاب کی تکمیل ایک معجزہ نما اثر اور نتیجہ رکھتی ہے۔

اس انقلاب اسلامی کی تکمیل کے لئے، جہاں تک افرادی قوت کا تعلق ہے، ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ مکی زندگی میں تو مسلمانوں کی تعداد بمشکل دو سو سے کچھ زائد تھی۔ سیرت

نگاروں نے تو ان کے نام اور قبیلے بھی محفوظ کر دیئے ہیں۔ البتہ افرادی قوت کا پہلا مظاہرہ غزوۂ بدر کے موقع پر رمضان ۲ھ میں سامنے آتا ہے کہ مسلمان مَردوں میں سے لڑنے کے لائق افراد کی امکانی تعداد ۳۱۳ سے آگے نہیں بڑھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو کے قریب صحابہؓ کا تذکرہ ملتا ہے۔ ۹ھ میں آپ ﷺ نے جو پہلا اور آخری حج ادا کیا، اس میں عرفات کے میدان میں ریکارڈ حاضری ایک لاکھ چالیس ہزار کے قریب صحابہؓ کی بتائی جاتی ہے۔ یہ وہ افرادی قوت تھی، جس میں اتنے بڑے عالمی اور آفاقی، اخلاقی اور ایمانی انقلاب کی تکمیل کی۔

ذرا ایک نظر اس نظام الاوقات پر بھی ڈال لیں۔ اس انقلاب کو اپنی تکمیل کے لئے مکہ مکرمہ میں تو تیرہ سال کا عرصہ ملا، جس میں اسلامی تعلیمات اور دعوت و انقلاب کے لئے زمین اور زمانہ کی ناہمواریوں کے باعث ہجرت کے حکم الٰہی کے تحت اہلِ ایمان کا قافلہ اپنے امیر کارواں کے ساتھ مدینہ منورہ میں منتقل ہوگیا۔ یہاں کے دس سالوں میں آپ ﷺ نے اس پیغام اور دعوت کے مطابق ایک صالح معاشرہ بھی تشکیل دیا اور ایک مثالی فلاحی، اسلامی اور آئینی ریاست کو بھی استحکام دیا۔ یوں اسلامی انقلاب کی عملی تکمیل مدنی زندگی کے آخری آٹھ دس سال میں ہوئی، اب ذرا انقلاباتِ عالم کی تاریخ کو اپنی نگاہوں میں لایئے۔ اول تو کیا انہیں ایک انقلاب کہا جاسکتا ہے یا نہیں، کیونکہ اس ایک مدنی انقلاب کے علاوہ سب عالمی تغیرات ایک فساد اور انتشار سے ابھرے اور اس کے نتیجے میں ایک بڑا فساد اور انتشار انسانیت کے سامنے آیا۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ہمیں چھٹی صدی عیسوی کا آخری زمانہ اور ساتویں صدی عیسوی کے ربع اول کے حالات وواقعات کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔

اس زمانے میں حجاز کے شمال میں رومی شہنشاہوں اور بازنطینی تہذیب کا رواج تھا۔ حجاز کے شمال مشرق کی جانب ایران کی وسیع سلطنت میں کسرائے ایران کی حکومت تھی۔ مصری بھی ایک قدیم دیو مالائی تصور کی حامل ثقافت کے خوگر تھے۔ ہندوستان کے علم الاصنام میں ویدانتی تعلیمات، گوتم بدھ کے ملفوظات اور بعض دوسرے ویدوں اور پرانوں کی

تعلیمات کی ایک کھچڑی تھی، جس میں ذات پات کے بندھن نمایاں تھے۔ انسان وحدت اور انسانیت اخوت سے محروم تھی۔ کنفیوشس کی تعلیمات کا چراغ سرد ہو چکا تھا۔ زرتشت کی ژند ہو یا پاژند دونوں معدوم ہو کر نئے دساتیر میں تبدیل ہو رہی تھیں۔ اس کا یزداں اور اہرمن کا تصور دوئی اور تناقص کا شکار تھا۔ ان احوال عالم میں جب کہ رومی بادشاہ ایسے اکھاڑے سجاتے تھے، جہاں بھوکے درندوں کے سامنے مجبور ومقہور انسانوں کو پھینک کر ان کی فریاد وفغاں سے محظوظ ہونے کی روایت تھی۔ ٹھنڈی شکار گاہوں سے لوٹنے والے شہزادے فطری حرارت کے لئے دو تازہ دم غلاموں کے پیٹ چاک کر کے اپنے ٹھنڈے پاؤں ان میں ڈال دیتے تھے۔ ایرانی بادشاہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے ازدواجی تعلقات استوار کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہندی مذاہب میں عورت اور مرد کے آلات تناسل کی پوجا ہو رہی تھی۔ خود حجاز کی سر زمین بعض خصوصیات کے استثنا کے باوجود فتنہ وفساد کی آماجگاہ تھیں۔ قرآن مجید نے اس عالمی صورت حال پر کیا جامع تبصرہ کیا ہے۔ **ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُم يَرْجِعُون .** (الروم:۴۱)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے، لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تا کہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں''۔

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں عالمی سطح پر یہ وہ حالات تھے، جن کے بارے میں انتہائی مختصر اشارات کئے گئے ہیں۔ اس صورت حال میں ایک نئے عالمی انقلاب کی صالح بنیادوں کی تعمیر کے لئے آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی بنیاد پر جس معاشرے اور ریاست کی تعمیر کی وہ سیرتِ نبوی ﷺ کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب حکمِ الٰہی کے تحت مکہ مکرمہ کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اس عظیم ہجرت کے نتیجے میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی، اس کا رقبہ بمشکل چار مربع میل تھا۔ لیکن دس سالوں کی دعوتی سرگرمیوں اور تنظیمی اصلاحات کے

باعث یہ ریاست آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بارہ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔ عہدِ فاروقیؓ میں اس کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل سے زائد اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک یہ اسلامی ریاست ۶۵ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔ یوں اسلامی ریاست اور اس کا حکمران اپنے زمانے اور عہد کی سب سے بڑی قوت بن کر ابھرا جو خالق کی کائنات میں مخلوق پر مخلوق کی حکمرانی کے سارے رشتے توڑ کر انسان کو خالقِ کائنات کی پہچان اور عبادت کے سارے مواقع فراہم کرتا ہے۔ انسانیت پر آپ ﷺ کا یہ وہ دوسرا احسانِ عظیم ہے، جس کے ذریعے آسمانی ہدایت کے مطابق معاشرہ اور ریاست اپنے وجود اور وجوب کو قائم کرتی ہیں۔ یہ وہی کارنامۂ سیرت ہے، جس کے احیاء کے لئے آج ملائشیا سے مراکش تک اسلامی تحریکیں اور اصلاحی تنظیمیں سرگرمِ عمل ہیں۔

سیرتِ نبوی ﷺ کے اس آفاقی پیغام کا مرکز مسجد کا ادارہ تھا۔ اسلامی تاریخ کا وسیع اور گہرا مطالعہ رکھنے والے دانشور اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اسلامی ریاست کا سول سیکریٹریٹ مسجدِ نبوی ﷺ ہی میں قائم کیا گیا۔ اس کا پارلیمنٹ ہاؤس یا شوریٰ بھی اسی مسجد میں منعقد ہوتی تھی۔ اس کا جنرل ہیڈ کوارٹر اور کنٹونمنٹ بھی اسی مسجد میں قائم کی گئی۔ ۲۸ غزوات اور ۵۴ سرایا کی کمان اسی مسجد میں مرتب کی گئی۔ ان جہادی سرگرمیوں کے نتیجے میں دنیا سے خوف کے خاتمے سے امن وسلامتی کا احساس پیدا ہوا۔ یہاں پر مناسب ہوگا کہ ہم اس عسکری جدوجہد کو مختصر اعداد وشمار کے حوالے سے پیش کردیں۔

تیرہ لاکھ مربع میل کی یہ اسلامی ریاست جن ۸۴ جہادی معرکوں کے نتیجے میں تشکیل پائی۔ اس میں کل ۱۰۱۸ لوگ کام آئے، جن میں مسلمان شہداء کی تعداد ۲۵۹ اور کفار کے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد ۷۵۹ ہے۔ ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کا صرف ایک مجاہد قیدی بنا جب کہ دشمن کے ۶۵۶۴ سپاہی قیدی بنائے گئے، جن میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کو موقع پر رہا کردیا گیا۔ باقی ماندہ ۲۱۷ قیدیوں میں صرف دو کو ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ باقی ۲۱۵ کے بارے میں اگرچہ تحقیقی آرا ہمارے سامنے نہیں ہیں، مگر امید

واثق ہے کہ ان حضرات کو بھی رسولِ رحمت ﷺ کے دامن عاطفت میں پناہ مل گئی ہوگی۔ ان مذکورہ جنگوں کا پالیسی ساز ہیڈ کوارٹر بھی مسجد نبوی ﷺ میں قائم تھا۔

یہی مسجدِ نبوی ﷺ مسلمانوں کی عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ بھی تھی۔ اس میں آپ ﷺ نے پانچ سو سے زائد مقدمات کے فیصلے دیئے اور یہیں پر آپ ﷺ دوسرے قضاۃ کے فیصلوں پر نظر ثانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اسی مسجد کا دامن مسلمانوں کا مالیاتی ادارہ بیت المال کی حیثیت میں کام کر رہا تھا۔ جو شاید تاریخ انسانی میں اپنی مسئولیت اور احتساب کے لحاظ سے پہلا اسٹیٹ بنک تھا۔ اسی مسجدِ نبوی ﷺ میں ریاض الجنہ سے کچھ پیچھے جانب مشرق وہ چبوترہ ہے، جسے صفہ کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، یہاں پر مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ، جامعہ یا یونیورسٹی تھی، مگر فرق صرف اس قدر تھا کہ یہاں علوم پڑھائے نہیں بلکہ بنائے جاتے تھے۔

اسلام کی حکیمانہ تعلیمات کی درس و تدریس کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں پر مختلف موضوعات کے متخصصین تھے، اور یہ سارا علمی کارنامہ نبی امّی ﷺ کے ہاتھوں انجام پا رہا تھا۔ یہ مسجدِ نبوی ﷺ مسلمانوں کا اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس بھی تھی، جہاں پر دوسری اقوام اور ممالک کے مہمان ٹھہرائے جاتے تھے۔ ان کی خاطر تواضع کی جاتی تھی اور ان کے ساتھ معاہدات تحریر کئے جاتے تھے ذرا اور بھی جان لیجئے کہ یہ مسلمانوں کا سب بڑا ثقافتی مرکز بھی تھا، جہاں پر نکاح کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ یہیں پر صالح تفریح کے مواقع بھی میسر آتے تھے۔ کیا یہ سیرت نبوی ﷺ کا امتیاز نہیں کہ اس کامل دعوتی انقلاب کی تمام سرگرمیوں کا مرکز مسجد کا احاطہ اور چار دیواری تھی۔ کاش ہماری مساجد کو بھی ان کا بچھڑا ہوا مقام اور وقار واپس مل جائے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اسلامی معاشرہ پا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسے صالح اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لئے جن ضوابط، جن حقوق اور جن فرائض کا تعین کیا اس کے سبب اس معاشرے کے سو فیصد شہری تزکیۂ نفس کی لیبارٹری سے گزر کر نفس

مطمئنہ کے حامل شہری بن جاتے تھے۔ یہ وہ مقدس اور پاک باز شہری ہیں، جنہیں قرآن مجید نے فَاَصبَحتُم بِنِعمَتِہٖ اِخوَانًا اور رُحَمَآءُ بَینَھُم کی صفات کے ساتھ یاد کیا۔ یہ اس درجہ اللہ کے پسندیدہ بندے تھے کہ قرآن مجید نے ان کو پہچان کراتے ہوئے انہیں راشدون، صٰدقون، مُفلِحُون اور فائزُون جیسی صفات وکمالات سے آراستہ دکھایا ہے۔

امتیازات وکمالات سیرتِ النبی ﷺ کا تذکرہ مبارک تو بہت ناگزیر تفصیلات کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کا صرف ایک مجمل نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، آپ ﷺ کے امتیازات میں غلامی کے خاتمے، عورتوں کے حقوق کا تعین، دشمنوں کے ساتھ عفو ودرگزر، نسلی امتیازات کے خاتمے، جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ، ایک دستوری اور شورائی ریاست کا قیام، عدل اجتماعی کی اقدار کا فروغ، بچوں، عورتوں، والدین، اولاد، زوجین حتیٰ کہ جانوروں، پرندوں، فصلوں، اور راستوں تک کے حقوق کا تعین، قانون وراثت کی درستی، فلاحی ریاست کا کامل نقشہ، حدود وتعزیرات کا تعین، قانون بین الممالک کی روایت، سفارتی نظام کی تشکیل، احتساب اور مسئولیت کی روایت، حکومت برائے خدمت کی تعلیم، سادگی اور حیا کا کلچر، مختلف دوائرِ حیات میں اعتدال وتوازن کی روش، تزکیۂ نفس اور صالح تربیت کے آداب وضوابط کی عملی رہنمائی۔ یہ سب امور انسانیت کی مستقل خیر خواہی اور تہذیب وتمدن کے بقا واستحکام کا محکم راستہ اور روشن منزل ہے۔ اسی باعث اسی نبی رحمت عالم ﷺ کے تذکار کو قرآن مجید میں وَرَفعنَا لَکَ ذِکرَکَ کے خطابِ عظیم سے یاد کیا گیا ہے۔

اس سیرت مطہرہ ﷺ کا آپ جس قدر مطالعہ کرتے چلے جائیں گے، اسی قدر یہ راز آپ پر منکشف ہوتا چلا جائے گا کہ یہ بیان کی نہیں عمل کی سیرت ہے۔ ہمیں اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں اسی سیرت سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ یہ بالاتفاق ایک غلبے کی سیرت ہے۔ مگر مطالبات سیرت سے بے اعتنائی کے باعث ہم مغلوبیت اور مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔

آج مسلمان عالمی سطح پر اس سیاسی مرعوبیت اور عسکری مغلوبیت کا تدارک صرف

سیرت نبوی ﷺ پر عمل کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اس مقصدِ عظیم کے لئے ہمیں اپنے اعتقاد وعمل کو مسنون دائروں میں لانا ہوگا۔ ہمیں مسنون نبوی ﷺ زندگی کے سارے آداب ورسوم کو اختیار کرنا ہوگا۔ مسلمان ایک ایسے کلچر کا پیغام بر ہے، جس میں توحید کا رنگ اور ذائقہ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امتیازات سیرت النبی ﷺ کے اس مطالعے کے ذریعے وہ جادۂ حق نصیب کرے جس پر چل کر دین ودنیا کی سرفرازی عطا ہوتی ہے۔ (آمین یارب العالمین) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی نبی ﷺ کی سیرت وصورت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین (بشکریہ ماہنامہ مسیحائی کراچی، ہادی اعظم ﷺ نمبر)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر۴۳

رسولِ اکرم ﷺ کے شق صدر کی اہم خصوصیت

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تینتالیسویں خصوصیت ہے، جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کے شق صدر کی اہم خصوصیت" الحمدللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بھی بخشش ہوجائے گی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روز قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، بس اسی امید پر باوجود لوگوں کے اژدھام ہونے کے آقا ﷺ کی محبت میں لکھ رہا ہوں زبان پر درود جاری ہے، اور جس قدر روضہ مبارک کے سائے میں درود پڑھتا ہوں ایمانی کیفیت میں اضافہ نظر آتا ہے اور قلم چلاتے ہوئے ایک روحانی سرور نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہرحال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کا شقِ صدر یعنی قلبی آپریشن فرمایا جیسا کہ اس شقِ صدر کی مکمل تفصیل آنے والے اوراق میں پیش کی جارہی ہے، چنانچہ دیگر انبیاء کرامؑ کی سیرتوں میں ہمیں یہ خصوصیت نظر نہیں آتی، لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد ہماری یہ ہے کہ ہم خدانخواستہ دیگر انبیاء کی تنقیص کرنا چاہتے ہیں بلاشبہ یہ تو ہمارے نبی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق کفر ہے، ہم

تو اپنے آقا ﷺ کی خصوصیات کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہمارے دل میں ہمارے نبی ﷺ کی محبت زیادہ سے زیادہ بیٹھ جائے تا کہ تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کرنا آسان ہو۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ آنے والے اوراق میں ہمارے نبی کی اس خصوصیت کو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر مکمل طور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ لیجئے حضور ﷺ کی اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:۔

تینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

منجملہ نبوت کے اُن خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں، شقّ صدر یا شرح صدر بھی ہے، چنانچہ یہ رتبۂ خاص پیش گاہ الٰہی سے رسولِ اکرم ﷺ کو مرحمت ہوا۔ شقّ صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان وحکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت رسولِ اکرم ﷺ پر گزری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں رسولِ اکرم ﷺ پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جب رسولِ اکرم ﷺ چار پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب رسولِ اکرم ﷺ بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبریل علیہ السلام سب سے پہلی وحی لے کر آئے۔ پانچویں معراج کے موقع پر۔ البتہ سیرت کی کتابوں میں شقِ صدر کے وقع سے متعلق کچھ مزید تفصیل ملتی ہے، جو نذر قارئین ہے۔

معجزۂ شقِ صدر نہایت مستند اور صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ البتہ اس واقعہ کی بعض جزئیات اور وقتِ انعقاد کے بارے میں اختلاف ہے بعض روایات کے مطابق یہ واقعہ

رسولِ اکرم ﷺ کو صغر سنی میں پیش آیا۔اس وقت رسولِ اکرم ﷺ کی عمر چار پانچ برس کی تھی۔اور رسولِ اکرم ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ ؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔دوسری روایتوں کے مطابق یہ واقعہ رسولِ اکرم ﷺ کو معراج کے موقع پر پیش آیا۔ان کے علاوہ کچھ اور روایتوں میں اس واقعہ کا مختلف وقت بیان کیا گیا ہے۔لیکن ان روایتوں کو درجۂ استناد حاصل نہیں ہے اس لئے ہم پہلی دو قسم کی روایتوں پر انحصار کریں گے۔شقِ صدر سے مراد یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک کیا گیا اور اس میں ایمان و حکمت بھر دیئے گئے۔اس سلسلہ کی مشہور روایات یہ ہیں۔

شقِ صدر سے متعلق پہلی روایت

عتبہ بن عبد السلمیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا۔کھانا ہمارے ساتھ نہ تھا۔میں نے بھائی کو ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا۔اس کے جانے کے بعد میں نے دیکھا کہ گدھ کی طرح دو پرندے آئے ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے دوسرے نے کہا ہاں پھر دونوں نے لپک کر مجھے پکڑ لیا اور زمین پر لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف کے ٹھنڈے پانی سے دھویا۔اسکے بعد ایک نے کہا کہ تسکینِ قلبی لاؤ اور اس کو لا کر میرے سینہ پر چھڑک دیا اور پھر دونوں چلے گئے۔میں ڈرا اور اپنی ماں (حلیمہؓ) کے پاس گیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔وہ ڈر گئیں اور گمان کیا کہ بچے کے دماغ پر کچھ اثر کر گیا ہے۔انہوں نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں۔پھر وہ مجھے بٹھا کر میری والدہ (حضرت آمنہؓ) کے پاس لائیں۔والدہ نے کہا تم نے میری امانت پوری طرح ادا کی۔حلیمہؓ نے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے مطلق کسی خوف یا تعجب کا اظہار نہیں کیا۔اور کہا کہ اس بچے کی ولادت کے وقت میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔(مستدرک حاکم، مسند احمد حنبل)

شقِ صدر سے متعلق دوسری روایت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں: "میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے۔ ایک نے کہا یہ وہی ہیں، دوسرے نے کہا، ہاں! پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا اور میرے پیٹ کو پھاڑا، ایک سونے کی طشت میں پانی لاتا رہا اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا۔ پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو، تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی پھر ایک نے کہا دل کو چاک کرو، تو اس نے دل کو چاک کیا۔ پھر اس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو، تو اس میں سے جمے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی، پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو، تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی۔ پھر اس نے چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ پر لگا دیں۔ پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ۔ جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا۔ یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی۔"

شقِ صدر سے متعلق تیسری روایت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ کہ حضرت جبریلؑ آئے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر لٹا دیا پھر آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس میں سے قلب مبارک نکالا۔ اس میں سے ذرا سا منجمد خون نکالا اور کہا کہ یہ شیطان کا حصّہ تھا پھر قلب مبارک کو سونے کی طشت میں آبِ زمزم سے دھویا۔ پھر شگاف جوڑ دیا اور قلب مبارک کو اپنی جگہ پر رکھ کر سینے کو ٹانکے لگا دیئے۔ لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں (حلیمہ سعدیہؓ) کے پاس گئے اور کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ قتل کر ڈالے گئے لوگ آپؐ کے پاس پہنچے تو دیکھا رخِ اقدس کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک میں زخم کے ٹانکے ہم کو نظر آتے تھے۔ (صحیح مسلم، مسند احمد حنبل۔ دلائل ابو نعیم)

شقِ صدر سے متعلق چوتھی روایت

حضرت علی بن عبداللہ بن عباسؓ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جایا کرتے تھے۔ایک دن دوپہر کے وقت آپ کا رضاعی بھائی گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتا ہوا اپنے والدین کے پاس آیا اور کہنے لگا جلدی چلو ایک آدمی محمدؐ کو اٹھا کر پہاڑ پر لے گیا اور وہاں اس کا سینہ ناف تک چیر دیا ۔اس کے بعد کیا ہوا۔ مجھے معلوم نہیں یہ سن کر حلیمہؓ اور ان کے شوہر دوڑے ہوئے گئے دیکھا تو رسولِ اکرم ﷺ پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھے حیرت سے آسمان کی طرف تک رہے تھے۔حلیمہ نے رسولِ اکرم ﷺ کو سینہ سے لگایا اور حال دریافت کیا۔رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم دونوں بھائی بکریوں کے پاس کھڑے تھے کہ یکا یک تین آدمی آئے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں زمرّد کا طشت تھا جس پر برف تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا یہ تینوں مجھے پکڑ کر پہاڑی کی چوٹی پر لے آئے اور احتیاط سے لٹا کر ایک شخص نے میرا سینہ ناف تک چیر دیا۔ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوئی پھر اس نے میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر آنتیں اور دوسری چیزیں باہر نکالیں ان کو برف سے خوب اچھی طرح دھویا اس کے بعد ان سب چیزوں کو پیٹ کے اندر رکھ دیا۔ پھر دوسرا آدمی میرے قریب آیا اور اس نے میرے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر میرا دل نکالا ۔اس کو چاک کیا تو اس میں سے خون کا ایک سیاہ قطرہ نکلا۔اس نے قطرے کو پھینک دیا اور مجھ سے کہا اے اللہ کے حبیب آپ کے قلب مبارک میں جو شیطان کا حصہ ہے اس کو نکال دیا ہے۔اس کے بعد اس شخص نے میرے سینے میں کوئی چیز بھر دی جو اس کے پاس موجود تھی۔ پھر اُس پر نور کی مہر لگا دی۔اس وقت مجھے بھی اس مُہر کی ٹھنڈک اپنے بدن میں محسوس ہو رہی ہے۔اس کے بعد تیسرے شخص نے ان دونوں سے کہا کہ تمہارا کام ختم ہو چکا۔پھر وہ آگے بڑھا اپنا ہاتھ میرے سینے پر ناف تک پھیرا اور کہا ان کو ان کی امت کے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو۔ان دونوں نے دس آدمیوں کے

ساتھ میرا وزن کیا تو ان میں ان سے وزنی نکلا۔ پھر اس نے کہا انہیں چھوڑ دو اگر ان کا ساری امت کے ساتھ وزن کرو گے تو پھر بھی یہ ان سے بھاری ہونگے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے اٹھا کر بٹھا دیا اور میرے سر اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دے کر کہا اے اللہ کے حبیب آپ ہرگز خوف نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہے۔ اس کے بعد وہ تینوں آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ حلیمہ یہ سن کر آپ کو گود میں اٹھا کر لے آئیں (مسند بیہقی)

شقِ صدر سے متعلق پانچویں روایت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسولِ اکرم ﷺ خانۂ کعبہ میں استراحت فرماتے۔ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل بیدار تھا۔ یکا یک حضرت جبریل علیہ السلام چند دوسرے فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور رسولِ اکرم ﷺ کو اٹھا کر چاہ زمزم کے پاس لے گئے وہاں آپ کا سینہ مبارک چاک کر دیا اور اُسے آبِ زمزم سے دھویا پھر ایمان وحکمت سے بھرا ہوا سونے کا ایک طشت لایا گیا اور اس طشت سے ایمان اور حکمت کو لے کر آپ کے سینۂ مبارک میں بھر دیا گیا اور شگاف کو جوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد فرشتے آپ کو لے کر آسمان کی طرف پرواز کر گئے (جو اصحاب معراج کے موقع پر شقِ صدر کا واقعہ تسلیم کرتے ہیں وہ اسی روایت سے دلالت کرتے ہیں) (صحیحین، نسائی۔ مسند احمد حنبل)

شقِ صدر سے متعلق چھٹی روایت

ایک روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ "انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! جب آپ کو نبی بنانا چاہا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا ؟ اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟" فرمایا "اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے، پھر دس سے، پھر سو ۱۰۰ سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا۔ لیکن میرا پلّہ بھاری رہا۔ تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں۔ بعد ازیں میرا شکم

چاک کیا (اس کے بعد شقِ صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی''۔

شقِ صدر سے متعلق ساتویں روایت

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ (اپنے بچپن میں جب دائی حلیمہ کے پاس تھے تو اس وقت کا واقعہ ہے کہ (ایک دن آپ ﷺ) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبرئیلؑ آئے اور آپ ﷺ کو پکڑ کر چت لٹا دیا۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کے (سینہ کو) دل کے قریب سے چاک کیا اور آپ ﷺ کے دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا اور کہا کہ یہ تمہارے جسم کے کچھ شیطان کا حصہ ہے (اگر یہ ٹکڑا تمہارے جسم میں یوں ہی رہنے دیا جاتا تو شیطان کو اس کے ذریعہ تم پر قابو پانے کا موقع ملتا رہتا) اس کے بعد انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے دل کو ایک سونے کی لگن میں زمزم کے پانی سے دھویا اور پھر دل کو اس کی جگہ رکھ کر سینۂ مبارک کو اوپر......؟ برابر کر دیا۔ (وہ) بچے (جو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ تھے یہ پورا منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور) بھاگے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ کی ماں یعنی رسولِ اکرم ﷺ کی دایہ (حلیمہؓ) کے پاس آئے اور کہا کہ محمد ﷺ کو مار ڈالا گیا ہے (دایہ حلیمہؓ کے گھر اور پڑوس کے) لوگ (یہ سنتے ہی) اس جگہ پہنچے جہاں آپ ﷺ موجود تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو صحیح سالم دیکھا لیکن آپ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ خوف دہشت سے آپ ﷺ (کے چہرہ) کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ (یہ روایت بیان کر کے) کہتے تھے کہ میں......آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر سلائی کا نشان دیکھا کرتا تھا''۔ (مسلم)

تشریح......جامع الاصول میں عن قلبہ کے بعد واستخرجہ کا لفظ بھی منقول ہے اور پوری عبارت یوں ہے فشق عن واستخرجہ فاستخرج منہُ علقہ۔ اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: پھر انہوں نے آپ کے (سینہ کو) دل کے قریب سے چاک کیا دل کو نکالا اور پھر دل میں سے بستہ خون کا ایک سیاہ ٹکڑا نکال لیا (جو برائیوں اور گناہوں کی جڑ ہوتا ہے) سونے کے لگن میں زمزم سے دھویا۔'' سونے کی لگن کا استعمال

رسولِ اکرم ﷺ کی عظمت وکرامت کے اظہار کے لئے تھا جہاں تک سونے کے استعمال کی ممانعت کا سوال ہے تو اس کا تعلق اس دنیا کی عام زندگی کے امتحان وآزمائش سے ہے جس کا مقصد انسان کو اس دنیاوی زندگی میں ایسی بہت سی چیزوں سے باز رکھ کر اس کی بندگی کو آزمانا ہے جس میں کامیاب ہونے کے بعد آخرت میں وہی چیزیں اس کو اجر وانعام کے طور پر حاصل ہوں گی، اسی لئے آخرت میں نہ صرف یہ کہ سونے کا استعمال جائز ہوگا بلکہ جنت کے ظروف وبرتن بھی سونے کے ہونگے۔ پس شقِ صدر کا یہ تمام واقعہ جو اس وقت یا شبِ معراج میں پیش آیا، اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کے احوال سے تعلق رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ نقطہ بھی محفوظ خاطر رہنا چاہئے کہ سونے کی لگن کا استعمال خود رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا استعمال فرشتے نے کیا تھا جو احکام ومسائل میں ہماری طرح مکلّف نہیں تھا۔ ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ سونے کی لگن کے استعمال کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب احکام ومسائل کا نفاذ ہی نہیں ہوا تھا اور شرعی طور پر کسی چیز کی حلت وحرمت نازل اور معلوم نہیں ہوئی تھی۔

حدیث کے اس ٹکڑے سے یہ ثابت ہوا کہ زمزم کا پانی سب پانیوں سے افضل وبرتر ہے یہاں تک کہ جنت کے پانی پر بھی فضیلت وبرتری رکھتا ہے کیونکہ اگر کوئی شبہ نہیں کہ وہ پانی جو بطور معجزہ رسولِ اکرم ﷺ کی انگلی سے ابل کر نکلا تھا، یہاں تک کہ آبِ زمزم پر بھی فضیلت وبرتری رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ پانی رسولِ اکرم ﷺ دستِ مبارک کے اثر سے نکلا تھا جبکہ زمزم کا پانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروں کے اثر سے برآمد ہوا ہے۔

یہ حدیث اور اسی طرح کی دوسری حدیثیں اس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں جن کو جوں کا توں تسلیم کرنا واجب ہے اور بطریق مجاز تاویل وتوجیہہ کے ذریعہ ان کے ظاہری مفہوم ومعانی سے اعراض کرنا نہ تو جائز ہے اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہے کیونکہ ان حدیثوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ انسانی عقل وفہم سے کتنا ہی ماوراء کیوں نہ ہو، اس کے برحق اور سچ ہونے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے کہ اس کا تعلق قدرِ مطلق، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے

ظہور سے ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جن کی خبر صادق و مصدوق (ﷺ) نے دی ہے، لہٰذا ان کی صداقت شبہ برابر بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق جدید جلد پنجم)

شقِ صدر میں حکمت

رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے قلب مبارک کو صاف کرنے میں قدرت کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ آپ ﷺ کا باطن اس طرح مجلّی و پاکیزہ اور قلب مبارک اس قدر لطیف و روشن ہو جائے کہ وحی الٰہی کا نور جذبہ کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے اور منصب رسالت کا بار اٹھانے کے لئے قلب و دماغ پہلے سے تیار رہے، نفسانی وسوسوں کا آپ ﷺ میں کہیں سے گزر نہ ہوا، اور شیطان رسولِ اکرم ﷺ کو حق کی طرف سے غافل کرنے میں نہ صرف یہ کہ کامیاب نہ ہو سکے بلکہ رسولِ اکرم ﷺ سے بالکل مایوس ہو جائے ، جیسا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے الفاظ هٰذا حظ الشيطان منک اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اس بات کی وضاحت ایک بار پھر کر دی جائے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شق صدر سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ چار مرتبہ ظہور میں آیا ہے، ایک مرتبہ تو بچپن میں دائی حلیمہؓ کے پاس، جس کا ذکر اس حدیث میں ہے دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں، تیسری مرتبہ ظہور نبوت کے وقت اور چوتھی مرتبہ شب معراج میں اس وقت جب جبرئیلؑ آپ ﷺ کو لینے آئے

اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور قلب مبارک کا دھویا جانا صرف رسولِ اکرم ﷺ کے لئے مخصوص تھا یا دوسرے پیغمبروں کے ساتھ ایسا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے جو روایت ''تابوت'' اور ''سکینہ'' کے بارے میں منقول ہے اس میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس (تابوت) میں (دوسرے تبرکات کے علاوہ) وہ طشت بھی تھا، جس میں انبیاء علیہم السلام کے دل دھوئے گئے تھے، اس روایت سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بھی

سینے چاک کئے گئے اور ان کے دل دھوئے گئے تھے۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ کئی مرتبہ شق، صدر ہوا جبکہ دیگر انبیاء کے بارے میں اول تو وضاحت نہیں ملتی اور ہے تو ایک مرتبہ تو معلوم ہوا کہ متعدد مرتبہ شق صدر ہونے سے متعلق یہ آپ کے لئے خصوصیت ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب رسولِ اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے، آنکھیں سوتی تھیں، مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبرئیل علیہ السلام چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اٹھا کر وہ چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، یا آبِ زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا۔ سینۂ مبارک کو چاک کیا، پھر آبِ زمزم سے دھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا۔ پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینۂ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا اس کے بعد فرشتے رسولِ اکرم ﷺ کو آسمان کی طرف لے چلے۔ (صحیح بخاری)

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہرین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینۂ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھتا ہے، لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔ اما شق الصدر وملوهٗ ایمانًا نحققته غلبة الوار الملكية وانطفاء لهب الطبيعة وخضوعها لما لفيض عليها من خطيرة القدس.

ترجمہ: ''لیکن سینۂ مبارک کا چاک کرنا اور اسکو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہوجانا اور طبیعت میں بشری کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہوجاتا ہے۔'' ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔ (بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ)

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے فشرح صدر الٰی كذا و كذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اسی سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے:۔ الم نشرَح لکَ صَدرَکَ. ووَضَعنَا عَنکَ وِزرَکَ. الَّذِیٓ اَنقَضَ ظَھرَکَ۔ ''کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس سے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا۔''

''شرح'' کے لغوی معنی عربی میں ''چیرنے پھاڑنے'' کے ہیں۔ اسی سے طب کی اصطلاح ''علم تشریح'' اور ''تشریح اجسام'' نکلی ہے۔ چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہوجاتی ہے، اس لئے اس سے ''تشریح امر'' اور ''تشریح کلام'' ''شرح بیان'' اور ''شرح کتاب'' وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سے ایک اور محاورہ ''شرح صدر'' کا پیدا ہوا ہے جس کے معنی ''سینہ کھول دینے'' کے ہیں اور کلامِ عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کردینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی۔ ربِّ اشرَح لِی صَدرِی ویَسِّرلِی اَمرِی، وَاحلُل عُقدَةً مِّن لِّسانِی یَفقَهُوا قَولِی. (پروردگار! میرے سینہ کو کھول دے اور

میرے کام کو آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔'')

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم، انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک ومبرّا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعوے کے لئے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اسی کا نام علمی لدنی ہے۔ ''لدن'' کے معنی عربی زبان میں ''پاس اور نزدیک'' کے ہیں۔ چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے، اس لئے عرفِ عام میں علم لدنی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :۔ وعلَّمْناهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (کھف) ترجمہ: ''ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔''

رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔ كَذَالِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْراً (طٰہٰ)

ترجمہ: ''اسی طرح ہم تجھ سے گزشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم و ذکر بخشا ہے:۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں رسولِ اکرم ﷺ کو خطاب ہوتا ہے:۔

نحنُ نقُصُّ عليكَ اَحْسَنَ الْقصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيكَ هٰذَاالْقُرآنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ. (یوسف۔۱)

ترجمہ: ''ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعاً اس سے پہلے بے خبر تھا۔'' سورۂ شوریٰ میں ہے وكَذٰلكَ اَوْحَيْنَا اِلَيكَ رُوحاً مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا لْكِتَابُ وَلَاالْاِيمانُ ولٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُوراً نَّهْدِى بِهٖ مَنْ نَّشاءُ مِنْ عِبَادِنَا . (شوریٰ۔۵)

ترجمہ: ''اور اسی طرح ہم نے اے محمد (تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا تو پہلے یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا لیکن ہم نے اس کو

روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں۔ یٰآ بتِ اِنِّی قدجآء نی مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ یاْتِکَ ۔ (مریم۔۳) ترجمہ...... اے میرے باپ میرے پاس علم کا وہ حصّہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔

حضرت داوٗد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے: ولقد اٰتینا داوٗدَ وسُلَیمانَ عِلماً ۔ (نمل۔۲) ترجمہ...... "اور ہم نے داوٗد وسلیمان کو علم عطا کیا۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے:۔ اٰتَیْناہُ حُکماً وَّعِلماً ۔ (یوسف۔۳)
ترجمہ...... "ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا۔"

حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں:۔ ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّی ۔ (یوسف۴)
ترجمہ:...... "یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں۔"

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے:۔ ولُوطاً اٰتَینٰہُ حُکماً وَّعِلماً ۔ (انبیاء۔۵)
ترجمہ...... اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے ففَھَّمْنٰھا سُلَیمَانَ و کُلّاً اٰتَیْناہُ حُکماً وَّعِلماً ۔ (انبیاء)

ترجمہ...... ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربّانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور وفکر، تجربہ وامتحان تحصیل واکتساب اور جمع معلومات اور ترتیبِ مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہوکر آجاتی ہیں۔ صرف فہم وتمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور وتامل ایک بات اسی طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہوگئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی سی مثال ہے۔ اس منصبِ خاص

کے سینکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء کو اولیاء کو اور دیگر مؤمنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔ فَمَنْ یُّرِدِ اللہ اَنْ یَّھدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلام. (انعام۔۱۵)

ترجمہ...... جس کی رہنمائی خدا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے

یعنی بلا حجت وبُرہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق ومصاحف میں لکھوا دیجئے۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے مخالفت کی کہ جو کام رسولِ اکرم ﷺ نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکر ؓ کو انکار رہا۔ مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آ گئی۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:۔ حتٰـی شـرح اللہ صدره لذٰلک. (بخاری تالیف القرآن)

ترجمہ...... ''یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لئے میرے سینہ کو کھول دیا۔''

مفسّر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے رسولِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟'' فرمایا ''قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے۔'' پھر سوال کیا کہ ''یارسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟'' ارشاد ہوا ''حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق اور اس کی فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔'' یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل، سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور وحکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیۂ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے

نظم وحکومت اور فیصلۂ احکام کے لئے بے غور وفکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا، جس کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا۔علاوہ ازیں معراج کے حقائق ومناظر جونفوسِ نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں، ان کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔(بحوالہ سیرت النبیؐ ازعلامہ شبلی نعمانیؒ)

شق صدر کی مزید وضاحت

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں۔ثم ان جميع ما ورد من شق الصدر استخراج القلب وغير ذالک من الامور الخارقة للعادة مما يجب التسليم له دون التعرض لصرفه عن حقيقته لصلاحية القدرة فلا يستحيل بشئی من ذالک هكذا قاله القرطبی فی المفهم والطيبی والتور بشتی والحافظ فی الفتح والسيوطی وغيرهم ويويده الحديث الصحيح انهم كانوا يرون اثر المخيط فی صدره قال السيوطی وما وقع من بعض جهلة العصر من انكار ذالک وحمله علی الامر معنوی فهو جهل صريح وخطاء قبيح نشاء من خذلان اللّٰہ تعالٰی لهم وعكوفهم علی العلوم الفلسفية وبُعدهم عن دقائق السنة عافانا اللّٰہ من ذالک انتهیٰ.

ترجمہ...... ''یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھرنا چاہئے اللہ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں امام قرطبی اور علامہ طیبی اور حافظ تورپشتی اور حافظ عسقلانی اور علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی مؤید ہے وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابۂ

کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضور ﷺ کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہوتا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کی اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالیٰ کی عدم توفیق اور علوم فلسفیہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوری کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (بحوالہ زرقانی شرح مواہب)

خلاصہ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقۃً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے۔ شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو ایک خاص قسم کا علم ہے۔ صریح غلطی ہے۔ شق صدر حضور ﷺ کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابوبکر وعمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہو گا کہ سیون کا نشان جو آپ کے سینۂ مبارک پر صحابۂ کرام اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (بحوالہ سیرتِ مصطفیٰ)

شق صدر کے اسرار

پہلی مرتبہ جو حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانہ قیام میں قلب چاک کر کے جو ایک سیاہ نقطہ نکالا گیا۔ وہ حقیقت میں گناہ اور معصیت کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلب مطہر پاک کر دیا گیا اور نکالنے کے بعد قلب مبارک غالباً اس لئے دھویا گیا کہ مادۂ معصیت کا کوئی نشان اور اثر باقی نہ رہے اور برف سے اس لئے دھویا کہ گناہوں کا مزاج گرم ہے جیسا کہ شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے۔ اس لئے مادۂ معصیت کے بجھانے کے لئے برف کا استعمال کیا گیا کہ حرارت عصیان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے اور قرآن وحدیث سے بھی یہی معلوم

ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ انَّ الّذینَ یاکلون اموالَ الیتامٰی ظُلماً اِنّما یاکلُونَ فِی بُطُونِھِمْ ناراً۔ تحقیق جولوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مال حرام اگر چہ دنیا میں کتنا ہی ٹھنڈا کیوں نہ ہو لیکن عالم آخرت کے لحاظ سے اس کا مزاج آگ سے کم گرم نہیں جیسے صبر کا مزاج اس عالم میں حنظل سے زیادہ تلخ ہے مگر عالم آخرت میں عسل (شہد) سے زیادہ شیریں ہے۔ وقس علی ہذا۔ اور ایک حدیث میں ہے الصدقة تطفیٔ الخطیئة کما یطفیٔ الماء النار ۔یعنی صدقہ گناہ کو ایسا ہی بجھا دیتا ہے جیسا پانی آگ کو۔ (رواہ احمد والترمذی عن معاذ بن جبل)

ایک اور حدیث میں ہے ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار وانما یطفا النار بالماء فاذا غضب اَحَدُکم فلیتوضا: (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: غصہ شیطان کی جانب سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے (نتیجہ یہ نکلا کہ غصہ آگ سے پیدا ہوا ہے) اور جزا نیست کہ آگ کو پانی ہی سے بجھایا جاتا ہے۔ اس لئے جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کرلے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرے یا غسل کرے۔ آگ میں دو وصف خاص ہیں۔ ایک حرارت اور گرمی اور دوسرے علو یعنی اوپر کو چڑھنا۔ اس لئے رسولِ اکرم ﷺ نے پہلے وصف کے لحاظ سے غضب کا یہ علاج تجویز فرمایا کہ وضو کرو اور غصہ کی آگ کو پانی سے بجھاؤ اور دوسرے وصف یعنی بڑائی کے لحاظ سے یہ علاج تجویز فرمایا۔

اذا غضب احدکم وھوَ قائم فلیَجْلسُ فاِن ذھبَ عنه الغضب واِلّا فلیَضطَجعُ .رواہ احمد والترمذی عن ابی ذرؓ .

ترجمہ: ”جس کو غصہ آئے وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر اس سے غصہ جاتا رہے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے اس حدیث کو احمد بن حنبل اور ترمذی نے ابوذر سے روایت کیا ہے۔

غصہ کی وجہ سے انسان میں جو ایک قسم کا علو اور بڑائی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا علاج تواضع تذلل اور تمسکن سے فرمایا کہ غصہ آتے ہی فوراً زمین پر بیٹھ جاؤ یا لیٹ جاؤ اور سمجھ لو کہ

ہم اسی مشت خاک سے پیدا کئے گئے ہیں آگ بگولہ بننے کی کیا ضرورت ہے بخاری اور مسلم اور دیگر کتب صحاح میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ثناء کے بعد نماز میں یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم اغسل خطایایَ بماءِ الثلجِ والبردِ۔ اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور اولے کے پانی سے دھو دے۔

اس دعا میں رسولِ اکرم ﷺ نے دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) گناہوں کی نجاست کی طرف کہ ان کے دھونے کی اللہ سے درخواست کی اس لئے کہ طریقہ یہ ہے کہ نجاست اور ناپاکی ہی کو دھوتے ہیں پاک چیز کو نہیں دھوتے۔

(۲) گناہوں کی حرارت اور گرمی کی طرف کہ برف اور اولے کے پانی سے ان کے بجھانے کی درخواست کی اس لئے کہ اگر گناہوں میں فقط نجاست ہی ہوئی اور حرارت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ بجائے برف کے پانی کے گرم پانی سے ان کے دھونے کی درخواست فرماتے لیکن گناہوں میں نجاست کے ساتھ حرارت بھی ہے اس لئے تطہیر نجاست کے علاوہ تبرید اور تسکین کا مقصد علی وجہ الاتم برف اور اولے ہی کے پانی سے حاصل ہوسکتا ہے اس لئے رسولِ اکرم ﷺ نے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے گناہوں کے دھونے کی دعا فرمائی۔ اسی وجہ سے امام نسائی نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا۔ نماز کے لئے بجائے گرم پانی کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا افضل اور بہتر ہے اس لئے کہ وضو اور نماز سے مقصد گناہوں کی آگ کو بجھانا ہے جیسا کہ ابوذر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اور معجم طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے وقت ایک منادی اللہ کی طرف سے ندا دیتا ہے۔ کہ بنی آدم اٹھو اور اُس آگ کو بجھاؤ جو تم نے اپنے اوپر روشن کی ہے۔ اہل ایمان اُٹھتے ہیں اور وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتے ہیں۔ جس طرح ان آیات اور احادیث سے گناہوں کے مزاج کا گرم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی حدیث سے حب الٰہی اور محبت خداوندی کے مزاج کا سرد ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے رسولِ اکرم ﷺ یوں دعا مانگا کرتے تھے۔ **اللّٰھم اجعلُ حبک**

اَحَبَّ اِلَیَّ مِن نفسی واھلی ومن الماءِ البارد ۔اے اللہ!اپنی محبت میرے لئے سب سے زیادہ محبوب بنادے حتیٰ کہ میرے نفس سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے۔

ماء بارد(ٹھنڈے پانی) کا مزاج تو بارد ہوتا ہے۔لیکن اہل کا مزاج بھی بارد معلوم ہوتا ہے۔اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن میں اپنے خاص بندوں کی یہ دعا ذکر فرمائی ہے۔ربّنا ھب لنا مِن اَزواجِنا وَ ذُرِّیّٰتنا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ ۔اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما یعنی ان کو تیری اطاعت اور فرمانبرداری میں دیکھوں اور تیری معصیت میں نہ دیکھوں اس لئے کہ مؤمن کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے ٹھنڈی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ آنکھیں ٹھنڈی ہی چیز سے ٹھنڈی ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ اطاعت خداوند کا مزاج ٹھنڈا ہے اور معصیت کا مزاج گرم ہے کیونکہ معصیت کا تعلق جہنم سے ہے۔اس لئے رسولِ اکرم ﷺ نے ایک ہی سلسلہ میں ماء بارد اور اہل کو ملا کر دعا فرمائی کہ اے اللہ اپنی محبت گھر والوں اور ٹھنڈے پانی سے کہیں زائد ہمارے لئے محبوب بنادے آمین۔

ائمہ نحو کے نزدیک اگر چہ معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ضروری نہیں کیونکہ یہ شئی ان کی موضوع بحث سے خارج ہے مگر بلغاء کے نزدیک مناسبت ضروری ہے۔پس ناممکن ہے کہ نبی اکرم سرور عالم افصح العرب والعجم ﷺ کا کلام فصاحت التیام مناسبت سے خالی ہو۔جس طرح آیات اور احادیث سے معاصی کے مزاج کا گرم ہونا اور طاعات کے مزاج کا بارد ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح کچھ خیال آتا ہے کہ شاید مباحات کا مزاج معتدل ہو نہ حار اور نہ بارد واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اور دوسری بار دس سال کی عمر میں جو دس کی عمر میں سینہ چاک کیا گیا وہ اس لئے کیا گیا تا کہ قلب مُبارک مادۂ لہو ولعب سے پاک ہوجائے ۔اس لئے کہ لہو ولعب خدا سے غافل بنادیتا ہے اور تیسری بار بعثت کے وقت جو قلب مُبارک چاک کیا گیا وہ اس لئے کہ قلب مبارک اسرار وحی اور علوم الٰہیہ کا تحمل کر سکے۔

اور چوتھی بار معراج کے وقت اس لئے سینہ چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالم

ملکوت کی سیر اور تجلیات الٰہی اور آیات ربانیہ کے مشاہدہ اور خداوند ذوالجلال کی مناجات اور اس کی بے چون وچگون کلام کا تحمل کر سکے غرض یہ کہ بار بار شق صدر ہوا اور ہر مرتبہ کے شق صدر میں جداگانہ حکمت ہے۔ بار بار شق صدر سے مقصود یہ تھا کہ قلب مطہر ومنور کی طہارت ونورانیت انتہا کو پہنچ جائے ۔ حضرات اہل علم فتح الباری باب المعراج کی مراجعت کرنا چاہیں تو تفصیل وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شق صدر کے بعد مہر کیوں لگائی گئی

جس کسی شے کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو مہر لگا دیتے ہیں تا کہ جو شے اس میں رکھ دی گئی ہے وہ اس میں سے نکلنے نہ پائے۔ جواہرات بھر کر تھیلی پر مہر لگا دیتے ہیں کہ کوئی موتی نکلنے نہ پائے اسی طرح آپ کے قلب مُبارک کو علم وحکمت سے بھر کر دوشانوں کے درمیان مہر لگا دی گئی تا کہ اس خزینہ سے کوئی شے ضائع نہ ہونے پائے۔

نیز جس طرح شق صدر سے قلب کا اندرونی حصّہ خطّ شیطان سے پاک کر دیا گیا اسی طرح دوشانوں کے درمیان قلب مبارک کے مقابل بائیں جانب ایک مہر لگا دی گئی تا کہ قلب شیطان کے وسوسوں اور بیرونی حملوں سے محفوظ ہو جائے اس لئے کہ شیطان اسی جگہ سے وسوسہ ڈالتا ہے عمرؒ بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ کسی شخص نے حق جل شانہ سے درخواست کی اے رب العٰلمین مجھ کو شیطان کے وسوسے کا راستہ دکھلا دے کہ وہ کس راہ سے آ کر آدمی کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے تو من جانب اللہ دوشانوں کے درمیانی جگہ جو قلب کے مقابل بائیں جانب ہے وہ دکھلائی گئی کہ شیطان اس راہ سے آتا ہے اور جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح قلب مُبارک کا اندرونی حصّہ شق صدر کے ذریعہ وہ شیطانی سے پاک کر دیا گیا اسی طرح پشت کی جانب مہر لگا کر باہر سے بھی شیطان کی آمد کا راستہ بند کر دیا گیا۔

مہرِ نبوت کب لگائی گئی؟

بعض کہتے ہیں مہرِ نبوت ابتدائے ولادت سے تھی اور علمائے بنی اسرائیل آپ کو اسی علامت سے جانتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ شقِ صدر کے بعد مہر لگائی گئی، پہلا قول زیادہ صحیح اور راجح ہے جیسا کہ بعض روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش ہی کے ساتھ ہوئی ہے اور عجب نہیں کہ جن روایات میں شقِ صدر کے بعد مہرِ نبوت کا لگانا مذکور ہے۔ وہ سابق مہرِ نبوت کی تجدید اور اعادہ ہو اس طرح سے تمام روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔ شقِ صدر کے واقعہ سے حضرت حلیمہ کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے اس لئے آپ کو حضرت آمنہ کے پاس مکہ لے کر حاضر ہوئیں اور تمام واقعہ بیان کر دیا حضرت آمنہ اس واقعہ کو سن کر بالکل ہراساں نہ ہوئیں اور ان انوار و تجلیات اور ان خیرات اور برکات کا جو زمانۂ حمل اور ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہوتے تھے ذکر کے یہ فرمایا کہ میرے اس بیٹے کی شان بہت بڑی ہوگی۔ اس مولودِ مسعود تک شیطان کی رسائی ناممکن ہے۔ تم مطمئن رہو اس کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ حلیمہ اپنے گھر واپس ہو گئیں اور آپ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب عمر شریف چھ سال کو پہنچی تو حضرت آمنہ نے مدینہ کا قصد فرمایا اور آپ کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ام ایمن بھی آپ کے ہمراہ تھیں ایک ماہ اپنے میکہ میں قیام کیا۔ پھر آپ کو لے کر واپس ہوئیں۔ راستہ میں مقام ابواء میں حضرت آمنہ نے انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

چنانچہ محترم قارئین! حضور ﷺ کے شقِ صدر سے متعلق خصوصیت کو تفصیل سے پیش کر دیا گیا، یقیناً اس کے مطالعہ کے بعد آپ کی بہت سی معلومات میں اضافہ ہوا ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے سچی محبت نصیب فرمائے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　　عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۴۴

رسولِ اکرم ﷺ کے نام مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بارہا اپنے نام کے ساتھ جوڑا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوالیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بارہا اپنے ذکر کے ساتھ جوڑا'' الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں ''ریاض الجنة'' میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، دعا گو ہوں کہ یارب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہے ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں جابجا اپنے نام کے ساتھ اپنے پیارے اور آخری نبی ﷺ کے مبارک نام کو جوڑا، جیسا کہ بطور نمونہ کے آنے والے اوراق میں کچھ آیات پیش کی جارہی ہیں ہمیں امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی انشاء اللہ ہمارے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق مزید آگے بڑھے گا انشاء اللہ، لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمایئے۔

چوالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں طاعت ومعصیت فرائض واحکام، وعدہ وعید اور انعام واکرام کا ذکر کرتے وقت اپنے پاک نام کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ دیکھئے آیاتِ ذیل:۔

۱......یآ اَیُّھاالّذِینَ اٰمنُوا اَطیعُوااللّٰہ واَطیعُوا الرَّسولَ واُولی الْاَمرِ منْکُم. (پ۵نساء،ع۸)

ترجمہ......اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔

۲......یآ ایُّھا الذین اٰمنُوا اَطیعُوا اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ ولا تَولّوا عَنْہُ واَنْتُم تَسْمَعُونَ(انفال)

ترجمہ......اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور اس کے رسول ﷺ کا، اور اس کا کہنا ماننے سے رُوگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سُن تو لیتے ہی ہو۔

۳......والْمؤمنُون والْمؤمناتُ بعْضُھم اَوْلیاءُ بعْضٍ. یأمُرُونَ بِالمَعروفِ وینْھَونَ عنِ الْمُنْکرِ ویُقیمُونَ الصَّلٰوۃَ ویُؤتُونَ الزَّکٰوۃَ ویُطِیعُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ اُولٰئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہ.اِنَّ اللّٰہَ عزیزٌ حکیمٌ. (پ۔۱۰۔توبہ۔ع۹)

ترجمہ......اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں، اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا کہنا مانتے ہیں۔ اُن لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے حکمت والا ہے۔

۴......انَّمااْلمؤمنون الذینَ اٰمنُوا بِاللّٰہ وَرَسُولِہٖ واِذَا کَانُوا معَہٗ عَلٰی أمرٍ جامعٍ لَّمْ یَذْھَبُوا حَتّٰی یَسْتأذِنُوہُ. (پ۔۱۸۔نور۔ع۹)

ترجمہ......پس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے

ہوں اور جب رسول ﷺ کے پاس کسی ایسے کام پر ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے جانے کی ضرورت پڑتی ہے، تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں نہیں جاتے۔

۵......یآ اَیُّها الذینَ اٰمنُوا اسْتَجِیْبُوا للّٰہِ وللرَّسُولِ اذَا دَعاکُم لِمَا یُحْیِیْکُم. (انفال)

ترجمہ......اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول ﷺ کے کہنے کو بجالایا کرو، جبکہ رسول ﷺ تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔

۶......ومَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهارُ خٰلِدِینَ فِیهَا . وَذالِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیمُ. وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُودَهٗ یُدْخِلْهُ نَاراً خٰلِداً فِیها ولَهٗ عَذَابٌ مُّهِینٌ. (پ۔۴ نساء۔ ع۲)

ترجمہ......اور جو شخص اللہ رسول ﷺ کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے۔

۷......اِنَّ الذینَ یُؤْذُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنیا وَالْاٰخِرةِ وَاَعَدَّلَهُم عَذاباً مُّهِیناً. (پ۔۲۲۔ احزاب۔ ع۷)

ترجمہ......بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے۔ اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

۸......وَاَذانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُولِهٖ اِلَی النَّاسِ یَومَ الْحَجِّ الاکْبَرِ اَنَّ اللّٰہَ بَرِیٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِینَ وَرَسُولُهٗ. (پ۔۱۰۔ توبہ۔ ع۱)

ترجمہ......اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ دونوں دست بردار ہوتے ہیں، ان مشرکین (کو امن دینے) سے۔

۹......اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللهُ الَّذِينَ جٰهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللهِ وَلَا رَسُولِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيْجَةً . وَاللهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔(پ۔۱۰التوبہ۔ع۲)

ترجمہ......کیا تم یہ خیال کرتے ہو، کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے، حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے (ظاہر طور پر) ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں، جنہوں نے تم میں سے (ایسے موقع پر) جہاد کیا ہو۔ اور اللہ اور رسول ﷺ اور مؤمنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا ہو اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے، تمہارے سب کاموں کی۔

۱۰......اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللهَ وَرَسُولَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ذٰلِكَ الْخِزْىُ الْعَظِيمُ. (پ۔۱۰التوبہ۔ع۸)

ترجمہ......کیا ان کو خبر نہیں؟ کہ جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا (جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں)، تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔

۱۱......اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوا اَوْ يُصَلَّبُوا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ.

ترجمہ......جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کئے جاویں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا زمین پر سے نکال دیئے جاویں۔

۱۲......قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهٗ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ. (پ۔۱۰۔توبہ۔ع۴)

ترجمہ......اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں۔ اور نہ قیامت کے دن پر، اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ نے اور اسکے رسول ؐ نے حرام بتلایا ہے، اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔، ان سے یہاں تک لڑو، کہ وہ ماتحت ہو کر

اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں۔

۱۳......قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. (پ۔۹۔انفال۔شروع)

ترجمہ......آپ فرما دیجئے، کہ یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں۔ اور رسول ﷺ کی ہیں۔

۱۴......وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (پ۔۹۔انفال۔ع۲)

ترجمہ......اور جو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے سو اللہ تعالیٰ (اس کو) سخت سزا دیتے ہیں

۱۵......فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. (نساء ع۸)

ترجمہ......پھر اگر کسی امر کو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف حوالہ کر لیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یومِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

۱۶......وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُوْنَ. (پ۔۱۰۔توبہ۔ع۷)

ترجمہ......اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے ہیں جو کچھ ان کو اللہ نے اور اسکے رسول ﷺ نے دیا، اور یوں کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ کافی ہے، آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا، اور اس کے رسول دینگے۔ ہم (دل سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

۱۷......وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ. (پ۔۱۰شروع)

ترجمہ......اور اس بات کو جان لو کہ جو شے (کفار سے) بطور غنیمت تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے، کہ کل کا پانچواں حصہ اللہ کا، اور اسکے رسول ﷺ کا ہے۔

۱۸......وَمَا نَقَمُوْا اِلَّا اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پ۔۱۰۔توبہ ع۱۰)

ترجمہ......اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے رزقِ خداوندی سے مالدار کر دیا۔

۱۹......وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

وَرَسُولَهٗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ. (پ۔۱۰۔توبہ۔ع۱۲)

ترجمہ......اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے ،تاکہ اُن کو (گھر رہنے کی)اجازت مل جائے ،اور (ان دیہاتیوں میں سے)جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول ﷺ سے (دعویٰ ایمان میں)بالکل ہی جھوٹ بولا تھا،وہ بالکل ہی بیٹھ رہے،ان میں جو(آخرتک) کافر رہیں گے اُن کودردناک عذاب ہوگا۔

۲۰......وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِى اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِى فِى نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ .وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ. (احزاب۔ع۵)

ترجمہ......اور جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور خدا سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات بھی)چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ (آخر میں)ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں (کے طعن) سے اندیشہ کرتے تھے۔اور ڈرنا تو آپ کو خدا ہی سے زیادہ سزاوار ہے۔

محترم قارئین !مندرجہ بالا تقریباً بیس آیات آپ کے سامنے پیش کیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام مبارک کو اپنے مقدس نام اور ذکر مبارک کے ساتھ جوڑا ،جیسا کہ بطور مثال کے کچھ آیات آپ نے ملاحظہ فرمائیں ،تو معلوم ہوا کہ اس طرح آپ کے نام مبارک کو اپنے نام کے ساتھ جوڑنا آپ ﷺ کی فضیلت اور خصوصیت ہے،دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

خصوصیت نمبر ۴۵

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پینتالیسویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے ''رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ عظیم سے نوازا'' بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو خلقِ عظیم سے نوازا، اگرچہ دیگر انبیاء کرام کو بھی اخلاقِ حسنہ ملے لیکن دیگر انبیاء کے اخلاق کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمائی بیشک آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق بھی سب سے اعلیٰ عطا فرمائے اور پھر آپ ﷺ کے اخلاق کی اللہ تعالیٰ نے خود تعریف بھی فرمائی، جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس خصوصیت کی مکمل تفصیل آنے والے اوراق میں آرہی ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس تفصیل کے مطالعے کے بعد آپ ﷺ کی یہ خصوصیت مکمل طور پر آشکارا ہو جائے گی۔ تو لیجئے محترم قارئین اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

پینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

قرآن کریم میں آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے **انک لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم** تم ایک اعلیٰ کردار پر ہو امام عطیہؒ نے خلقِ عظیم کی تفسیر ادبِ عظیم سے کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)
یہ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کیا ہے، اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے بعض اقوال سے ہوتی ہے: ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ امتعہ نہ بنو کہ یہ

کہنے لگو کہ لوگ اچھا سلوک کریں گے تو ہم بھی اچھا سلوک کریں گے۔ اور لوگ برا کریں گے تو ہم بھی ان کے ساتھ ظلم کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس کا خوگر بناؤ کہ لوگ اچھا سلوک کریں تب بھی تم اچھا سلوک کرو اور لوگ برا سلوک کریں تو تم ان کے ساتھ ظلم نہ کرو۔ (مشکوٰۃ)

اور فرمایا جو تم سے کٹے تم اس سے جڑو۔ جو تم پر ظلم کرے تم اس کو معاف کر دو اور جو تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

یہ اعلیٰ اخلاق جو اس حدیث میں بتایا گیا ہے اس اخلاق میں آپ ﷺ بلند مرتبے پر تھے۔ عام مسلمانوں سے یہ اخلاق عزیمت کے درجہ میں مطلوب ہے مگر رسول ﷺ کے لئے یہ لازم تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں، جو مجھ کو نہ دے میں اس کو دوں۔ جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں

اخلاق کی دو سطحیں ہیں۔ ایک معمولی سطح اور دوسری برتر سطح۔ اخلاق کی معمولی سطح یہ ہے کہ آدمی کا اخلاق جوابی اخلاق ہو ''جو مجھ سے جیسا کرے گا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی کروں گا'' یہ اس کا اصول ہو جو شخص اس سے کٹے وہ بھی اس سے کٹ جائے۔ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ بھی اس پر ظلم کرنے لگے۔ جو شخص اس کے ساتھ برائی کرے وہ بھی اس کے لئے برا بن جائے۔

یہ عام اخلاق ہے۔ اس کے مقابلے میں برتر اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے رویئے کی پرواہ کئے بغیر اپنا رویہ متعین کرے۔ اس کا اخلاق اصولی ہو نہ کہ جوابی۔ اعلیٰ اخلاقیات اس کا ایک عام اصول ہو جس کو وہ ہر جگہ برتے، خواہ معاملہ موافق کے ساتھ ہو یا مخالف کے ساتھ۔ وہ جڑنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس سے قطع تعلق کرے۔ وہ بہتر سلوک کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس کے ساتھ بھی جو اس سے برا سلوک کرے۔ وہ نظر انداز کرنے والا ہو حتیٰ کہ اس سے بھی جو اس پر ظلم کرتا ہو۔

فرانس کے مشہور فلسفی والٹیر نے کہا تھا کہ کوئی شخص اپنے قریبی لوگوں میں ہیرو نہیں ہوتا: کیونکہ قریبی لوگوں کی نظر میں آدمی کی نجی زندگی ہوتی ہے اور نجی زندگی میں کوئی بھی کامل

نہیں ہوتا۔ دور والوں کو ایک شخص جتنا اچھا معلوم ہو، قریب کے لوگوں کو وہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے قریبی لوگوں کے اندر اس کے بارے میں ہیرو کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ مگر سورن اسمتھ نے لکھا ہے کہ یہ کلیہ پیغمبر اسلام ﷺ پر صادق نہیں آتا، کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ آپ سے قریب تھا، اتنا ہی زیادہ وہ آپ کی خوبیوں کا شیدائی تھا۔

زید بن حارثہؓ قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ شراحیل کے لڑکے تھے۔ ان کی ماں سعدی بنت ثعلبہ تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن سے تعلق رکھتی تھیں۔ زید جب آٹھ سال کے تھے، اس وقت ان کی ماں ان کو لیکر اپنے میکے گئیں۔ وہاں بنی قین بن جسر کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا۔ وہ جو کچھ لوٹ کر لے گئے اس میں زید بھی تھے۔ اس کے بعد انہوں نے عکاظ کے میلے میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ ان کو حکیم بن حزام نے خریدا جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ وہ اس بچے کو مکہ لائے اور غلام کی حیثیت سے اپنی پھوپھی کو دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا نکاح جب حضرت خدیجہؓ سے ہوا تو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ اس وقت زید کی عمر ۱۰ سال تھی۔ کچھ عرصے بعد زیدؓ کے باپ اور چچا کو معلوم ہوا تو وہ مکہ آئے تا کہ اپنے بچے کو حاصل کر کے اپنے ساتھ لے جائیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملے اور کہا کہ آپ جو فدیہ لینا چاہیں ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہمارا بچہ ہم کو دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے کوئی فدیہ نہیں چاہئے۔ اگر لڑکا تمہارے ساتھ جانا چاہے تو تم اس کو لے جا سکتے ہو۔ آپ ﷺ نے زید کو بلوایا اور کہا کہ ان کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں، یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ تم کو لے جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو ان کے ساتھ اپنے گھر جا سکتے ہو۔ زیدؓ نے جواب دیا: میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ یہ بات سن کر ان کے چچا اور باپ بگڑ گئے۔ انہوں نے کہا: تم آزادی کو چھوڑ کر غلامی کو پسند کرتے ہو اور اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں رہنا چاہتے ہو۔ زید نے کہا: میں نے محمد ﷺ میں جو خوبیاں دیکھی ہیں اس کے بعد اب میں کسی کو بھی ان کے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد زیدؓ کے باپ اور چچا اپنے وطن کو واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اسی خصوصیت کی طرف قرآن میں ان لفظوں میں یہ اشارہ کیا گیا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (ال عمران)

ترجمہ...... یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم ہو۔ اگر تم درشت اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

پیغمبر اسلام کا یہی اعلیٰ کردار تھا جس نے آپ ﷺ کے اندر تسخیری قوت پیدا کردی۔ جو شخص بھی آپ سے قریب ہوا وہ آپ ﷺ کی عظمتوں کو دیکھ کر مفتوح ہو کر رہ گیا۔

طائف کی وہ شام بھی کس قدر بھیانک تھی جب شہر کے لڑکے پیغمبر اسلام ﷺ کو پتھر مار مار کر شہر سے باہر لے جا رہے تھے۔ آپ مکہ سے پچاس میل پیدل سفر طے کر کے حجاز کے رئیسوں کے گرامی صدر مقام پہنچے تھے تا کہ انہیں دین اسلام کی دعوت دیں۔ مگر طائف کے رئیسوں نے آپ کے خیر خواہانہ پیغام کو سننے کے بجائے شہر کے لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ یہ شریر لڑکے اس وقت تک آپ کا پیچھا کرتے رہے جب تک سورج نے غروب ہو کر آپ کے اور ان لڑکوں کے درمیان تاریکی کا پردہ نہ ڈال دیا۔ آپ کا جسم زخموں سے چور تھا۔ سر سے پاؤں تک آپ خون میں نہائے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ نے تھک کر انگور کے ایک باغ میں پناہ لی۔ غور کیجئے یہ کسی آدمی کے لئے کتنا نازک وقت ہوتا ہے۔ آپ نے خود ایک بار اپنی بیوی حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ طائف کی یہ شام میری زندگی کی سخت ترین شام تھی۔ مگر آپ کی زبان پر اس سنگین موقع پر اپنے دشمنوں کے خلاف کوئی برا کلمہ نہیں نکلا۔ بلکہ آپ نے فرمایا "خدایا ان کو صحیح راستہ دکھا، کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں" اللہ کے رسول ﷺ کا یہی اخلاق تھا جس نے آپ کے دشمنوں کو اس طرح زیر کیا کہ سارے عرب نے آپ کے پیغام کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کے اعلیٰ کردار آگے کوئی تعصب، کوئی عداوت اور کوئی ہٹ دھرمی نہ ٹھہر سکی۔ آپ ﷺ کی بلند سیرت لوگوں کو جادو کی طرح مسخر کرتی چلی گئی۔

ایک بار آپ نے فرمایا: صلہ رحمی یہ نہیں کہ تم صلہ رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی

کرو۔ بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جو قطع رحمی کرے اس کے ساتھ تم صلہ رحمی کرو۔ (بخاری کتاب الادب)

تاریخ اسلام کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار اسلام کے کچھ دشمنوں نے حضرت عائشہؓ پر بدکاری کی تہمت لگائی جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ اور حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں۔

یہ تہمت سراسر جھوٹ اور بے بنیاد تھی۔ اس فرضی داستان کو گھڑنے اور اس کو پھیلانے میں ایک شخص مسطح نام کا بھی شریک تھا۔ یہ شخص حضرت ابوبکرؓ کا رشتہ دار بھی تھا اس کو ضرورت مند سمجھ کر حضرت ابوبکرؓ اس کو ماہانہ کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر کو معلوم ہوا کہ ان کی معصوم صاحبزادی پر جھوٹی تہمت لگانے میں مسطح بھی شریک رہا ہے تو انہوں نے مسطح کی امدادی رقم بند کر دی۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس یہ وحی آئی کہ اگر کوئی شخص معاشی اعتبار سے ضرورت مند ہے تو اس کے اخلاقی جرم کی وجہ سے اس کی مالی امداد بند نہ کرو، بلکہ اس کے جرم سے درگزر کرتے ہوئے اس کی معاشی امداد کو جاری رکھو۔

قرآن میں کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور کشائش والے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں محتاجوں اور اللہ کی راہ میں وطن چھوڑنے والوں کی مدد نہ کریں گے۔ ان کو معاف کرنا چاہئے اور درگزر کرنا چاہئے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے (سورۂ نور) حضرت ابوبکرؓ ہی کا واقعہ ہے کہ وہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آ کر آپ کو برا بھلا کہا۔ حضرت ابوبکرؓ پہلی بار سن کر چپ رہے۔ مگر جب اس نے تیسری بار بدزبانی کی تو آپ خاموش نہ رہ سکے اور جواب میں بول اٹھے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ فوراً وہاں سے اٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: اے خدا کے رسول ﷺ آپ کیوں اٹھ گئے۔ آپ نے کہا: ابوبکر! جب تم چپ تھے، خدا کا فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا، جب تم خود بول پڑے تو فرشتہ وہاں سے چلا گیا اس طرح رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ برائی کے جواب میں جب آدمی اپنی طرف سے کوئی انتقامی کاروائی نہیں کرتا تو وہاں خدا اس کی طرف سے انتقام کے لئے وہاں موجود رہتا ہے۔ مگر جب آدمی خود انتقام لینے پر آئے تو خدا اس کے معاملے کو

اس کے حوالے کر دیتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ خدا سے بہتر انتقام لے سکے۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی عالم سے کچھ اشرفیاں قرض لیں۔ کچھ دن گزر گئے تو وہ یہودی تقاضے کے لئے پہنچا۔آپ نے فرمایا" اس وقت میرے پاس تمہارا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے" یہودی نے کہا" جب تک تم میرا قرض ادا نہ کرو گے میں تمہارے کو نہیں چھوڑوں گا۔" چنانچہ وہ ظہر کے وقت سے لیکر رات تک وہ آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے بیٹھا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب کے مدینہ میں آپ کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔آپ اس کے خلاف کاروائی کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے اس کو ڈانٹ کر بھگانہ چاہا۔مگر آپ نے سب کو منع کر دیا۔کسی نے کہا:" اے خدا کے رسول۔ایک یہودی آپ کو قید کئے ہوئے ہے۔" آپ نے کہاہاں، مگر مجھ کو ظلم کرنے سے منع کیا گیا ہے۔اسی حال میں صبح ہوگئی۔جب اگلا دن شروع ہوگیا تو یہودی کی آنکھ کھل گئی ۔وہ یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا کہ آپ قدرت رکھتے ہوئے بھی برداشت کرتے ہیں۔اس کے بعد وہ مسلمان ہوگیا۔یہودی مدینے کا مالدار شخص تھا۔کل تک کچھ اشرفیوں کے لئے آپ کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔مگر آپ کے اعلیٰ کردار نے اس پر اتنا اثر کیا کہ اس نے اپنی ساری دولت آپ کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا کہ آپ اس کو جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ (بیہقی)

عبداللہ بن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار میں نے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا۔ابھی معاملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ مجھے کچھ ضرورت پیش آگئی۔میں نے کہا کہ آپ ٹھہریئے۔میں گھر سے واپس آتا ہوں تو بقیہ معاملہ کو مکمل کرونگا۔گھر پہنچنے کے بعد میں بعض کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ اپنا وعدہ بھول گیا۔تین دن کے بعد یاد آیا تو میں اس مقام پر پہنچا۔دیکھا کہ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔آپ نے مجھ کو دیکھنے کے بعد صرف اتنا کہا:تم نے مجھ کو بہت تکلیف دی۔میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (ابوداؤد) اس طرح کا عمل اپنے اندر اتنی کشش

رکھتا ہے کہ انتہائی کٹر آدمی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ یہودی عالموں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ جب وہ لوگ آپ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: السـام علیکـم (تباہی ہو تم پر) حضرت عائشہؓ نے سنا تو ان سے برداشت نہ ہو سکا، انہوں نے کہا "بلکہ تم لوگ غارت ہو جاؤ اور تم پر خدا کی لعنت ہو"۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کو اس قسم کے جواب سے منع فرمایا اور کہا: "خدا مہربان ہے اور وہ ہر کام میں مہربانی کو پسند کرتا ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ مخالف کا دل جیتنے کیلئے اس سے بڑا کوئی حربہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی بدزبانی کا جواب نرم باتوں سے دیا جائے۔ ہتھیار کے حملے کی تاب لانا تو ممکن ہے مگر کردار کے حملہ کے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ یہاں ہر شخص کو اپنی ہار ماننی پڑتی ہے۔

براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر تین شرطوں کے ساتھ قریش سے معاہدہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک شرط تو یہ تھی کہ کوئی غیر مسلم اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے یہاں چلا جائے تو مسلمان اس کو واپس کر دیں گے۔ مگر جو مسلمان قریش کے پاس پہنچ جائے اس کو قریش واپس نہیں کریں گے۔ یہ معاہدہ ہو رہا تھا کہ ایک نو مسلم نوجوان ابوجندل مکہ سے بھاگ کر حدیبیہ پہنچے۔ ان کو ان کے گھر والوں نے اسلام کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ وہ بیڑیاں پہنے ہوئے اس حال میں پہنچے کہ ان کا جسم بیڑیوں کی رگڑ سے زخمی ہو رہا تھا۔ وہ فریاد کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ مجھ کو دشمنوں کے چنگل سے بچاؤ۔ یہ بے حد نازک وقت تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے تلواریں نکال لیں۔ ابوجندل کے جذباتی واقعہ کو دیکھنے کے بعد لوگوں کا رجحان کہ معاہدہ توڑ کر ابوجندل کی زندگی کو بچایا جائے دوسری طرف مکہ والوں نے کہا: "محمد! ہمارے اور تمہارے بیچ جو معاہدہ ہوا ہے، یہ اس کی تکمیل کا پہلا موقع ہے۔" بالآخر اللہ کے رسول نے فیصلہ کیا کہ جو معاہدہ طے ہو چکا ہے اب اس سے ہم پھر نہیں سکتے۔ آپ کے ساتھیوں کے لئے یہ بات بے حد

تکلیف کی تھی۔ مگر آپ نے ابوجندل کو دوبارہ مکہ والوں کے حوالے کر دیا۔ (صحیحین)

بظاہر اس واقعے کے معنی یہ تھے کہ مظلوم کو دوبارہ ظالم کے چنگل میں دے دیا جائے۔ مگر اس واقعہ میں جو اصول پسندی کا شان دار عملی مظاہرہ ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظالم اندر سے بالکل ڈھ گئے۔ اب ان کا ابوجندل کو لے جانا اور اپنے یہاں ان کو قید میں رکھنا محض ایک عام واقعہ نہ رہا بلکہ ان کی طرف سے اخلاقی گراوٹ اور اسلام کے لئے اخلاق کی بلندی کی ایک مثال بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے لوگ اسلام کی اخلاقی برتری سے مرعوب ہو گئے۔ وہاں کثرت سے لوگ مسلمان ہونے لگے۔ ابوجندل کا وجود مکہ میں اسلام کی زندہ تبلیغ بن گیا۔ حتیٰ کہ قید و بند کی حالت میں بھی ابوجندل ان کو اپنی قومی زندگی کے لئے خطرہ معلوم ہونے لگے۔ چنانچہ انہوں نے اس میں عافیت سمجھی کہ ان کو رہا کر کے مکہ کے باہر بھیج دیا جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ مدنی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کے لوگوں کی طرف چند سوار بھیجے جو آپ کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ وہ شہر یمامہ کے حاکم ثمامہ بن اثال کو راستہ میں پا گئے اور اس کو گرفتار کر لائے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا...... رسول اللہ اس کے پاس آئے اور اس کا حال پوچھا۔ ثمامہ نے جواب دیا۔ ''اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو میری قوم تم سے میرے خون کا بدلہ لے گی۔ اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں عمر بھر تمہارا احسان مند رہوں گا اور اگر مال کی خواہش ہے تو جتنا مال چاہو میں دینے کے لئے تیار ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس کی رہائی کا حکم دے دیا۔ یہ واقعہ اس وقت کی دنیا کا عجیب واقعہ تھا۔ کیونکہ قبائلی زندگی میں کسی دشمن کے ہاتھ آجانے کے بعد اس کا ایک ہی انجام تھا اور وہ یہ کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ نے اس کے جسم کو تو قتل نہیں کیا مگر اپنے اخلاقی سلوک سے اس کی روح کو قتل کر دیا۔ چنانچہ قید سے چھوٹنے کے بعد ثمامہ قریب کے ایک باغ میں گیا اور غسل کر کے دوبارہ مسجد میں آ گیا۔ لوگ حیران تھے کہ وہ دوبارہ مسجد میں کس لئے یہاں آیا ہے۔ مگر جب اس نے بلند آواز سے کلمہ شہادت

ادا کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو معلوم ہوا کے رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑ کر دراصل ہمیشہ کے لئے اس کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد ثمامہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ گیا۔ جب وہ حرم میں پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو ثمامہ کے حال کا معلوم ہوا تو انہوں نے کہا: ''تم بے دین ہو گئے۔'' ثمامہ نے جواب دیا کہ میں بے دین نہیں بلکہ میں نے خدا کے رسول کے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ثمامہ اسلام کی قوت کا ذریعہ بن گیا۔ اس زمانہ میں مکہ کے لوگوں کو باہر کے جن مقامات سے گندم فراہم ہوتی تھی ان میں یمامہ کا ایک خاص مقام تھا۔ چنانچہ ثمامہ نے مکہ والوں سے کہا کہ سن لو محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر اب گندم کا ایک دانہ بھی تمہارے یہاں نہیں آئے گا (صحیح مسلم)

کردار بظاہر ایک بے قیمت چیز ہے مگر اس کو دے کر آدمی ہر چیز خرید لیتا ہے۔

اخلاق کی بلندی یہ ہے کہ کہنے والا جو کچھ کہے اس پر وہ خود عمل کرتا ہو۔ کمزوروں کے ساتھ بھی وہ رعایت و شرافت کا وہی طریقہ اختیار کرے جو کوئی شخص طاقتور کے ساتھ کرتا ہے اپنے لئے اس کے پاس جو معیار ہو وہی معیار دوسروں کے لئے بھی ہو۔ مشکل حالات میں بھی وہ اپنے اصولوں سے نہ ہٹے۔ حتیٰ کہ دوسروں کی طرف سے پست کردار کا مظاہرہ ہو تب بھی وہ اعلیٰ کردار پر قائم رہے۔ رسول اللہ نے اس اعتبار سے اخلاق کے کمال درجہ پر تھے۔ آپ نے کبھی اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑا۔ کوئی مصلحت یا کوئی اختلاف آپ کو اخلاق سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آپ کے انتہائی قریبی ساتھیوں نے اس معاملے میں جو گواہی دی ہے اس سے بڑی اور کوئی گواہی نہیں ہو سکتی۔

سعید ابن ہشام تابعی نے آپ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کیسا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کا اخلاق تو قرآن تھا۔ گویا قرآن کی صورت میں مطلوب زندگی کا جو نقشہ آپ ﷺ نے دوسروں کے سامنے پیش کیا خود آپ ﷺ اسی نقشہ میں ڈھل گئے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مگر کبھی آپ نے اُف تک نہ

کیا اور نہ کبھی میرے کسی کام کی بابت آپ نے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور جو کام میں نے نہیں کیا اس کی بابت بھی آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ تم نے اس کو کیوں نہیں کیا۔ وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔ (صحیحین)

امام احمد نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو مارا۔ البتہ آپ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ جب بھی آپ کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے آسان کو اختیار فرمایا، الّا یہ کہ وہ گناہ ہو۔ جو چیز گناہ ہوتی اس سے آپ تمام لوگوں سے دور رہنے والے تھے۔ آپ کو خواہ کوئی بھی تکلیف پہنچائی گئی ہو کبھی آپ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا، الا یہ کہ اللہ کی حرمتوں کو توڑا گیا ہو اور آپ نے اللہ کی خاطر اس کا بدلہ لیا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا یہی کردار تھا جس نے آپ کو دشمنوں کی نظر میں بھی قابل عزت بنا دیا۔ جن لوگوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ ہر طرح کے نقصان کے باوجود آپ کے ساتھ جڑے رہے۔ اپنی مظلومی کے دور میں بھی آپ لوگوں کی نظر میں اتنے ہی محبوب تھے جتنا فتح و غلبہ کے دور میں۔ آپ کو دور سے دیکھنے والوں نے جیسا پایا ویسا ان لوگوں نے بھی پایا جو آپ کو قریب سے دیکھ رہے تھے۔ آپ کا کردار ایسا نمونہ بن گیا جیسا تاریخ میں دوسرا نہیں پایا جاتا۔

آپ ﷺ کا اعلیٰ کردار آپ کی زندگی کا جزو بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان افراد کے ساتھ بھی بدستور باقی رہتا تھا جن سے آپ کو تکلیف یا شکایت پہنچی ہو۔

کعبہ کی دربانی (حجابہ) جاہلیت کے زمانے میں بھی نہایت عزت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ یہ دربانی قدیم ترین زمانے سے ایک خاص خاندان میں چلی آ رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسی خاندان کے ایک فرد عثمان بن طلحہ کعبہ کے دربان تھے۔ انہیں کے پاس کعبہ کی کنجیاں رہتی تھیں۔

بخاری نے روایت کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ کعبہ کے اندر داخل ہو کر عبادت کریں۔ آپ نے عثمان بن طلحہ سے کنجی مانگی تا کہ اس کا دروازہ کھول سکیں۔ مگر عثمان بن طلحہ نے انکار کیا اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عثمان! کسی دن دیکھو گے کہ یہ کنجی میرے ہاتھوں میں ہوگی۔ مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں اسے دوں۔ یہ سن کر عثمان بن طلحہ نے کہا:

وہ دن قریش کی تباہی اور رسوائی کا دن ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، اس دن وہ آباد اور باعزت ہونگے۔ اس کے بعد وہ وقت آیا کہ مکہ فتح ہوا اور تمام اختیار رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں آ گیا۔ آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے بیت اللہ گئے۔ آپ نے کعبہ کا سات بار طواف کیا۔ اس کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا۔ ایک روایت کے مطابق وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ نے اس سے کنجی لی اور دروازہ کھول کے کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ کچھ دیر اس کے اندر رہے اور وہاں جو بت تھا اس کو اپنے ہاتھ سے توڑ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کعبہ سے باہر نکلے تو آپ کے ہاتھ میں اس کی کنجی تھی اور آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا. (اللہ تم کو حکم دیتا کہ تم امانتوں کو اہل ایمان کے سپرد کر دو) اس وقت آپ کے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علی کھڑے ہو گئے اور کہا: یا رسول اللہ! (یعنی اللہ کی رحمت آپ پر ہو، ہم بنو ہاشم کو پہلے سے زائرین کعبہ کو پانی پلانے کی خدمت حاصل ہے۔ اب کعبہ کی کلید برادری بھی ہمیں کو دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ ان کو بلایا گیا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کی کنجی ان کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ: اے عثمان، اپنی کنجی لو۔ آج وفا اور سلوک کا دن ہے۔ اس کو لو۔ یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ موروثی کے طور پر رہے گی۔ ظالموں کے سوا کوئی بھی تم سے اس کو نہیں چھین سکتا (زاد المعاد)

رسول اللہ ﷺ کی اسی سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی اور امانتوں کی

واپسی کے معاملے میں مسلمانوں کو اتنا پابند ہونا چاہئے کہ صاحب حق کی طرف سے تلخی کا مظاہرہ ہو تب بھی جس کا جو حق ہے اس کو اس کا حق پورا پورا ادا کیا جائیگا۔ ادائیگی حقوق سے کسی حال میں بھی تجاوز نہ کیا جائے خواہ وہ اپنی طبیعت کے کتنا ہی خلاف ہو۔

دنیا پرست لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب ان کو کسی قسم کا اقتدار ملتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے سابق مخالفین کو سزا دیں اور ان کو ان کے منصب سے ہٹا کر اپنے عقیدت مندوں کو تمام مناصب پر بٹھادیں۔ ہر صاحب اقتدار موافق اور مخالف کی اصطلاحوں میں سوچتا ہے۔ موافقین کو اٹھانا اور مخالفین کو کچلنا اس کی پالیسی کا اہم جزء ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کو قتدار حاصل ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے بالکل برعکس معاملہ کیا۔ آپ نے معاملات کو ''موافق'' اور مخالف'' کے اعتبار سے نہیں دیکھا بلکہ خود پسندی اور امانت داری کے لحاظ سے دیکھا۔ اور تمام شکایتی باتوں کو نظر انداز کر کے ہر ایک کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو رحمت اور عدل کا تقاضا تھا۔ (بحوالہ چیدہ چیدہ از پیغمبر انقلاب)

رسول اکرم ﷺ کے خلق عظیم کی چند مثالیں

خلق کے لغوی معنی ہیں خو، عادت اور خصلت کے اور حسن خلق سے مراد ہے، خوش اخلاقی، ملنساری، مروت، اچھا برتاؤ، اچھا رویہ، اور اچھے اخلاق۔

یوں تو حسن خلق کی ترکیب اخلاق حسنہ کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے لیکن بطور خاص اس کو ملنساری، ہمدردی، شیریں زبانی اور خوش مزاجی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سرور کائنات ﷺ کی ذات گرامی اخلاق حسنہ کا پیکر بے مثال تھی اور آپ کا ابر کرم مخلوق خدا کے ہر طبقے پر ہر آن جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔ جس ذات اقدس کو خطاب کر کے خود رب ذُوالجلالِ ولاِ کرامِ نے فرمایا ہو: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم یعنی آپ اخلاق کے نہایت اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔

اور جس کے اسوۂ حَسَنہ کو یہ کہہ کر تمام مسلمانوں کیلئے نمونہ قرار دیا ہو۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ

فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ. اس ذاتِ پاک کی شمیم اخلاق کی عطر بیزیوں کا احاطہ کرنا کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں۔۔لَایُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّہٗ.

اہلِ سیر نے آپ ﷺ کے حُسنِ خُلق کے جوواقعات بیان کئے ہیں ان کو پڑھ کرزبان بے اختیار آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اس طرح زمزمہ پیرا ہو جاتی ہے:

تو روحِ زَمن ،رنگِ چمن ،ابرِ بہاراں   تو حُسنِ سخن،شانِ ادب جانِ قصیدہ

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہان میں   دیتا ہے گواہی یہی عالَم کا جریدہ

امام بخاریؒ نے ''ادب المفرد'' میں حضرت اُمّ الدَّرْدَاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زبانی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ میزانِ عمل میں کوئی چیز حُسنِ خُلق سے بھاری نہ ہوگی۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت علی کرمُ اللہ وجہہٗ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو مدتوں حضور ﷺ کی خدمت میں رہے ان سب کا متفقہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نہایت نرم مزاج، شیریں زبان، نیک سیرت اور خندہ رو تھے۔لب ہائے مبارک پر ہمیشہ تبسم رہتا تھا۔نرمی، وقار اور متانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ایک بات کو دوسری بات سے ملنے نہ دیتے تا کہ سننے والے اچھی طرح سمجھ سکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ خود سلام اور مصافحہ فرماتے۔جب تک دوسرا شخص ہاتھ نہ چھوڑ دے آپ ﷺ اسکا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت اس کی طرف سے منہ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹالے۔مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ ﷺ کے زانو کبھی شرکائے مجلس سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔مجلس نبوی میں جگہ کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آکے بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ نہیں رہتی تھی۔ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو آپ ﷺ خود اپنی جگہ سے سرک کر اس کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے یا اس کے بیٹھنے کے لئے اپنی

ردائے مبارک بچھا دیتے تھے۔

حضور ﷺ کو کسی کی کوئی بات نہ پسند ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ صیغہ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے لوگ ایسا کرتے ہیں لوگ ایسا کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساس غیرت کو چوٹ نہ لگے۔

ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ کو یہ دستور پسند نہ تھا لیکن ان سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات فرمائی۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تھے لوگوں سے فرمایا کہ ان سے کہہ دینا کہ اس کو دھوڈالیں۔

☆ ایک مرتبہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا، یہ شخص اپنے قبیلے میں اچھی شہرت نہیں رکھتا خیر آنے دو۔ جب وہ آیا تو آپ نے نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ چلا گیا تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ آپ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی: فرمایا! اللہ کے نزدیک سب سے بُرا وہ آدمی ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ (صحیحین وسنن ابی داؤد)

☆ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں میں ضرورت پڑنے پر مدینہ کے ایک یہودی سے قرض لیا کرتا تھا۔ ایک سال اتفاق سے کھجوروں کی فصل خراب ہوگئی اور میں قرض واپس نہ کرسکا۔ اس پر پورا سال گزر گیا۔ بہار آئی تو یہودی نے قرض کا تقاضا شروع کردیا۔ (بدقسمتی سے) اس سال کی فصل سے بھی بہت کم کھجوریں حاصل ہوئیں۔ میں نے یہودی سے آئندہ سال کی مہلت مانگی مگر اس نے انکار کردیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعات عرض کئے۔ آپ ﷺ چند صحابہ کو لے کر یہودی کے گھر چلے گئے اور اس کو بہت سمجھایا کہ مہلت دے دو لیکن اس نے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ ابوالقاسم میں ہرگز مہلت نہیں دونگا۔ اب حضور ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس تشریف لائے اور مہلت کے لئے اس سے دوبارہ گفتگو فرمائی

لیکن وہ اسی بات پر اڑا رہا کہ میں کسی صورت بھی مہلت نہیں دونگا۔ اس کا جواب سن آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ اپنے مسقّف چبوترے پر فرش بچھاؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ آپ ﷺ نے فرش پر کچھ دیر آرام فرمایا۔ بیدار ہوئے تو پھر یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تیسری بار اس سے مہلت کے لئے بات چیت کی لیکن وہ ظالم اب بھی اپنی بات پر اڑا رہا۔ اب آپ ﷺ سیدھے نخلستان پہنچے اور درختوں کے جھنڈ میں کھڑے ہو کر مجھ سے فرمایا: ''جابر! کھجوریں توڑنی شروع کرو''

میں نے کھجوریں اتارنی شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلی کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بھی بچ گئیں۔ (صحیین باب الرطب التمر)

۸ھ ہجری میں رحمت عالم ﷺ غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں ایک مقام پر نماز کا وقت آگیا۔ آپ ﷺ کے مؤذن نے اذان دی۔ اتفاق سے وہاں مکہ کے چند شوخ نوجوان بھی موجود تھے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اذان کے بعد وہ تمسخر کے طور پر اذان کی نقل اتارنے لگے۔ ان میں سے ایک سولہ سالہ نوجوان ابومحذورہ کی آواز بہت بلند اور دلکش تھی۔ حضور ﷺ نے ان نوجوانوں کو ڈانٹنے یا سزا کے بجائے ابومحذورہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میرے سامنے اذان کی نقل اتارو۔ چونکہ وہ اذان سے پوری طرح واقف نہ تھے اس لئے حضور ﷺ نے انہیں خود اذان کے کلمات بتائے۔ انہوں نے لسان رسالت سے جو بھی کلمات سنے وہی دہرا دیئے۔ حضور ﷺ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور برکت کے لئے دعا کی، ساتھ ہی ابومحذورہؓ کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں ایک تھیلی مرحمت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے (خود ہی یا) ابومحذورہؓ کی خواہش پر ان کو مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنا دیا۔ (دار قطنی۔ بذل القوۃ)

ایک دن حضور ﷺ رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ واپس آنے لگے تو حضرت سعد نے اپنا گدھا منگایا اور اس کی پشت پر

چادر بچھائی پھر اپنے بیٹے حضرت قیسؓ کو حکم دیا کہ تم رسول ﷺ کے ساتھ جاؤ اور کاشانہ نبوی تک آپ ﷺ کے ہم رکاب رہو۔

حضور ﷺ گدھے پر سوار ہوئے تو قیسؓ پاپیادہ ساتھ ہو لئے۔ حضور ﷺ کے خلق عظیم نے گوارا نہ فرمایا کہ قیسؓ پیدل چلیں۔ ان سے فرمایا، میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ ان کو پاس ادب مانع ہوا اور آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنے سے عذر کیا، حضور ﷺ نے فرمایا، یا واپس ہو جاؤ۔ حضرت قیسؓ کو آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھنے کی جرأت نہ پڑی اور وہ واپس چلے گئے۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ بالعموم رسول ﷺ کی سواری کھینچنے یعنی اس کی لگام یا مہار پکڑ کر آگے چلنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ لیکن ایک دفعہ چشم فلک نے عجیب منظر دیکھا۔ وہ ایک طویل سفر میں ساتھ تھے۔ راستے میں پہاڑ کا ایک درہ آیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عقبہؓ سے فرمایا، عقبہ آؤ اب تم اونٹ پر سوار ہو جاؤ۔ انہوں نے اسے بے ادبی سمجھا کہ وہ اونٹ پر سوار ہوں اور حضور ﷺ پیدل چل رہے ہوں اس لئے انہوں نے اونٹ پر سوار ہونے میں تامل کیا لیکن جب حضور ﷺ نے دوبارہ زور دے کر انہیں اونٹ پر سوار ہونے کے لئے فرمایا، تو انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ اب عقبہؓ اونٹ پر سوار تھے اور حضور ﷺ اونٹ کی مہار پکڑے پاپیادہ چل رہے تھے۔

حضرت عتبان بن مالک انصاریؓ کے مکان اور مسجد کے درمیان ایک نشیبی جگہ (وادی) تھی۔ بارش ہوتی تو وہاں بہت پانی جمع ہو جاتا تھا۔ حضرت عتبانؓ کی بینائی میں فرق آ گیا تھا اس لئے ان کے لئے اس پانی سے گزر کر مسجد تک پہنچنا سخت مشکل تھا۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "یارسول اللہ ﷺ! میں اپنے محلے کی مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہوتی ہے تو مسجد اور میرے مکان کے درمیان گہرا پانی کھڑا ہو جاتا ہے۔ نظر کی خرابی کی وجہ سے میرے لئے اس پانی سے گزرنا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے مجبوراً گھر میں نماز ادا کر لیتا ہوں۔ اگر آپ گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیں تو میں اسی جگہ کو مخصوص کر لوں" حضور ﷺ نے ان کی گزارش بخوشی منظور فرمالی

اور دوسرے ہی دن حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر حضرت عتبانؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اہلِ محلّہ کو خبر ہوئی تو وہ بھی حضرت عتبانؓ کے گھر آ گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عتبانؓ سے پوچھا کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے جگہ بتائی تو آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کرلی اور کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے۔ خزیرہ (ایک کھانا جو قیمے پر آٹا چھڑک کر تیار کیا جاتا ہے) دستر خوان پر رکھا گیا۔ محلے کے تمام لوگ آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا، مالک بن دخشم نہیں آیا وہ منافق ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ لوگوں نے کہا، پڑھتا ہے لیکن اس کا میلان منافقوں کی طرف ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ نے مجھے بدگمانی سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کے اعمال ان کے حسنِ اعتقاد کی شہادت دیتے ہیں۔ جو شخص اللہ کی مرضی کے لئے توحید پڑھتا ہے اللہ اس پر آگ حرام کر دیتا ہے۔ (صحیحین بخاری)

☆ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ کچھ یہودی لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے (از راہ شرارت السلام علیکم کے بجائے) السام علیکم (یعنی تم کو موت آئے) کہا۔

میں (حضرت عائشہؓ) نے (غضب ناک ہوکر) جواب دیا، تم ہی کو (موت) آئے اور تم پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے عائشہؓ! (ایسا سخت جواب کیوں دے رہی ہو) اپنی زبان کو روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور درشت زبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، سے مروی ہے کہ ایک اور حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا اور نہ بد گو اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ

ارشاد نقل ہوا ہے دوزخ کی آگ ہر ایسے شخص پر حرام ہے جو تیز مزاج نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا (ملنسار) ہو اور نرم خو ہو۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

☆ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نیکی کی صورت اور کسی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو اور یہ بھی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے کہ تم اپنے ڈول میں سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے جس پر ثواب ملتا ہے) (صحیح بخاری)

☆ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی وجہ سے قائم اللیل اور صائم النہار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

☆ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا چیز ہے جس کی مداومت لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ کا ڈر اور خوش خلقی۔ (ترمذی شریف)

☆ حضرت حارثہ بن وہابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو بلکہ) عاجزوں اور کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو اور اس لئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے اور میں کیا تم کو بتاؤں دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور معزور شخص۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

☆ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا کر باہر نکلتے تو مدینے والوں کے خدام اپنے اپنے برتن لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ برتنوں میں پانی ہوتا تھا۔ سخت سرد موسم میں بھی آپ ﷺ پانی میں اپنے دست مبارک ڈال کر برتن ان کو واپس کر دیتے۔ (اہل مدینہ اس پانی کو متبرک سمجھتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نرم مزاجی اور خوش خلقی اللہ تعالیٰ نے رسول رحمت ﷺ کی فطرت پاک ہی میں دویعت کی تھی۔ سورۃ آل عمران میں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے یوں فرمایا گیا ہے: جسکا مفہوم ہے کہ

(اے پیغمبرؑ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ورنہ اگر کہیں تم تند خواور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔)

اس ارشاد ربانی سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب کو دین حق کی طرف راغب کرنے میں رحمت دو عالم ﷺ کی نرم مزاجی (خوش خلقی، شیریں کلامی) نے بنیادی کردار ادا کیا۔ حضور ﷺ نے عامۃ المسلمین کو بھی نہ صرف خوش خلقی کی تلقین اور تاکید فرمائی بلکہ ان کو ایسی تمام باتوں سے بھی منع فرمایا جو باہمی تعلقات پر برا اثر ڈالتی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرتی ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم دوسروں کے بارے میں بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ جاسوسوں کی طرح کسی کے عیب ڈھونڈنے کی کوشش کیا کرو، نہ ایک دوسرے پر پڑھنے کی بے جا ہوس کرو۔ نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بغض اور کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اے اللہ کہ بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔“ (بحوالہ حسنت جمیع خصالہ از طالب ہاشمی)

رسول اکرم ﷺ سراپا اخلاق تھے

وہ کونسا خلق، وہ کونسی صفت اور کونسا کمال ہے جو محبوب رب العالمین میں نہیں تھا۔

حیا کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

تواضع کی یہ حالت تھی کہ غلاموں اور خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے غریبوں

کی عیادت فرماتے، فقراء کے ہم نشین ہوتے، امتیازی نشست اختیار نہ فرماتے، گھر کے چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھ سے کرتے، ضعیفوں کا بوجھ خود اٹھا لیتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا، آپ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا: ''یہ تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، تم میں سے ایک ہوں'' خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں دس برس تک حضور ﷺ کی خدمت میں رہا، آپ ﷺ نے مجھے کبھی اف تک نہ کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

عبداللہ بن حارثؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو حضور ﷺ سے زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج نہیں دیکھا۔

شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ حنین میں جب مشرکوں کے سخت حملے کی تاب نہ لا کر مسلمان ادھر ادھر بکھر گئے تو آپ ﷺ خچر پر سوار ہو کر دشمن کو للکارتے ہوئے یہ رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے:

انا النبی لا کذب............انا ابن عبد المطلب

میں سچا پیغمبر ہوں...............میں ابن عبدالمطلب ہوں

عفو درگزر کی انتہا یہ تھی کہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خون کے پیاسوں کو، صحابہ پر مکہ کی زمین تنگ کرنے والے درندوں کو، بلالؓ و خبیبؓ پر ظلم ڈھانے والے ظالموں کو، سمیہؓ اور یاسرؓ کو شہید کرنے والے وحشیوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا: آج تم پر کچھ الزام نہیں، اللہ تم کو معاف کر دے اور بے شک وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی اور کلیجہ چبانے والی ہندہ تک کو معاف کر دیا۔ صبر و شکر کی انتہا یہ تھی کہ سیدہ عائشہؓ کے بقول بعض دفعہ ایک ہفتہ تک گھر میں چولھا نہ جلتا تھا اور صرف اور صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا، مگر آپ ﷺ پھر بھی انتہائی صبر کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتے تھے۔

محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ انسانوں کے علاوہ حیوانوں پر بھی آپ ﷺ بے حد شفیق تھے اور آپ ﷺ کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ حیوانوں پر ظلم ہوتا تو وہ بھی آپ ﷺ کے پاس شکایت لے کر آتے، سچائی کا یہ عالم تھا کہ دشمنوں تک نے آپ ﷺ کے سچا ہونے کا اقرار کیا، جنگ بدر میں اخنس بن شریک نے ابوجہل سے پوچھا، اے ابوالحکم! یہاں ہم دونوں کے سوا تیسرا نہیں سچ بتانا کہ محمد (ﷺ) سچا ہے یا جھوٹا؟ ابوجہل نے جواب دیا خدا کی قسم بے شک محمد (ﷺ) سچ بولتا ہے اور اس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ آپ ﷺ کا اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اخلاق میں بھی سب سے اونچا مقام نبی کریم ﷺ کو عطا کیا گیا ہے، اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جو مقام سب سے آخری اور اونچا ہوتا ہے تو نیچے کے سارے مقامات اس میں جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ یوں کہیں کہ فلاں آدمی ''بخاری پڑھا ہوا ہے، تو بخاری آدمی کب پڑھے گا؟ پہلے میزان منشعب پڑھے، پھر قدوری پڑھے پھر شرح وقایہ پڑھے، پھر ھدایہ پڑھے، تب جا کے بخاری پڑھے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے بخاری آ گئی اسے میزان بھی آ گئی، اسے منشعب بھی آ گئی، اسے شرح وقایہ بھی آ گئی، ھدایہ بھی آ گئی، ساری نیچے کی کتابیں آ گئیں۔ لیکن جو میزان پڑھ چکا ہے ضروری نہیں کہ اسے بخاری بھی آ جائے۔ تو نیچے کی چیز جاننے سے اوپر کی چیز جاننا ضروری نہیں، مگر اوپر والی چیز کو جان جائے تو نیچے کی ساری چیز جان جائے گا۔

تو نبی کریم ﷺ کو جب اخلاق کا اعلیٰ مقام دے دیا گیا۔ تو اس کے نیچے جتنے مقام تھے وہ خود بخود آ گئے۔ تو آپ ﷺ جامع اخلاق بھی ہیں۔ اور وہ کس طرح سے؟

وہ یہ کہ ہم نے جہاں تک غور کیا تو قرآن وحدیث سے اخلاق کی تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں ایک اخلاق حسنہ، ایک اخلاق کریمانہ اور ایک اخلاق عظیم۔ خلق حسن یہ اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خطاب فرمایا کہ ۔ یا خلیلی حسّن خلقک اے میرے خلیل اپنے اخلاق کو حسن بناؤ اگرچہ کفار کے ساتھ معاملہ پڑے تب

بھی اخلاق حسنہ سے پیش آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک خلق یہ ہے جس کی تعلیم حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی۔

ایک خلق کریم ہے جسے حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأخـــلاقِ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق مکمل کر کے تمہارے سامنے پیش کر دوں۔

اور ایک خلق عظیم ہے جو خود حضور ﷺ کا ذاتی خلق ہے جس کو قرآن میں فرمایا گیا اے نبی آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں، تو تین قسمیں نکلیں ان تینوں میں کیا فرق ہے؟ خلق حسن ابتدائی درجہ ہے، خلق کریم درمیانہ درجہ ہے۔

خلق حسن کسے کہتے ہیں؟ عدل کامل کو۔ یعنی معاملے میں کوشش کرو کہ اس میں حد اعتدال سے نہ گزرو۔ اگر آپ کو کوئی خدانخواستہ ایک تھپڑ مار دے تو آپ نے بھی اتنی زور سے مار دیا جتنی زور سے اس نے مارا تھا تو کہا جائیگا کہ آپ ﷺ نے خلق حسن کے اوپر ہیں۔ اگر آپ تھپڑ کے جواب میں مکا مارتے تو کہا جاتا کہ بڑے بداخلاق آدمی ہیں، اس نے تھپڑ مارا تھا آپ نے مکا مار دیا، تعدی کی اور زیادتی کی۔ تو تعدی اور ظلم سے بچ جانا یہ خلق حسن ہے۔ یعنی عدل کے اوپر قائم رہنا، بال برابر اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دینا یہ خلق حسن کا مفہوم ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے کسی کو ایک روپیہ دیا ہے اور وہ خواہش کرے کہ وہ مجھے بدلے میں بھی ایک دے تو یہ خلق حسن کی بات ہے، اور اگر آپ یوں کہیں کہ میں تو دوں ایک اور بدلے میں اس سے دو یا پانچ...... تو کہا جائیگا کہ یہ بداخلاقی کی بات ہے۔ یہ زیادتی کی بات ہے تو خلق حسن کا حاصل اعتدال اور معاملات کا عدل ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس اگر کوئی شخص کسی کے اوپر حملہ کر کے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اسے بھی حق حاصل ہے کہ حملہ کر کے آنکھ پھوڑ دے مگر ایک ہی پھوڑے گا۔ دو نہیں پھوڑیگا، دو پھوڑیگا تو کہا جائیگا کہ ظالم ہے۔ تو غرض خلق حسن کا حاصل یہ ہوا کہ ادل بدل ہو اور پورا پورا ہو، عدل

کے مطابق ہو، انصاف کے مطابق۔ اس سے گزرنا بداخلاقی ہے۔

دوسرا درجہ خلق کریم کا ہے۔ اس میں ادل بدل تو نہیں ہوتا۔ اس میں ایثار ہوتا ہے کہ دوسرا زیادتی کرے آپ اسے معاف کر دیں۔ ایک نے تھپڑ مارا، آپ نے کہا مجھے حق تو تھا مگر اس احمق اور بیوقوف سے کیا بدلہ لوں۔ جا میں معاف کرتا ہوں۔ یہ کریمانہ خلق ہے۔ دوسرے نے گالی دی، آپ کو بھی حق تھا کہ آپ بھی اس کے ساتھ اتنی ہی زیادتی آپ بھی کرتے لیکن آپ نے معاف کر دیا تو یہ ایثار کا درجہ ہے اس کو خلق کریم کہیں گے۔

اور تیسرا درجہ خلق عظیم کا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو نہ صرف یہ کہ آپ ہی معاف کر دیں بلکہ الٹا اس کے ساتھ احسان بھی کریں، یہ خلق عظیم کہلاتا ہے جس کو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ...... ''جو تمہارے ساتھ قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرو، جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش کرو۔۔ یہ خلق عظیم کہلاتا ہے اور یہ خلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(بحوالہ ندائے منبر و محراب)

اسلام میں اخلاق حسنہ کی اہمیت اور فضیلت

اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر دنیا میں انسانی ہدایت کے لئے مبعوث فرمائے ان کی دعوت کا ہدف ہمیشہ دو مقاصد رہے:

۱۔ اللہ سے ان کے تعلق کو درست کرنا اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے دل و دماغ کو ہموار کرنا۔ اسی کا نام حقوق اللہ ہے۔

۲۔ بندوں کے حقوق کے لئے آمادگی اور بندوں کا بندوں سے درست تعلق قائم کرنا۔ اس کا نام حقوق العباد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد قرآن نے جو بیان کئے ہیں ان میں تلاوت آیات اور تعلیم و کتاب کے بعد تزکیہ نفوس کا ذکر ہے۔ تزکیہ نفوس میں جہاں دلوں کو اس قابل

بنایا جاتا ہے کہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو درست کر لیں وہاں ان کے تزکیہ کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ ایک آدمی کو جن جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے یا جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، وہ اپنے اندر ان کے حق کی ادائیگی اور ان سے درست تعلقات کی تڑپ پیدا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دونوں کام تکمیلی شان میں ادا فرمائے۔ اگر ایک طرف انہوں نے بندگی رب کے مقصد کو بہ کمال و تمام پورا فرمایا اور انسان کو صرف اس کے آستانے پر جھکنا ہی نہیں سکھایا، بلکہ اپنے مالک و خالق کی لگن اور محبت میں تڑپنا اور پھڑکنا بھی سکھایا، اسی طرح انسانوں میں ابنائے جنس اور دوسری تمام چیزوں کے تعلقات کے حوالے سے ذمہ داری اور حقوق کی ادائیگی کا جذبہ پیدا فرمایا اور انہیں حقوق اور فضائل کے حوالے سے انسانوں میں بے پناہ لگن پیدا کر دی۔ اسی کا نام تکمیل اخلاق اور اتمام اخلاق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارا خلاق اور حسن اخلاق کی تکمیل کر دوں۔ پھر اس مقصد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ابتدائی دعوت میں ہم دیکھتے ہیں کہ صرف اللہ سے بندوں کے راست تعلق پر زور دیا جاتا ہے اور انسانی قلوب میں اللہ کے تعلق کو اسی طرح پیوست کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جس میں کسی اور تعلق کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ شاید اسی وجہ سے مکی زندگی میں بہت کم احکام نازل ہوئے ہیں۔ سارا زور اسی بنیادی ہدف پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ احکام تو دیر سے نازل ہوئے حتی کہ ارکان دین کی فرضیت بھی بہت دیر بعد اپنے اپنے مقام پر نازل ہوئی لیکن ابتدائی دعوت سے ہی حسن اخلاق کو پیدا کرنے اور اس کی تکمیل کے لئے آنحضرت ﷺ نے مسلسل کام کیا چنانچہ ابتدائی دنوں میں جو صحابہ اسلام لائے ہیں، ان میں سے بعض جلیل القدر صحابہ کے حوالے سے ہمیں آنحضرت ﷺ کی دعوت میں مکارا خلاق کی دعوت دکھائی دیتی ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون آنحضرت ﷺ کی دعوت کے جس پہلو سے زیادہ متاثر

ہوئے، وہ آپ کے مکارِ اخلاق کی دعوت تھی۔اسی طرح حضرت ابوذر غفاریؓ جو سابقون الاولون میں سے ہیں ان کے بارے میں ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ ان کو جب خبر پہنچی کہ مکہ میں کسی نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور وہ لوگوں کو اللہ کی توحید کی دعوت دیتا ہے توانہوں نے اپنے بھائی کوصورت حال جاننے کے لئے بھیجا۔ان کے بھائی مکہ معظمہ میں آئے، انہوں نے واپس جا کر آنحضرت ﷺ کے بارے میں جو کچھ اپنے بھائی کو بتایا، ان میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ ﴿رأيتُهُ يأمُرُ بِمَكارِمِ الأخلاقِ﴾ کہ میں نے اس دعویٰ نبوت کرنے والے کو دیکھا کہ وہ مکارِ اخلاق کا حکم دیتا ہے اسی طرح جو لوگ حبشہ میں جو لوگ ہجرت کر کے گئے، ان میں سے حضرت جعفر طیار بھی ہیں جو حضرت علیؓ کے بھائی ہیں۔ان لوگوں کو جب، نجاشی، حبشہ کے بادشاہ نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بلایا تو انہوں نے نجاشی کے دربان میں تقریر کی اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت کیا ہے، اس میں صرف انہوں نے عقیدہ توحید کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بھی کہا کہ اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھایا کرتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردست کو کھاجاتا تھا۔اسی اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا، اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کی پوجا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو ابھی تک کافر تھے۔آنحضرت ﷺ کی دعوت کا جو مختصر خاکہ کھینچا اس میں یہ تسلیم کیا کہ وہ خدا کی توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ بھی سکھاتے ہیں کہ وہ پاک دامنی اختیار کریں، سچ بولیں، اور قرابت کا حق ادا کریں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکی زندگی میں جب کہ صرف اللہ کی ہیبت اور بندگی رب ہی کی دعوت پر انحصار کیا جارہا تھا۔اس وقت بھی آنحضرت ﷺ مسلسل اخلاق حسنہ مکارم اخلاق کی تعلیم دے رہے تھے کیونکہ وہ زندگی یقیناً نامکمل ہے جس میں حقوق اللہ کا شعور تو ہو

لیکن حقوق العباد کی لاپرواہی ہو۔

اسلام میں عبادات کا جو مقام ہے وہ ظاہر ہے، کیونکہ عبادات ہی کو ارکان دین قرار دیا گیا ہے اور قرآن کریم میں ارکان دین کے حوالے سے بار بار ہمیں تاکید ملتی ہے لیکن قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اخلاق کی اہمیت عبادات سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں لوگوں کو رکوع وسجود اور بندگی رب کا حکم دیا ہے، وہاں اس نے اخلاق کی پابندی کا اور بھلائیاں کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ: ''اے وہ لوگو، جو ایمان لائے ہو، رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کا کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

یہ بھلائی کے کام ظاہر ہے وہی چیزیں ہیں جن کو ہم فضائل اخلاق کہتے ہیں اور انہی پر عمل کرنے سے ایک آدمی اخلاق حسنہ کا پیکر بنتا ہے۔ یعنی اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت اگر خالق کا حق ہے تو اخلاق مخلوق کا حق ہے۔ تو خالق اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی کی فکر پیدا کرنا یہی اسلام کی اصل دعوت ہے اور انہی دونوں چیزوں کا نام اسلام ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن وسنت کو مزید گہری نظر سے دیکھا جائے تو ایک حوالے سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں اخلاق کی اہمیت عبادات سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ ہمیں احادیث میں حقوق العباد کے حوالے سے جس اہمیت کا تاثر ملتا ہے اس سے یہی احساس پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر آدمی کے نامہ اعمال کے تین حصے ہونگے۔ ایک حصہ وہ ہوگا جس میں اس کے وہ اعمال ہونگے جس سے شرک یا کفر لازم آتا ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اعمال کا یہ حصہ تو میں ہرگز معاف نہیں کروں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، اپنی صفات یا اپنے حقوق میں شرک ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ دوسرا حصہ نامہ اعمال کا وہ ہوگا جس میں عبادات کی کوتاہیوں کا ذکر ہوگا، یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور حج میں کوتاہیوں کا ذکر، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں چاہوں گا تو اس پر گرفت کروں گا اور چاہوں گا تو اسے معاف کردوں گا۔ نامہ اعمال

کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں حقوق العباد کا ذکر ہے، یعنی آدمی نے کسی کی حق شکنی کی ہو، حق تلفی کی ہو، دل دکھایا ہو، بے عزتی کی ہے۔ کوئی مالی نقصان کیا ہے یا رشتوں کا احترام نہیں کیا۔ اس طرح کی تمام چیزیں حقوق العباد کہلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حقوق العباد میں ہرگز معاف نہیں کروں گا بلکہ اس حوالے سے اس شخص کو میں ان لوگوں کے حوالے کروں گا جن کو اس نے تکلیف پہنچائی یا جن کا حق اس نے ادا نہیں کیا۔ اب اگر وہ اس کو معاف کریں تو اس کی جان چھوٹے گی ورنہ کسی طرح اس کی جان نہیں چھوٹ سکے گی۔ اس سے اندازہ فرمایئے کہ حقوق اللہ کی معافی کا امکان تو ہے لیکن حقوق العباد کی معافی کا کوئی امکان نہیں۔ اس بارے سے ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس شخص نے اپنے بھائی کی عزت کو نقصان پہنچایا، یا کوئی اور اس کا نقصان کیا تو اسے چاہئے کہ آج ہی اس سے معاملہ صاف کر لے، اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے کہ جب نہ اس کے پاس کوئی دینار ہوگا اور نہ کوئی درہم کہ جو بدلے میں دے سکے۔ پھر اگر اس کے پاس نیک عمل ہوگا تو وہ اس سے اس کی زیادتی کے مطابق لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو پھر جس سے اس نے زیادتی کی ہے اس کی برائیاں لے کر اس پر لادی جائیں گی، یعنی اس کے نامہ اعمال میں شامل کر دی جائیں گی۔

اندازہ کیجئے کہ حقوق العباد میں کوتاہی کی وجہ سے کتنے ہولناک انجام کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کی ایک اور حدیث سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں دو صحابی خواتین تھیں، ایک رات بھر نماز پڑھتی، دن بھر روزہ رکھتی اور صدقہ دیتی، مگر اپنی زبان درازی سے پڑوسیوں کا دم ناک میں کئے ہوئے رکھتی۔ دوسری خاتون صرف نماز پڑھتی اور خیرات میں چند کپڑے بانٹ دیتی مگر کسی کو تکلیف نہ دیتی۔ اس کے حسن اخلاق کا ہر کوئی معترف تھا۔ آنحضرت ﷺ سے ان دونوں کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے پہلی خاتون کے بارے میں فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی نہیں۔ وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھگتے گی اور دوسری خاتون کے بارے میں فرمایا کہ وہ اپنے حسن سلوک کے باعث جنت

میں جائے گی۔اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ کثرت عبادات کے باوجود بدخلقی جنت سے محروم کردے گی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عبادات کی اہمیت اور اسلام میں ان کا مقام ومرتبہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں مگر ان عبادات کی فرضیت کے جہاں اور مقاصد ہیں ان میں سے ایک بڑا مقصد خود انسان کے اندر اخلاق حسنہ کی تربیت اور تکمیل ہے،قرآن میں نماز کے بارے میں ارشادفرمایا:"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنھٰی عَنِ الفَحشآءِ وَالمُنکرِ." "بیشک نماز بے حیائیوں سے اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

اب بے حیائیوں کے کاموں سے رکنا اور برے کاموں سے باز رہنا یہی تو اخلاق کی روح ہے۔اور نماز اس روح کو پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔اور جو نماز اس روح کو پیدا نہیں کرتی بلکہ آدمی نماز پڑھنے کے باوجود برے کاموں سے نہیں رکتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نماز بے روح ہے۔جس کی کوئی حقیقت نہیں۔اسی طرح روزے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:"جو آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا،اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اس کے لئے کھانا اور پینا چھوڑ دے۔"

یعنی روزے سے مقصد کھانا پینا چھوڑنا نہیں بلکہ مقصد جھوٹ اور جھوٹی زندگی سے روکنا ہے۔اب ظاہر ہے جھوٹ اور جھوٹی زندگی سے بڑی بداخلاقی اور کیا ہوسکتی ہے اور اس کے مقابلے میں سچ اور سچ پر عمل کرنا ،یہ مکارم اخلاق میں سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ بھی اصل میں مکارم اخلاق کی تربیت کا ذریعہ ہے۔اور جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے وہ تو یقیناً انسان کے اندر ہمدردی،خیر خواہی،غمگساری پیدا کرنے کا بہت اہم ذریعہ ہے،اسی طرح جہاں حج بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور بندگی رب کا شعور حاصل کرنے میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے،اسی طرح اس میں اخلاقی اور اصلاح وترقی کے بھی بہت امکانات رکھے گئے ہیں۔یعنی اس میں قدم قدم پر دوسرے انسانوں

سے اس طرح واسطہ پڑتا ہے کہ آدمی کے اندر اگر برداشت، تحمل اور رواداری کی کمی ہو تو حج کے ایام بھی لڑتے جھگڑتے گذر جاتے ہیں۔اسی طرح اگر طبیعت میں انکساری، کفایت اور قناعت کا جذبہ نہ ہو تو آدمی کہیں یکسو ہو کر عبادت نہیں کرسکتا۔ پھر سعی اور منیٰ میں مناسک ادا کئے جاتے ہیں اس میں جس طرح راہ حق میں استقامت، ایثار اور قربانی کا سبق ملتا ہے، وہ حج کا ایک امتیازی پہلو ہے، یہ ساری چیزیں ظاہر ہے کہ مکارم اخلاق ہیں اور حج ان کی تربیت اور تکمیل کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن کریم نے سورۃ المومنون میں ایک مومن کی دنیوی کامیابی اور اخروی فوز و فلاح کے لئے جن صفات کا ذکر فرمایا ہے، ان میں جہاں ہمیں نماز میں خشوع و خضوع اور زکوٰۃ کی ادائیگی اور نماز کی محافظت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نہایت اہم اخلاق یعنی لغویات سے پرہیز، شرم وحیاء کا لحاظ، پاکدامنی کا تحفظ، عہد اور امانت کی پاسداری، جیسی صفات بھی ملتی ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ وہ صفات ہیں جو مکارم اخلاق کی جان ہیں ارشاد خداوندی ہے کہ: ''کامیاب ٹھہرے وہ مؤمن جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے اور جو زکوٰۃ کے دینے والے اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور سوائے ان کے کہ دائیں ہاتھ ان کے مالک ہیں اس میں وہ ملامت نہیں کئے جائیں گے، پھر جس نے اس کے علاوہ کوئی راستہ نکالا وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی، اپنے عہد کی پاسداری کرنے والے اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی محافظت کرنے والے ہیں۔''

بلکہ سورۃ الحجرات میں تو پروردگار نے بداخلاقی کی وہ باتیں جن کو ہم اپنی نگاہ میں کسی اہمیت کے قابل نہیں سمجھتے اور ہم میں سے اکثر لوگ بے جھجک اس کا ارتکاب کر گزرتے ہیں انہیں بھی فسق اور گناہ قرار دیا اور یہ فرمایا گیا کہ ایسی فسق وفجور کی باتیں ایمان کے بعد مومنین کو ہرگز زیب نہیں دیتیں اور وہ باتیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا، وہ باتیں یہ

ہیں کہ کوئی مرد اور عورت دوسرے کا ہرگز مذاق نہ اڑائے کیونکہ جو بھی دوسرے کا مذاق اڑائے گا وہ یقیناً یہ سمجھ کر اڑائے گا کہ میں اس سے بہتر اور برتر ہوں اور یہ مجھ سے کم تر اور بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے ایسا احساس اسی آدمی میں پیدا ہو سکتا ہے جس کے اندر کبر اور نخوت ہو اور جو دوسروں کی تحقیر کرنا معمولی بات سمجھتا ہو۔ اسی طرح فرمایا کہ تم اشارہ سے بھی کسی کی توہین مت کرو۔ کسی کا الٹا سیدھا نام نہ رکھو جس سے وہ چڑنے لگے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ وہ عام سی باتیں ہیں جو ہمارے معاشرے کا عام چلن ہے۔ ان کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: "بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الایمان " "ایمان کے بعد اسی طرح کی برائیوں کا نام بھی تمہاری زبانوں پر نہیں آنا چاہئے اور اگر آتا ہے تو یہ بہت بری حرکت ہے۔"

اندازہ کیجئے کہ ایمان کے بعد کس طرح اخلاقیات کو اہمیت دی جا رہی ہے اور معمولی خلاف اخلاق باتوں کو بھی ایمان کے منافی قرار دیا جا رہا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جن صفات کا پیکر دیکھنا چاہتا ہے اور پھر ان کے لئے جو نام تجویز کرتا ہے عبادالرحمٰن کا نام ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں ان محبوب بندوں یعنی عبادالرحمٰن کو جن صفات کا حامل قرار دیا گیا، ان میں انکساری، خشیت الٰہی، عفوو درگزر، میانہ روی اور قتل وخونریزی اور بدکاری سے اجتناب، ہر بری جگہ اور ہر بری محفل میں شرکت سے پرہیز، جھوٹی گواہی دینے سے احتراز، اور ہر لغویات سے گریز جیسی اخلاقی خوبیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں ان کو عبادالرحمٰن جیسا معزز اور محترم نام عطا کیا گیا ہے۔ جس سے بڑھ کر اللہ کے قرب کے لئے شاید کوئی اور نام نہ ہو۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بدوی نے جب آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ حضور مجھے وہ کام سکھایئے جو جنت میں لے جائے تو آپ ﷺ نے تمام تر اخلاقی خوبیوں کا ذکر فرمایا، فرمایا کہ انسان کو غلامی سے آزاد کر، انسان کی گردن کو قرض کے بندھن سے چھڑا، ظالم رشتہ داروں کا ہاتھ پکڑ، اور اگر تو یہ نہ کر سکے تو بھوکے کو کھلا، اور پیاسے کو پلا، اور نیکی کا راستہ دکھا، اور برائی سے روک اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو بھلائی کے سوا اپنی زبان بند رکھ۔

اندازہ فرمائیے کہ یہ وہ خوبیاں ہیں جو انسان کو جنت میں لے کے جاتی ہیں اور یہی چیزیں ہیں جن کو ہم فضائل اخلاق یا مکارم اخلاق کہتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کو آپ نے سب سے کامل مؤمن قرار دیا۔ فرمایا: "خیار کم احسنکم اخلاقا" "کہ تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو تم میں اخلاق میں بہتر ہیں۔" مزید فرمایا: ﴿احب عباد اللہ الی اللہ احسنھم اخلاقا﴾ "کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔"

ایمان کے بعد اسلام کی تمام تعلیمات کا نچوڑ اور اسلام کی روح تقویٰ ہے۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ سے بے پناہ وابستگی اور اللہ کی توحید پر ایمان، آخرت، فرشتوں، کتابوں، اور نبیوں پر ایمان ضروری اور عبادت کی پابندی لازمی ہے، اسی طرح اپنے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور حادثات کا شکار ہونے والوں کی مالی اعانت، عہد و پیماں کا پورا کرنا، ہر طرح کے حالات میں صبر اور استقامت، جنگ میں پامردی بھی لازم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں اخلاقی خوبیوں سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے بغیر ایک مؤمن متقی نہیں ہو سکتا۔

اسلام میں اخلاق کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جو دعا مانگتے تھے، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہوتا تھا جسکا ترجمہ ہے کہ "اور مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت فرما، بہترین اخلاق کی ہدایت نہیں کر سکتا مگر تو، مجھ سے برائیاں دور رکھ ان برائیوں کو نہیں ہٹا سکتا مگر تو۔" کبھی حضور ﷺ یہ دعا کرتے سنائی دیتے کہ یا اللہ جس طرح تو نے مجھے خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اسی طرح مجھے خوبصورت اخلاق بھی عطا فرما۔

ایک متقی انسان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ کے یہاں قرب کا بہتر سے بہتر مقام حاصل کر لے۔ اس کے لئے اللہ کے وہ نیک بندے جن کو اس نے بندگی کی توفیق بخشی ہے وہ راتوں کو عبادت میں گزارتے ہیں، اور دن کو روزہ رکھتے ہیں اور اپنے اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ راتوں کی بیداری اور دن کو اسی کے لئے بھوک اور پیاس اس کے

قرب کا ذریعہ ثابت ہونگی لیکن اخلاق کی اہمیت کا کیا کہنا کہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "ایک آدمی اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے رات کے عبادت گزار اور دن کے روزہ دار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

مزید فرمایا کہ: "کوئی شے اللہ کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بوجھل نہیں اس لئے اچھے اخلاق کا مالک اللہ کے یہاں اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے صوم وصلوٰۃ کی پابندی کرنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔"

حاصل کلام یہ ہے کہ اخلاق حسنہ اور مکارِ اخلاق اسلام میں اس قدر اہمیت رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ابتدائی دعوت میں جب کہ ابھی احکام کا نزول بھی نہیں ہوا تھا، اپنے ماننے والوں کو حسن اخلاق پیدا کرنے اور حامل بننے کی تعلیم دی اور پھر قرآن کریم نے کہیں اخلاق حسنہ کو عبادت کے برابر قرار دیا اور کہیں عبادات کی فرضیت کا مقصود ٹھہرایا کہ عبادات ان کے اندر جوہر اخلاق پیدا نہیں کرتیں تو وہ عبادات ایک طرح سے خالی ہیں قرآن کریم نے جابجا حقوق اللہ کا زور دیا لیکن حقوق العباد کو اس سے اہم تر ٹھہرایا اور آنحضرت ﷺ نے مختلف مواقع پر واضح فرمایا کہ حقوق اللہ میں کوتاہیاں شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادے لیکن حقوق العباد کی کوتاہیاں کسی صورت بھی معاف نہیں ہوں گی۔ قیامت کے دن ایسی کوتاہیاں کرنے والے لوگ اپنے اعمال صالحہ سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ تقویٰ جو اسلام کی روح ہے، قرآن کریم نے جہاں ایمان اور عبادات کو اس کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے وہاں اخلاق حسنہ کو بھی اس کو حاصل کرنے کا لازمی جز قرار دیا۔ اسی طرح مؤمنوں کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ان میں جابجا ہمیں اخلاق حسنہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک آدمی عبادات میں فرائض کی حد تک کوشش کرتا ہے لیکن زیادہ وقت اخلاق حسنہ کی تکمیل میں اور خلق خدا کی خدمت میں صرف کرتا ہے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ان اخلاق کے ذریعے وہ درجہ عطا فرمائے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار کا درجہ ہوگا۔ انہیں تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ قرون اولی میں مسلمان جہاں عبادات میں

کوتاہی نہیں کرتے تھے اور اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر محنت کرتے تھے، اسی طرح ہمیں ان کے اخلاق میں بھی کوئی کمزوری دکھائی نہیں دیتی، بلکہ عرب کے جس معاشرے میں اسلام نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی، ہم سب جانتے ہیں کہ اس معاشرے کا ایک ایک فرد اخلاق تو دور کی بات ہے، انسانیت کی معمولی باتوں سے تہی دامن تھا، دوسروں کا حق چھین لینا ان کے نزدیک نہایت معمولی بات تھی، بلکہ وہ تو زندگی کا چراغ گل کر دینے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے تھے لیکن اخلاق کی تعلیم سے بہرور ہونے کے بعد ان کے اندر ہم یہ حیرت انگیز تبدیلی دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک فرد دوسرے فرد کے لئے رحمت کا پیغام بن گیا۔ کوئی گھر اس وقت تک پیٹ بھر کر کھانا اپنے لئے حرام سمجھتا تھا جب تک وہ اپنے پڑوسی کی دیکھ بھال نہ کر لیتا تھا صبح اٹھ کر اہل محلّہ ایک دوسرے کو یتیموں، بے کسوں اور، نادانوں کی خبر گیری کی تلقین کیا کرتے تھے، بستی میں آنے والا نہایت محترم مہمان سمجھا جاتا تھا جب تک وہ ٹھہرتا اسے کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ تنہا چلنے والے لوگ کبھی اس خوف کا شکار نہیں ہوتے تھے کہ ہمیں راستہ میں لوٹ لیا جائے گا، کسی سے معاملہ کرنے والا کبھی اس خدشہ کو محسوس نہیں کرتا تھا کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوگا، دیانت وامانت، وعدہ کی پابندی یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا، ہر آدمی ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتا اور حتی الامکان دوسرے کے کام آنے کی کوشش کرتا۔ یہاں تک بھی دیکھنے میں آیا کہ اگر کوئی شخص اللہ کے حق کی کوشش میں مصروف ہے لیکن کوئی بندہ اپنا حق لے کر اس کے پاس پہنچ گیا تو اس نے اس کے حق کی ادائیگی کے لئے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مسنون اعتکاف میں تھے کہ ایک صاحب ان کے پاس پہنچے، اور عرض کیا کہ مجھے فلاں صاحب کا قرض ادا کرنا ہے وعدے کا وقت آ گیا ہے لیکن میں ادائیگی کی پوزیشن میں نہیں ہوں، میں اس وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ اگر آپ اس کے پاس میری سفارش کر دیں تو مجھے امید ہے کہ وہ

مجھے مزید مہلت دینے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ آپ اٹھ کر اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو اس کو فوراً خیال آیا اور اس نے یاد دلایا کہ حضرت آپ تو اعتکاف میں ہیں، آپ میرے ساتھ کیسے جا سکیں گے؟ آپ نے مسجد سے نکلتے ہوئے اس سے فرمایا کہ مسنون اعتکاف کی قضاء ہو سکتی ہے۔ اللہ نے زندگی دی تو انشاء اللہ میں اس کی قضاء کر لوں گا لیکن آپ کی پریشانی فوری مداویٰ کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے اسی وقت آپ کے ساتھ جانا ضروری ہے۔ ویسے بھی میں نے حضور ﷺ سے سنا تھا کہ کسی حاجت مند، مستحق کے کام آنا اور اس کی مدد کرنا کئی اعتکافوں سے بڑھ کر ثواب رکھتا ہے۔ اس لئے میں تمہاری مدد کرنے کو اولیت دینا چاہتا ہوں۔

ایسے بے شمار واقعات ہیں جو ہمیں قرون اولی کے مسلمانوں میں ملتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت روک کر دوسروں کی ضرورتیں پوری کرتے تھے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسرے کو راحت پہنچاتے تھے۔ اگر مالی اعانت نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم تسلی اور دلجوئی سے گریز نہیں کرتے تھے اس طرح اس معاشرے میں رہنے والا ہر فرد محسوس کرتا تھا کہ میں تنہا نہیں ہوں بلکہ میں ایک ایسے معاشرے میں رہ رہا ہوں جس کا ہر فرد افرادِ خاندان کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا آج کا سب سے بڑا حادثہ یہ ہے کہ اولاً تو ہم اسلام کی مجموعی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں لیکن جن لوگوں کو نماز، روزے کی توفیق بھی میسر ہے وہ بھی صرف عبادات کی حد تک اسلام سے تعلق رکھتے ہیں رہا اس کا وہ حصہ جس کو ہم حقوق العباد کہتے ہیں، اور جن کی ادائیگی اخلاق کہلاتی ہے ،اس کا چلن ہمارے معاشرے میں روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے نتیجہ اس کا واضح ہے کہ ہر فرد دکھ، کرب اور اضطراب کا شکار ہے اور یوں ہمارے معاشرے میں نئے نئے بگاڑ جنم لے رہے ہیں، اللہ ہم سب کو اچھے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

حسنِ خلق کی اہمیت قرآن کی نظر میں

اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں اور نہ ہی چند عبادات تک محدود ہے

بلکہ یہ مکمل زندگی کے شب وروز گزارنے کا طریقہ اور کامل ومکمل اور اکمل ترین دین ہے۔ ایک مختصر سے جملے میں ہم یوں تعبیر کرسکتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مستقبل تہذیب ہے۔اسلام نے عقائد وعبادات کے بعد تیسرا درجہ اخلاقیات کو دیا ہے۔یقیناً اعلیٰ اخلاق دین ہے اور یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ دین اور اخلاق کو کسی بھی طرح الگ نہیں کیا جاسکتا اس وقت تک دین کی تکمیل ممکن ہی نہیں جب تک کہ اعلیٰ اخلاق کی طاقت حاصل نہ ہو جیسا کہ آنے والی احادیث سے یہ مفہوم واضح ہورہا ہے۔

یادرکھیئے !اعلیٰ اخلاق رسول اقدس ﷺ کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وانک لعلیٰ خُلُقٍ عظیم ترجمہ:اور بے شک آپ حسن خلق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے رسول اقدس ﷺ اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انتہائی جامع الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا کہ۔ کان خلقه القرآن

(ترجمہ)......آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق قرآن کریم والے اخلاق تھے۔(مسلم)

یعنی رسول اقدس ﷺ ان تمام صفات اعلیٰ اور اخلاق حسنہ سے متصف تھے جو قرآن کریم میں مذکور ہیں اور قرآن کریم سے بڑھ کر اخلاق کس کے ہوسکتے ہیں آپ ﷺ قرآن کریم کی ان تمام صفات کے بہترین نمونہ تھے بلکہ ایک عالم دین نے اپنے وعظ میں یہاں تک فرمایا اور ایک کتاب میں مطالعے کے دوران بھی یہ بات نظروں سے گزری کہ رسول اقدس ﷺ کی صداقت ونبوت کیلئے اگر آپ ﷺ کو کوئی معجزہ نہ دیا جاتا تو صرف آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق ہی آپ ﷺ کی صداقت ونبوت کیلئے کافی تھے۔

ایک موقع پر خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (ترجمہ:میں اچھے اخلاق کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں)

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اقدس ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔چنانچہ واضح ہوا کہ

آپ ﷺ سے زیادہ دنیا میں کوئی با اخلاق نہ تھا اور نہ قیامت تک کوئی آ سکتا ہے البتہ جو آپ ﷺ جیسے اخلاق اپنانے کی کوشش کریگا یقیناً کامیاب ہوگا۔

حسنِ خلق کی اہمیت احادیث کی نظر میں

حدیث نمبر ا......ایک شخص رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں سامنے کی طرف سے آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ دین کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا اعلیٰ اخلاق وہ چلا گیا اور دوبارہ دائیں طرف سے آیا اور وہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا اعلیٰ اخلاق پھر وہ تیسری مرتبہ بائیں طرف سے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ دین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق پھر وہ چوتھی مرتبہ پیچھے کی طرف سے آیا اور یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا! کیا تو سمجھتا نہیں ہے دین یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے۔

حدیث نمبر ۲......حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا کہ انسان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا بہترین ہدیہ کونسا ہے آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق۔ (مسند امام احمد)

حدیث نمبر ۳......قیامت کے روز جب نیکیاں تولی جائیں گی تو اعلیٰ اخلاق کا پلہ جھکا رہے گا رسول اقدس ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اعمال کے ترازو میں اعلیٰ اخلاق کا وزن سب سے زیادہ ہوگا۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر ۳......رسول اقدس ﷺ نے آخری ایام میں جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں متعدد نصیحتیں فرمائی تھیں وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے آخری نصیحت مجھے اس وقت فرمائی جبکہ میں نے اپنے پاؤں اپنی سواری کے رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ! اے معاذ لوگوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق سے پیش آنا۔

(مؤطا امام مالکؒ)

حدیث نمبر۴......حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میزان میں سب سے پہلے اعلیٰ اخلاق اور سخاوت رکھی جائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کی تخلیق فرمائی تو اس نے عرض کیا اے اللہ! مجھے قوت عطا کر تو اللہ تعالیٰ نے اسے اعلیٰ اخلاق اور سخاوت سے تقویت بخشی اور جب کفر پیدا کیا تو اس نے عرض کیا اے اللہ! مجھے طاقت دے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخل اور بدخلقی عطا کی۔ (بحوالہ احیاء العلوم)

حدیث نمبر۵......ایک شخص نے رسول اقدس ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی کہ جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اس نے عرض کیا کہ کچھ اور نصیحتیں فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ گناہ کے بعد نیک کام ضرور کیا کرو، نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے اس نے عرض کیا کہ مزید نصیحت فرمایئے آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معاملہ کرو۔ (ترمذی شریف)

حدیث نمبر۶......رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اپنے لئے خاص کر لیا ہے اور تمہارے دین کے لئے سخاوت اور اعلیٰ اخلاق سے زیادہ کوئی چیز موزوں نہیں ہے خبردار اپنے دین کو ان دونوں صفتوں سے مزین کرو۔ (دارقطنی)

حدیث نمبر۷......حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ اعرابی آپ ﷺ سے یہ دریافت کر رہے تھے کہ بندے کو سب سے اچھی چیز کیا عطا ہوئی آپ ﷺ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اعلیٰ اخلاق۔ (ابن ماجہ)

حدیث نمبر۸......رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور با اعتبار مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو تم میں زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۹۱)

حدیث نمبر۹......حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کی رسول اقدس

ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس شخص میں یہ تین چیزیں یا ان میں سے ایک نہ ہو تو اس کے کسی عمل کا اعتبار مت کرو۔ تقویٰ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے اسے روکے! بردباری جس سے بیوقوف کو باز رکھے اور اعلیٰ اخلاق جن کے سہارے لوگوں کے درمیان زندگی گزارے۔ (طبرانی)

حدیث نمبر ۱۰...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز کے آغاز میں رسول اقدس ﷺ یہ دعا فرماتے تھے اے اللہ! اچھے اخلاق کی طرف میری ہدایت کر تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں کرتا اور مجھے بُرے اخلاق سے دور رکھ تیرے سوا بُرے اخلاق سے کوئی دور نہیں رکھتا۔ (مسلم شریف)

حدیث نمبر ۱۱ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خوش اخلاقی گناہ کو اس طرح پگھلا دیتی ہے جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے! خوش اخلاقی کے وصف کو ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا جس کا ترجمہ ہے کہ خوش اخلاق ہونا یہ اچھا شگون ہے۔ (احیاء العلوم ج۳ ص۹۱)

حدیث نمبر ۱۲...... حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر دنیا میں کسی عورت کے دو شوہر ہوں (یعنی یکے بعد دیگرے، راقم) اور وہ دونوں مرجائیں تو وہ عورت جنت میں کس کو ملے گی تو آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ اس کو ملے گی جو دنیا میں اس کے ساتھ زیادہ خوش خلق رہا ہوگا! اے ام حبیبہ خوش خلق دنیا و آخرت کی خیر لے کر گئے۔ (طبرانی کبیر)

حدیث نمبر ۱۳...... رسول اقدس ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو خدا توفیق دیتا ہے وہ اپنی خوش اخلاقی اور طبیعت کے کرم سے روزہ دار شب زندہ دار اور عابد کا درجہ پالیتا ہے۔ (مسند امام احمد)

حدیث نمبر ۱۴...... حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ میں نے رات ایک عجیب خواب دیکھا کہ میری امت کا ایک شخص دو زانو بیٹھا ہوا ہے اس کے اور اللہ کے

درمیان حجاب ہے اتنے میں اس کا حسن خلق آیا اور اس کو خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کر دیا۔

(احیاء العلوم ج ۳)

حدیث نمبر ۱۵...... حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ اپنی خوش اخلاقی سے بڑے بڑے درجات اور منازل کا شرف حاصل کرے گا حالانکہ وہ عبادت میں کمزور ہوگا۔ (طبرانی کبیر)

حدیث نمبر ۱۶...... رسول اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ فحش اور فحش گوئی اسلام میں بالکل نہیں اور سب سے بہتر مسلمان وہ ہے جو اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہو۔ (اسلامی آداب زندگی)

حدیث نمبر ۱۷...... عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا! کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب کون ہوگا؟ آپ ﷺ نے دو یا تین بار یہ کلمات فرمائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ فرمائیے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہوگا۔ (اسلامی آداب زندگی ص ۱۸، بحوالہ مسند امام احمد)

حدیث نمبر ۱۸...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اقدس ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن اپنے حسن خلق کی بدولت قائم الیل اور صائم النہار کے درجات تک پہنچ جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

حدیث نمبر ۱۹...... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا فلاح پا گیا کہ جس نے اپنے قلب کو ایمان کے لئے خالص کر دیا، قلب کو سلیم، زبان کو صادق، نفس کو مطمئن اور اخلاق کو اعلیٰ بنایا۔ (اسلامی آداب زندگی ص ۲۰)

حدیث نمبر ۲۰...... رسول اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم لوگوں کے قلوب کو اپنے مال ودولت سے نہیں اپنا سکتے البتہ اپنی خوش خلقی اور حسن معاملہ سے ان کے دلوں کو اپنا سکتے ہیں۔ (فتح الباری)

حدیث نمبر ۲۱...... حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا

اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق پسند کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت میں صرف اچھے اخلاق والے داخل ہوں گے۔

(احیاء العلوم ج ۲)

حدیث نمبر ۲۲......ایک موقع پر صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایمان کے اعتبار سے کونسا مؤمن افضل ہے آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حدیث نمبر ۲۳......جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنایا ہے تو اپنے اخلاق کو بھی خوبصورت کر۔ (ایضاً)

حدیث نمبر ۲۴......حضرت انس رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اقدس ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا یا ابوذر! میں تجھے دو ایسی باتیں بتلاؤں جو نہایت ہلکی ہیں لیکن اعمال کے ترازو میں بہت بھاری ہیں ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں ضرور بتلایئے آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: طویل خاموشی اور خوش خلقی، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دو خصلتوں سے بہتر مخلوق کے لئے کوئی کام نہیں (مشکوۃ المصابیح ج ۲)

حسنِ خلق کی مزید اہمیت وفضیلت

انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اس کے اعمال واخلاق ہیں۔ اعمال واخلاق ہی پر اس کی بلندی و پستی، اس کی ترقی وتنزل، اس کی مقبولیت اور نامقبولیت کا دارومدار ہے۔ اعمال واخلاق ہی انسان کو بامِ عروج پر لے جاتے ہیں اور اعمال واخلاق ہی اس کو ذلت وتباہی کے گڑھے میں پہنچادیتے ہیں۔ یہی حال اجتماعی زندگی کا ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد کی اکثریت حسنِ عمل کی سرمایہ دار ہوگی تو وہ ترقی وعروج کی بلندیوں کو چھولے گی اور جس قوم کے افراد حسنِ عمل سے محروم ہوں گے وہ قوم ترقی کے بجائے تنزل کی طرف

جائے گی۔ یہ وہ بات ہے جس کو علوم عمرانی کے ماہر بھی تسلیم کرتے ہیں اور جس کی گواہی میں تاریخ کے اوراق بھی صف باندھے کھڑے ہیں۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہترین ضابطہ حیات عطا فرمایا ہے جس سے زیادہ جامع اور مکمل کوئی دستورِ حیات، کوئی ضابطہ عمل اور نظامِ اخلاق آج تک پیش نہیں کیا جاسکا اور مسلمان کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی پیش نہیں کیا جاسکے گا۔ اسلامی نظامِ عمل میں جہاں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق مکمل و مفصّل ہدایات موجود ہیں اور ایک نمونہ کامل محفوظ ہے وہیں زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی گوشوں کو بھی ہدایات کی روشنی سے منوّر کردیا گیا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنانے کے لئے بڑی کارآمد اور کارگر ہیں۔ ہادی برحق ﷺ کا فرمان ہے کہ "مؤمن کے میزان میں اعلیٰ اخلاق سے زیادہ کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔"

حسنِ خلق بہت بڑی طاقت ہے

اِس دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ یہ سوال سب سے اہم ہے اور قطعی طور پر ایک بنیادی اور اساسی سوال ہے۔ اِس کا شافی وکافی جواب جب تک سامنے نہ ہو، علم وحکمت، دانش وبینش، فلسفہ ومنطق، اخلاق واقدار کی کوئی اساس قائم ہوگی اور نہ بنیاد۔ ہر چیز کا فیصلہ اس سوال کے جواب پر منحصر ہے اور اِس کے تابع ہے۔

اسلام سب سے پہلے اس سوال کی طرف توجّہ کرتا ہے اور ہمیں بیّن طور پر اور واضح طور پر اور کسی شک وشبہ اور شائبہ اشتباہ کے بغیر بتاتا ہے کہ اس دنیا میں انسان کی حیثیت اللہ کے بندے کی ہے اور نائب کی ہے۔ اس کرۂ ارض کی ہر چیز جس سے انسان کو سابقہ پیش آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مِلک ہے۔ ہر شے کا مالک وخالق اللہ ہے۔ انسان اور انسان کی ہر قوت اللہ کی ملکیت ہے۔ اِنسان کو تو بس اِن قوتوں کے استعمال کا حق دیا گیا ہے۔ اللہ کے نائب کی حیثیت سے اِس زمین کا ہر انسان ایک امتحان میں ہے اور اس دنیا کے بعد آنے

والی دنیا میں اس امتحان کا نتیجہ برآمد ہوگا۔فرد وقوم اور پوری نوعِ انسانی کو ایک دِن حساب دینا ہے۔

اس سوال اور اس جواب کے بعد یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے اِس کے معیار اور اصول کا فیصلہ انسان کا حق نہیں ہے بلکہ یہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہے،اس لئے معیارِ اخلاق متعیّن کرنے کے لئے ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی سے استفادہ کرتے ہیں اور یہی راہِ حق اور صراطِ مُستقیم ہے۔اِس اعتبار سے قرآن کریم ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النّبیّین ﷺ ہمارے لئے ہادی برحق۔

اسلام کی نگاہ میں اخلاق کا مرتبہ یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے نہایت واضح الفاظ میں اپنے رسول بنائے جانے کی غرض وغایت اخلاقِ نیک کی تکمیل ظاہر فرمائی۔چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مکارمَ الاَخلاقِ "یعنی میں صرف نیک اخلاق کی تکمیل کے لئے بھجا گیا ہوں"

ایک موقع پر حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: کہ روز قیامت تم میں میرے سب سے پیارے اور نشست میں مجھ سے سب سے نزدیک وہ ہونگے کہ جو تم میں خوش اخلاق ہیں مزید آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں میں ایمانِ کامل اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔

خالق کی خوشنودی اور مخلوق میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے اخلاق سب سے بڑا سب سے بہتر،سب سے زیادہ آسان ذریعہ ہے۔انسان ہزار عالم وفاضل اور عابد وزاہد ہو اگر وہ اوصافِ اخلاق سے محروم ہے تو اس کے علم وفضیلت اور عبادت وزہد سب ہیچ ہیں۔اعتقادی طور پر انسان خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔لیکن ہر ایک انسان میں حقیقی جوہر انسانیت ہونا ضروری ہے۔

شارع اسلام حضرت نبی کریم ﷺ نے اخلاق کی تعلیم پر جس قدر زور دیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد یہ دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مذہب اسلام کی تمام تر تعلیم کا لُبّ

لُباب اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ صرف ''اخلاق'' ہے۔حضور نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے تین مرتبہ یہی ایک سوال کیا ''دین کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے تینوں مرتبہ یہی جواب فرمایا ''اخلاق''۔

انسان حسنِ خلق ہی سے بنتا ہے

جب کسی محفل میں جاؤ تو ان اشخاص کے طرزِ عمل اور اعلیٰ اخلاق کو جو بہتر ہوں۔ ملاحظہ کرو۔مثلاً مشہور ہے کہ انسان اخلاق ہی سے بنتا ہے۔اور عمدہ سیرت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے۔خوش اخلاقی سب آدمیوں کے لئے ضروری ہے۔اور بعض ایسے ہیں جن کے لئے خوش اخلاقی ہی سب کچھ ہوتی ہے۔لیاقت اور علم سے دلوں پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ہاں جب خوش اخلاقی سے دلوں پر قبضہ کرلیا جائے تو یہ دونوں اس قبضے کو ہمیشہ کے لئے بحال رکھتے ہیں۔اپنی اپنی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، حرکات و سکنات اور ظاہری شکل و شباہت سے دُوسروں کی آنکھ کو اور اپنی آواز، طرزِ گفتگو اور لب و لہجہ سے دُوسروں کے کانوں کو گرویدہ کرو۔پھر دل خود بخود گرویدہ ہو جائے گا۔

دنیا کے مکتب میں انسان کے لئے انسان ہی سہل الحصُول اور سب سے بڑھ کر مفید کتاب ہے۔جس کے مطالعے سے وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سبق سیکھتا ہے۔پس جو لوگ اپنے ناپاک اخلاق کا بُرا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔وہ نہ صرف انسانی زندگی کو تباہ کررہے ہیں بلکہ نظامِ قدرت میں بدنظمی پھیلانے کے بھی مُجرم ہیں۔

حسنِ خلق کے بغیر ایمان بھی بے جان ہے

ایمان اور اخلاق ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔اسلام اعلیٰ اخلاق کے بغیر بے جان ہے۔ایک حدیث شریف میں اسلام کو عینِ اخلاق فرمایا گیا ہے، اور دین کی ستھرائی پر منحصر کردیا گیا ہے، حتیٰ کہ عبادت کی خوبی اور مقبولیت کو پاکیزگی اخلاق سے مشروط کردیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایمان کی رُوح کے بعد دعوتِ محمدی ﷺ کے دو بازو ہیں: ایک عبادت دوسرا اخلاق۔ ایک خالق کا حق ہے اور دوسرا مخلوق کا۔ انہی کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔ واضح طور پر مطلب یہ ہوا کہ اخلاقِ اسلامی تقاضا کرتا ہے کہ مخلوق کے ساتھ پسندیدہ سلوک کیا جائے، کیوں کہ اس کے بغیر پُر امن اور صالح معاشرہ قائم نہیں ہوسکتا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمام انسان اِس طرح زندگی بسر کریں کہ وہ ایک دوسرے کے ہمدرد، دوست اور مددگار اور بہی خواہ ہوں، کیوں کہ اس کے بغیر انہیں اس دنیا میں سکون نہیں مل سکتا۔ اسلام کا بنیادی مقصد فلاحِ دارین ہے اور یہ مقصد صرف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان بلکہ تمام مخلوقات سے محبت کرنا سیکھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایمان کے باب میں ایک نہایت بلیغ اور بڑی جامع ہدایت عطا فرمائی ہے۔ ''بندہ حقیقتِ ایمان کے رتبے پر اُس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ سارے آدمیوں کے لئے وہی بھلائی نہ چاہے جو وہ اپنے نفس کے لئے چاہتا ہے''

اس سے بڑھ کر بنی نوعِ انسان کی خیر طلبی کا معیار نہیں ہوسکتا۔ کامیاب زندگی کا یہ ایک بڑا بنیادی نقطہ ہے اور تمام اخلاقی اعمال کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اِس سے ہمیں ایک سبق بھی ملتا ہے کہ نیکی کا فیض عام ہے، سب کے لئے ہے۔ ایک جگہ حضور ﷺ نے واضح بھی فرمادیا ہے کہ مسلمان جب نیکی کرے تو کافر، مسلمان، فاسق وفاجر، سب سے کرے۔ اخلاق کی بلندی یہی ہے اور ایسے اچھے اخلاق ہی وہ ستون ہیں جن پر قوموں اور جماعتوں کی زندگی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اخلاق ہی سے قوت و طاقت اور عزّت و سلطنت اور عظمت ورفعت حاصل ہوتی ہے۔ اخلاق ہی وہ شان ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی نیابت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ داعی انقلاب ﷺ نے فرمایا: تَخَلَّقُوا بِاَخلَاقِ اللہِ یعنی...... ''اللہ تعالیٰ والے اخلاق کو اپناؤ اخلاق بناؤ۔''

اقوام وملل کی ترقی مادّی طاقتوں کی فراوانی سے نہیں ہوتی اور نہ صرف عقل ودماغ کی ترقی [illegible] سے بلکہ اس [illegible] کے لئے اخلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔

حسنِ خلق والوں کا مرتبہ ومقام

حضرت عائشہؓ سے رووایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''کہ بلاشبہ مؤمن بندہ اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے راتوں رات نماز میں کھڑا رہنے والے اور دن بھر روزہ رکھنے والے آدمی کا درجہ پالیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

تشریح...... ''اچھی خصلت وعادت جسے نصیب ہوجائے تو اسے دنیا وآخرت کی خیر مل گئی، اچھے اخلاق کا اللہ جل شانہٗ کے یہاں بہت وزن ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ''قیامت کے دن سب سے بھاری چیز جو مؤمن کے ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔''

لفظ ''اچھے اخلاق'' کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کی تشریح میں ہزاروں صفات کی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق کے حقوق واجبہ ادا کرنا چھوٹوں پر شفقت کرنا، سب کو اپنی زبان اور ہاتھ کی تکلیف سے محفوظ رکھنا، اور آگے پیچھے سب کی خیر خواہی کرنا، دھوکہ نہ دینا، خیانت نہ کرنا، سچ بولنا، نرمی اختیار کرنا، ہر ایک سے اس کے مرتبے کے مطابق برتاؤ کرنا، جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا، مشورہ صحیح دینا، بد زبانی سے بچنا، حیا اور شرم اختیار کرنا مخلوق کی حاجتیں پوری کرنا، سب کے ساتھ خوبی کا برتاؤ کرنا، بے جا غصہ نہ کرنا، حسد اور کینہ کو دل میں جگہ نہ دینا، یہ اور اسی طرح بیسوں باتیں ہیں جن کو حسن اخلاق کا مفہوم شامل ہے۔

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ سب سے بہتر کیا چیز ہے جو انسان کو عطا کی گئی، حضور اقدس ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ایسی چیز حسن اخلاق ہے۔

حسن اخلاق کا مظاہرہ صحیح معنوں میں اس وقت ہوتا ہے جب لوگوں سے تکلیف پہنچے اور صبر کرتے ہوئے خوبی کا رویہ اختیار کرے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تو جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈر اور گناہ

ہو جائے تو اس کے بعد ہی نیکی بھی کر، یہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ میل جول رکھ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مومن میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھا ہو۔

حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کیجیو اور سختی سے پیش نہ آئیو، اور ان کو خوشخبریاں سنائیو اور نفرت نہ دلائیو اور آپس میں متفق رہیو اور اختلاف نہ رکھیو۔ (بخاری)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے (یمن جانے کے لئے) رکاب میں قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو آخری وصیت یہ فرمائی کہ اے معاذ! لوگوں سے خوش خلقی سے پیش آنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کی رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ "اللھم حسَّنتَ خَلقِی فا حسن خُلُقی" اے اللہ تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے تو میرے اخلاق بھی اچھے کر دے۔

حسنِ خلق کا اظہار کیجئے

اچھے اخلاق کے کچھ تقاضے ہیں کہ صاحب اخلاق شخص دوسروں سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ترش روئی سے گریز کرے۔ مشکل اور پریشان کن حالات میں بردباری سے کام لے۔ ایسا شخص سب کو متاثر کرتا ہے اور دوسرے چاہتے ہیں کہ ایسے شخص سے راہ رسم بڑھائیں اور تعلقات قائم کریں۔ ایسا شخص نہ تو اعصابی امراض کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی نفسیاتی بیماریوں کا۔ وہ اپنی بردباری اور ہمت سے پیش آمدہ مشکلات پر آسانی کے ساتھ غلبہ پا لیتا ہے۔ اس کے برعکس بداخلاق شخص جب لوگوں سے ملتا ہے تو اس کے ماتھے پر شکن ہوتے ہیں اور ترش روئی سے پیش آتا ہے۔ اس کا لہجہ کاٹ کھانے والا ہوتا ہے۔ وہ بدمزاج اور بدزبان ہوتا ہے۔ اپنے اس رویے کے سبب خود پریشان رہتا ہے اور دوسروں کو بھی نہ

صرف پریشان رکھتا ہے بلکہ ان کی زندگی اجیرن بنا دیتا ہے۔ وہ لوگوں کے لئے۔ ناپسندیدہ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ لوگوں کی اس بے رخی کے سبب وہ خود نفسیاتی اور اعصابی امراض کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا حلقہ احباب نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ۔ "بداخلاق انسان اپنے آپ کو دائمی رنج و عذاب میں مبتلا کر لیتا ہے"۔

بداخلاق انسان کی علامات

اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے نے بداخلاق انسان کی علامت یہ بتائی ہیں: "وہ قلیل الحیاء ہوتا ہے، ہر کسی کو اذیت دیتا ہے، اس میں صلاح اور درستگی کی کمی ہوتی ہے، زبان کا جھوٹا اور فضولیات کا عادی ہوتا ہے، عمل کم اور باتیں زیادہ کرتا ہے، اس سے اکثر لغزشیں سرزد ہوتی ہیں، اس کے اندر نہ نیکی کا شوق اور نہ صلہ رحمی کا جذبہ، نہ صبر، نہ شکر، نہ حلم و بردباری، نہ شفقت و محبت اور نہ عفت و عصمت پائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر پر راضی نہیں ہوتا، وہ گالی گلوچ، غیبت و چغلی، بغض و حسد، غیظ و غضب اور جلد بازی میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنی شہوت و خواہشات میں مگن رہتا ہے اور انہی کی پرستش کی وجہ سے وہ دوسروں سے ناراض رہتا ہے۔"

ضروری نہیں کہ بداخلاقی کا لیبل چسپاں کرنے کے لئے ان ساری علامات کے وجود کو ضروری قرار دیا جائے، جس بدنصیب کے اندر یہ ساری علامتیں پائی جائیں وہ گویا بہت بڑا بداخلاق ہوگا اور جس کے اندر ان میں سے بعض پائی جائیں اس کے بداخلاق ہونے کا درجہ اسی اعتبار سے متعین ہوگا۔

حضرت امام غزالیؒ نے خوش خلقی کو ایمان اور بدخلقی کو نفاق قرار دیا ہے، یہ بھی انہی کا قول ہے کہ:۔ "برے اخلاق ایسا زہر قاتل، ایسا سامان ہلاکت و ذلت اور ایسے واضح رذائل اور خباثتیں ہیں جو ان کو رب العالمین کے قریب سے دور کر دیتے ہیں اور اسے شیاطین کی لڑی میں پرو دیتے ہیں اور اخلاق بد، اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی اس آگ کی طرف

کھلنے والے وہ دروازے ہیں جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔"

حضرت فضیل بن عیاضؒ اپنے متعلقین کو بد اخلاق کی صحبت سے بچنے کے لئے تلقین فرماتے تھے کیوں کہ وہ صرف شر ہی کی دعوت دیتا ہے، یہ بھی فرماتے تھے کہ: "ایسا فاسق و فاجر شخص جس کے اخلاق اچھے ہوں وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس عبادت گزار سے جس کے اخلاق بُرے ہوں۔" حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ: "بد اخلاق شخص کی بد خلقی سے سب سے زیادہ تکلیف خود اسے ہوتی ہے پھر اس کی اہلیہ اور اولاد کو پریشان کرتی ہے، وہ جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو سب خوش و خرم ہوتے ہیں، لیکن جب اس کی آواز سنتے ہیں تو خوف کے مارے سب ادھر ادھر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے جانور بھی اس سے بدکتے ہیں کہ کہیں یہ ہمیں پتھر اور لاٹھی نہ مار دے، اس کا کتا اور بلی بھی ڈر کی وجہ سے بھاگ کر دیوار پر چڑھ جاتے ہیں۔"

قرآن کریم کی کئی آیات میں بُرے اخلاق کی مذمت بیان کی گئی ہے، کہیں جھوٹوں اور ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر ہے، کہیں تند خو، سخت مزاج اور جفا پیشہ انسانوں پر رب کا عذاب نازل ہونے کی صراحت ہے، کہیں بدگمانی، بغض و حسد، غیبت اور چغلی سے بچنے کی تلقین ہے۔ کہیں ایسی اقوام کا تذکرہ ہے جنہیں اخلاق بد میں ملوث ہونے کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا۔ سرورِ دوعالم ﷺ کی احادیث میں بھی بُرے اخلاق کی بار بار مذمت کی گئی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ایک بندہ، عبادت میں کمزوری کے باوجود اپنے اخلاق کی بدولت آخرت کے بلند درجات حاصل کر لے گا اور دوسرا بندہ بُرے اخلاق کی وجہ سے دوزخ کے سب سے نچلے درجے کا حقدار ہو جائے گا۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! فلاں عورت کثرت سے نماز، صدقہ اور روزوں کا اہتمام کرتی ہے مگر وہ اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ عورت دوزخ میں جائے گی"۔ ابوداؤد میں حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایسا شخص

جو شیخی باز متکبر اور سخت مزاج ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''

بعض قارئین اور کو ممکن ہے تعجب ہو کہ خوش اخلاق کی اتنی فضیلت اور بداخلاقی کی اس قدر مذمت کیوں ہے؟ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں اس کا تعلق براہِ راست ایمان کے ساتھ ہے تو ہمارا تعجب دور ہو جاتا ہے۔، جس شخص کے اندر کامل درجے کا ایمان پایا جاتا ہے اس کے اخلاق بھی اعلیٰ ہوں گے اور جو ایمانی اعتبار سے کمزور ہوگا اس اخلاق میں بھی ضعف اور کجی ہوگی، امام ابن تیمیہؒ نے بجا طور پر لکھا ہے کہ اچھے اخلاق کی بنیاد چند عناصر پر ہے۔

(۱)......اللہ تعالیٰ کے خالق، رازق اور مالک ہونے پر ایمان۔

(۲)......اللہ تعالیٰ کی معرفت جو دل میں یہ یقین پختہ کر دے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے۔

(۳)......اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت جو بندے کے تمام احساسات وجذبات پر غالب آ جائے اور اسے یقین آ جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی محبوب نہیں۔

(۴)......اس محبت کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ بندے کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد رضاءِ الٰہی کا حصول بن جائے گا اور زندگی کے ہر عمل اور شعبہ میں اس کی رضا کا متلاشی ہوگا۔

(۵)...... جب اس کے اندرونی جذبات ایسے بن جائیں گے تو اب اس کے اخلاق میں پاکیزگی اور بلندی پیدا ہو جائے گی اور وہ خواہشات کی پرستش سے اوپر اٹھ جائے گا۔

لیکن اگر یہ عناصر نہ پائے گئے تو اسے اخلاقی بلندی نصیب نہیں ہوگی، گویا بلند اخلاقی اس بات کی علامت ہے کہ بندے کے دل میں ابھی تک ایمان راسخ نہیں ہوا۔ ممکن ہے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ بعض غیر مسلموں کے اخلاق بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو بندہ مؤمن اور بندہ کافر کے اخلاق میں بہت فرق ہوتا ہے، کافر کے اخلاق، اس کا تبسم، اس کا رکھ رکھاؤ، اس کی محبت اور چاہت محض دکھاوے اور کاروباری انداز کی ہوتی ہے اسی لئے بسا اوقات وہی شخص جو ہمیں بڑا خوش اخلاق معلوم ہوتا ہے وہ

بعض دوسرے موقعوں پر ایسا درندہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں درندوں کی درندگی ہیچ ثابت ہوتی ہے۔

دورِ حاضر کے سارے کفار خصوصاً امریکہ کو دیکھ لیجئے جن کی خوش اخلاقی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے لیکن وہ عالمِ اسلام کے لئے کیسے سنگدل ثابت ہو رہے ہیں، کابل سے بغداد تک ان کی بد اخلاقی اور خباثت و درندگی کے ان مٹ نقوش ثبت ہو چکے ہیں، جبکہ بندہ مؤمن کی خوش اخلاقی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔ اسے دعا دی جائے یا گالی، صلہ ملنے کی امید ہو یا نہ ہو وہ ہر حال میں اخلاقی پستیوں کا شکار نہیں ہوتا اور اخلاقی برتری قائم رکھتا ہے۔

آخر میں امام ابن قیمؒ کا انتہائی قیمتی ارشاد نقل کر کے بات کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ''سارے گھٹیا اخلاق کی بنیاد چار چیزوں پر ہے جہالت، ظلم، شہوت اور غضب،'' باری تعالیٰ ہمیں ان چاروں کے شر سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور ہماری تمام ماؤں بہنوں کو اچھے اخلاق کی دولت سے مالا مال فرمائے آمین۔ (بشکریہ خواتین کا اسلام)

اچھے اخلاق کے بغیر دین مکمل نہیں

دنیا کے تمام مذاہب میں اخلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ دین اور اخلاق کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دین کی تکمیل مکمل ہی نہیں ہے جب تک اخلاق کی بلندی حاصل نہ ہو۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں'' ایک دوسری حدیث میں اس سے زیادہ اور واضح الفاظ میں فرمایا کہ: ''میں تو اسی لئے بھیجا گیا کہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔''

ان واضح اعلانات کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دنیا میں اللہ کی کتاب لے کر مبعوث ہوئے اور آپ نے لوگوں کے اخلاق درست کئے تا کہ وہ دوسرے انسانوں کے

لئے محبت وراحت اور ہمدردی وغم گساری کا نمونہ بن کر رہیں اور کرۂ ارض انسانوں کے لئے امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

سیرت رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تعلقات کو معیاری حد تک درست کرنے کا کام آپ ﷺ نے ابتدائی مکی دور ہی میں شروع کر دیا تھا۔ نبوت کا ابتدائی دور تھا کہ حضرت ابوذرؓ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا۔ انہوں نے واپس آ کر اپنے بھائی کو بتایا کہ ''میں نے محمد کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں'' اس بات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی تبلیغ کے ساتھ ہی اخلاق حسنہ کی تعلیم شروع کر دی تھی۔

اسی دور میں جب مکہ کے قریش کے مظالم سے تنگ آ کر چند مسلمان آنحضرت ﷺ کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کر گئے تو یہ بات اہل مکہ پر شاق گزری اور انہوں نے حبشہ کے بادشاہ کے پاس ایک وفد بھیجا، جس نے تحفے تحائف بھی پیش کئے اور مہاجروں کے خلاف طرح طرح کی باتیں بھی اس کے کان میں ڈالیں۔ مقصد یہ تھا کہ حبشہ کا بادشاہ، جو عیسائی تھا، مسلمانوں کا مخالف بن جائے اور انہیں اہل مکہ کے حوالے کر دے، نجاشی نے تفتیش حال کے لئے مسلمانوں کو بلایا اور ان کی جانب سے حضرت جعفر طیارؓ نے نمائندہ کی حیثیت سے جو باتیں بتائیں ان میں سے یہ فقرے بھی شامل تھے:

''اے بادشاہ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست زیردست کو کھا جاتے تھے۔ اس اثناء میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا، اس نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خوں ریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو آرام دیں، اور پاک دامنوں پر تہمت نہ لگائیں۔'' یہ تمام باتیں اخلاق حسنہ کے بنیادی اصولوں میں داخل تھیں، اور اسی لئے اسے سننے کے بعد نجاشی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

حضرت جعفر طیار تو مسلمان ہو چکے تھے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے

عقیدت ومحبت میں یہ کہا ہوگا، لیکن قیصر روم کے دربان میں بالکل اسی طرح کا واقعہ ابوسفیان کے ساتھ پیش آیا، جو اس وقت اسلام کی نعمت سے فیض یاب نہیں ہوئے تھے جب ان سے آنحضرت ﷺ کی اصلاحی دعوت کا حال پوچھا گیا تو انہوں جو الفاظ کہے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ توحید اور عبادت کے ساتھ لوگوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ پاک دامنی اختیار کریں، اور سچ بولیں، اور قرابت کا حق ادا کریں۔

یہ شہادت اس وقت کی ہے جب ابوسفیان اسلام کے مخالف تھے، ان باتوں کے پیش نظر پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ دین کی تکمیل اخلاق حسنہ کے اپنانے پر منحصر ہے، دین نام ہے عقائد وعبادت اور اخلاق حسنہ کا، غور کیا جائے تو عقائد وعبادات کا حاصل یہی ہے کہ انسان بہترین اخلاقی اصولوں کا حامل ہوتا کہ معاملات میں وہ بہترین نمونہ اور عام انسانوں کے لئے امن وعافیت کا پیغام بر ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق ہے اور اسی نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ کرۂ ارض پر انسان آپس میں مل جل کر رہیں، فساد برپا نہ کریں، اللہ واحد کی پرستش کریں، اور ایک خاندان کے افراد کی طرح شیر وشکر ہوکر رہیں۔

اخلاق سے متعلق سب سے دشوار تعلیم جو اکثر افراد پر شاق گزرتی ہے وہ عفوودرگزر، ضبط نفس، تحمل وبرداشت کی ہے، لیکن اسلام نے ان دشوار باتوں کو بھی ایسے مؤثر انداز میں بتایا کہ وہ فوراً قلب وروح میں جاگزیں ہوجاتی ہیں۔ مثلاً سورۂ انعام میں فرمایا: (ترجمہ) ''جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہیں وہ اللہ کو بے ادبی سے دانستہ برا نہ کہہ بیٹھیں۔''

سورۂ اعراف میں فرمایا: (ترجمہ) ''معاف کرنے کی عادت ڈالو، نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔''

سورۂ آل عمران میں نیکوکاروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اور جو غصے کو دبانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں۔''

دین واخلاق دونوں لازم ملزوم ہیں، مسلمانوں کے آپس کے معاملات میں حسن اخلاق کو جو اہمیت حاصل ہے وہ سب جانتے ہیں، انہیں تو ایک دوسرے کا بھائی کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اسے ایک نعمت سے تعبیر کیا، لیکن کافروں اور مشرکوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی تاکید فرمائی۔

ترمذی میں یہ حدیث قدسی وارد ہے: "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے خلیل! حسن سلوک کرو، خواہ کافروں کے ساتھ ہی کیوں معاملہ پیش آئے، تو تمہیں ابرار کے مقامات حاصل ہوں گے، اس لئے کہ میرا یہ فیصلہ ہے کہ جس کے اخلاق اچھے ہوں گے میں اسے اپنے عرش کے سایہ میں اور اپنے حظیرۂ قدس میں جگہ دوں گا اور اسے اپنی قرابت سے سرفراز کروں گا۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو، کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً نیک کام کرو کیوں کہ نیکی گناہ کو مٹادے گی اور تمام انسانوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔"

حضرت جابرؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں مجھ کو سب سے زیادہ عزیز اور قیامت میں نشست میں سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے زیادہ معتوب اور قیامت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تصنع کے ساتھ باتیں کرتے ہیں اور اپنی چرب زبانی سے دوسروں پر غالب آنا چاہتے ہیں۔"

حضرت عبداللہ بن مبارک نے حسن خلق کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے کہ خندہ پیشانی، سخاوت وفیاضی اور لوگوں کی تکلیف واذیت دور کرنے کا نام حسن خلق اور حسن سلوک ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حسن خلق کے بغیر، ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی، یہ دین کا نصف حصہ ہے اور جس طرح دین میں عبادات کی اہمیت ہے، وہی اہمیت اخلاق ومعاملات کی

ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ "تم میں کامل مومن وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"

ان کلمات سے یہ نکتہ قطعی طور واضح ہوگیا ہے کہ دین اسلام اخلاق کو اس حد تک بلند مقام دیتا ہے کہ اسلام اور اخلاق، ہم معنٰی اور ہم مفہوم ہو جاتے ہیں، اسلام کا اندازہ فکر یہ ہے کہ اخلاق، یعنی حسن اخلاق حسن سلوک، کے بغیر معاملات زندگی کے استوار نہیں ہو سکتے اور انسانیت کی بہتری کی راہیں آسان نہیں ہوسکتیں اور نہ امن وسلامتی کو قیام ودوام حاصل ہوسکتا ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے اور جب قول فیصل یہ ہے تو ہمیں پاکستان میں اپنے حالات پر احتیاط کے ساتھ اور فہم وفراست کے ساتھ غور کرنا چاہئے، اگر ہمارا دل یہ گواہی دے کہ ہم احکام ربانی سے کنارہ کش ہیں، اور اگر ہمارا ضمیر پکار پکار کر کہے کہ ہم پیروی رسول مقبول سے دور اور بہت دور جا پڑے ہیں تو یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ موجودہ بداخلاقی اور بدحالی اور ابتلا ونکبت کی وجہ اور ہمارے افلاس اور اضطراب کا اصل قرآن سے ہمارا فرار ہے اسی صورت حال نے ہمیں غیر محترم اور غیر ممتاز بنا کر رکھ دیا، اور ہمیں اپنی منزل سے بہت دور کر دیا ہے۔ باور کرنا چاہئے، اور یقین کرنا چاہئے کہ اسلام کے بغیر ہم سر بلند نہیں ہو سکتے اور اخلاق کے بغیر ہم سرفراز نہیں ہو سکتے، روشنی قرآن اور اتباع رسول کے ذریعے ہی ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

اخلاق کا اثر دیرپا رہتا ہے

کہتے ہیں "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" حسن کا جادو بھی خوب چلتا ہے مگر خود حسن ہی پائیدار نہیں ہوتا، اس لئے اس کا اثر بھی پائیدار نہیں ہوتا۔ صرف اخلاق کا جادو ایسا ہے جو دیرپا بلکہ مستقل ہے جس کا اثر دیر تک رہتا ہے۔

ہر پیغمبر نے دنیا کو اخلاق سکھایا مگر پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے جو اخلاق انسانوں کو سکھایا اور جس کا عملی نمونہ خود آپ ﷺ نے دیا اس کی مثال روئے زمین پر نہیں مل سکتی، حضور

مقبول ﷺ کا اخلاق سب نبیوں سے اعلیٰ اور ارفع تھا۔ ان کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ جس پر بھی نظر ڈالتے تھے وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور ساری عمر کے لئے آپ کا غلام ہو کر رہ جاتا تھا چاہے اس راہ میں اسے کتنی سخت سے سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

ایک بوڑھی عورت کا قصہ مشہور ہے۔ وہ ہر روز آپ ﷺ پر کوڑا کرکٹ پھینکا کرتی تھی، ایک دن حضور ﷺ اس کے مکان کے نیچے حسب معمول گزرے تو آپ ﷺ پر کسی نے کوڑا نہ پھینکا تو آپ ﷺ نے محلّہ والوں سے دریافت کیا کہ فلاں مائی خیریت سے تو ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو بیمار ہے، آپ ﷺ یہ سنتے ہی اس کی تیمارداری کے لئے اس کے گھر چلے گئے۔ مائی نے دیکھا یہ وہی شخص ہے جس پر میں روزانہ کوڑا پھینکا کرتی تھی مگر برا ماننے اور کچھ کہنے کے بجائے خاموشی اور شرافت سے برداشت کر کے چلا جاتا تھا اور آج وہی میری تیمارداری کے لئے آ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگئی کہ یہ عام انسان نہیں واقعی خدا کا پیغمبر ہے۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ اس نے حضور ﷺ سے معافی مانگی اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئی۔ گویا یہ آپ ﷺ کے اخلاق کا اثر تھا۔ اسی طرح کے بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق انسان کی وہ صلاحیت ہے جس میں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے اور اگر انسانیت میں سے اخلاق کی صفت نکال لی جائے تو باقی صرف حیوانیت رہ جاتی ہے۔

لفظ اخلاق خلق کی جمع ہے۔ خلق اس فضیلت انسانی کا نام ہے جس کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے، البتہ حسن خلق اس نفسیاتی کیفیت کو کہتے ہیں جو امور باعنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس فضیلت کا وجود کسی انسان میں اس کے آثار وثمرات ہی سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ باطن کی اس روشنی کا عکس انسان کے ظاہری برتاؤ اور سلوک ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ حسن اخلاق میں بہت سی صفات شامل ہیں۔ مثلاً صدق، صبر، حیاء، تواضع، حلم، ایفائے عہد، عیب پوشی، غیرت، نکوکاری، شجاعت، عفت، حکمت، عدل اخوت، رحم شفقت، وغیرہ وغیرہ۔

اخلاق کی فضیلتوں کا ذکر کرنے کے لئے نہ صرف ایک کتاب بھی ناکافی ہے بلکہ اس کا ذکر کرنے کے لئے حوالوں کی خاطر بھی ایک نہیں بے شمار کتابیں درکار ہوگی۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں۔ ''مخلوق خدا کو خوشی اور مصیبت دونوں حالتوں میں راضی اور پسندیدہ خاطر رکھنا حسن خلق ہے'' ''ہر حالت میں اللہ عزوجل کی رضا جوئی حسن خلق ہے''

حسن خلق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان میں قوت برداشت ہو اور وہ انتقام کے کبھی در پے نہ، دشمن پر بھی رحمت اور شفقت کی نظر ہو، اور اس کے ظلم پر خدا سے اس کی مغفرت کا طالب ہو۔''

چار چیزیں حسن خلق ہیں، سخاوت، الفت، خیر خواہی اور شفقت۔'' ''خلق عظیم جود و کرم، درگزر، عفو اور احسان کے مجموعہ کا نام ہے۔''

فرائض کی انجام دہی کا دوسرا نام اخلاق ہے۔'' حسن اخلاق کے متعلق جگہ جگہ پر قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ کے احکام موجود ہیں۔ اسی طرح سے مجسمہ اخلاق، سرور کائنات ﷺ نے بھی حسن اخلاق کی تلقین کی ہے اور خدا اپنی مثال سے رہتی دنیا کے لئے حسن اخلاق کا بے مثال نمونہ چھوڑا۔ ہمیں چاہئے کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور اپنے اخلاق کو سوارنے کی کوشش کریں۔

صدق کے متعلق آپ ﷺ فرماتے ہیں ''بلاشبہ سچائی بھلائی کی جانب رہنمائی کرتی ہے اور بھلائی جنت کی راہ دکھاتی ہے'' حضرت علیؓ کا قول ہے ''صبر ایسی سواری ہے، جس سے گرنے کا کبھی اندیشہ نہیں ہوتا'' حدیث شریف میں آیا ہے کہ حیاء ایمان کی شاخ ہے۔ حیاء خیر کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں دیتی۔

ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''جب تو اپنے دشمن پر انتقام کی قدرت رکھتا ہو تو اس قدرت کے شکریہ میں تو انتقام سے درگزر کر اور اس کو معاف کردے''۔ یہ کیفیت انسان میں وسعت ظرف پیدا کرتی ہے۔ احنف بن قیس کہا کرتے تھے کہ جو شخص میرے ساتھ عداوت رکھتا ہے میں اس کے بارے میں تین باتوں میں ایک بات کو اختیار

کر لیتا ہوں۔ وہ اگر مجھ سے بلند رتبہ ہے تو میں اس کی برتری کا اعتراف کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے کمتر ہے تو میں اس کے مقابلے میں حکم اختیار کرتا ہوں اور اگر وہ میرے مقابلے میں ہے تو میں اس کے اس طرزِ عمل کے مقابلے میں خود کو بالاتر بنالیتا ہوں اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا۔ گویا برائی کا جواب برائی سے دینا بھی بداخلاقی ہے۔ یاد رہے کہ علم الاخلاق میں حسد، تعصب، کبر، عیب جوئی، سود، وغیرہ امراضِ اخلاق ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والے بندوں سے۔ گویا طہارت و پاکیزگی ان اوصاف میں سے جن کی وجہ سے بندہ اللہ کی محبوبیت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اللّٰھم اجْعَلنَا مِنَ التَّوَّابِینَ و اجْعلنَا مِنَ المُتَطَھِّرِین

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی والے اخلاق اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

خصوصیت نمبر ۴۶

رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے مغفرت طلب فرمائی

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھیالیسویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جسکا عنوان ہے"رسولِ اکرم ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے مغفرت طلب فرمائی'' اس میں کوئی شک نہیں کہ دیگر خصوصیات کی طرح ذیل کی خصوصیت بھی ایک ایمان افروز خصوصیت ہے کہ جس سے آپ ﷺ کی عظمت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ انسانیت کے جدّ امجد بھی آپ ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرماتے ہیں جیسا کہ آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں اس خصوصیت کا اثبات کیا گیا ہے اور ہم نے کوشش کی ہے کہ اکابرین کی مستند کتابوں سے استفادہ کرکے ٹھوس بنیادوں پر وضاحت پیش کی جائے۔ اور امید ہے انشاء اللہ اس کے مطالعے کے بعد آپ ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت مکمل طور پر آشکارا ہوکر سامنے آجائے گی۔

تو محترم قارئین اب آنے والے صفحات میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

چھیالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے رسولِ اکرم ﷺ کا نام مبارک عرش پر لکھا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے فرمایا کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

فائدہ......اس سے آپ کی فضیلت کا اظہار آدم کے سامنے ظاہر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تو انہوں نے (جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا کہ اے پروردگار میں آپ سے بواسطہ محمد ﷺ کے درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت ہی کر دیجئے سو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا حالانکہ ہنوز میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا عرض کیا کہ اے رب میں نے اس طرح سے پہچانا کہ جب آپ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی (شرف دی ہوئی) روح میرے اندر پھونکی تو میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لا الٰہ الّا اللہ محمدٌ رّسُولُ اللہ ۔سو میں نے معلوم کر لیا کہ آپ نے اپنے پاک نام کے ساتھ ایسے ہی شخص کے نام کو ملایا ہو گا جو آپ کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہو گا حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم سچے ہو حقیقتاً وہ میرے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے واسطہ سے مجھ سے درخواست کی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کی اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنے دلائل میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی روایت سے اور کہا کہ اس کے ساتھ عبدالرحمٰن منفرد ہیں اور روایت کیا اس کو حاکم نے اور اس کی تصحیح کی اور طبرانی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے اور اتنا اور زیادہ ہے کہ (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) وہ تمہاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں۔

فائدہ...... یہاں بھی مثل فائدہ بالا کے سمجھنا چاہئے۔

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی ۔۔۔ کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو ۔۔۔ نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار

اور ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب سلوۃ الاحزان میں ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے جب حضرت حوا علیہا السلام سے قربت کرنا چاہا تو انہوں نے مہر طلب کیا آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے رب میں ان کو (مہر میں) کیا چیز دوں ارشاد ہوا اے آدم میرے حبیب محمد بن عبد اللہ (ﷺ) پر بیس دفعہ درود بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اور حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "جب آدمؑ سے وہ

غلطی سرزد ہو گئی (جس کی سزا میں ان کو جنت سے نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا) تو انہوں نے اس طرح دعا کی تھی۔ "اے اللہ! میں تجھ سے محمد ﷺ کے طفیل اور صدقے میں درخواست کرتا ہوں کہ میرا گناہ معاف فرمادے۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا: "تم نے محمد کو کیسے پہچانا۔" کتاب وفا کی روایت کے الفاظ کے مطابق حق تعالیٰ نے یہ فرمایا: "محمد کیا ہیں اور محمد کون ہیں۔" آدمؑ نے عرض کیا: "جو آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا اور مجھ میں روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اس وقت میں نے عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ **لاالٰہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**۔ اس سے میں نے سمجھا کہ آپ اپنے نام کے ساتھ اسی ذات کے نام کا اضافہ فرمائیں گے جو آپ کو مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہو۔"

حق تعالیٰ نے فرمایا: "تو نے سچ کہا آدم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔" اس بارے میں شفاء میں جو روایت ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آدمؑ نے فرمایا۔ "جب آپ نے مجھے تخلیق فرمایا تو میں نے آپ کے عرش کی طرف سر اٹھایا اور میں نے وہاں یہ لکھا ہوا دیکھا۔ **لاالٰہ الا اللّٰہ محمدرسول اللہ** اس سے میں نے یہ جان لیا کہ اس ذات سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ آپ کو اپنی مخلوق میں اور کوئی نہیں جس کے نام کو آپ نے اپنے نام کے ساتھ جگہ دی۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے پاس وحی بھیجی جس میں یہ فرمایا کہ "میری عزت اور میرے جلال کی قسم کہ وہ تیری نسل میں آخری پیغمبر ہوں گے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔"

کتاب وفا میں حضرت میسرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ ﷺ کس وقت نبی بنے؟"

آپ ﷺ نے فرمایا "جب کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کو ہموار کر کے سات آسمان بنائے اور عرش کو بنادیا تو اس کے ستون پر یہ لکھا کہ محمد اللہ کا رسول ہے اور آخری پیغمبر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو بنایا جس میں آدم وحواؑ کو بسایا تو اس کے

دروازوں، درختوں کے پتوں اور درودیوار اور خیموں پر میرا نام لکھا جس کے ساتھ آپ کی نبوت کی صفت ذکر کی گئی تھی۔ یا پھر وہ صفت ذکر کی گئی تھی جو اس سے زیادہ خاص صفت تھی یعنی رسالت جیسا کہ مشہور قول بھی یہی ہے (غرض اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا بقیہ حصہ ہے کہ) حالانکہ آدمؑ اس وقت تک جسم اور روح کے رشتے کے درمیان درمیان میں ہی تھے) اس وقت تک ان کے جسم خاکی میں روح نہیں پھونکی گئی تھی، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو زندگی دی اور انہوں نے عرش کی طرف دیکھا تو انہوں نے وہاں میرا نام لکھا ہوا پایا تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بتلایا کہ یہ یعنی محمد تمہاری اولاد کے سردار ہیں۔"

چنانچہ اس کے بعد جب شیطان نے آدم وحواء کو ورغلایا اور اس کے بعد ان دونوں نے توبہ کی تو انہوں نے میرے نام کے ذریعہ حق تعالیٰ کو توبہ کی سفارش پیش کی۔" تو گویا آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے وجود سے بھی پہلے نبوت سے آراستہ فرمایا تھا۔

اسی سلسلے میں حضرت سعید ابن جبیرؓ سے ایک روایت ہے کہ آدمؑ کی اولاد میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کو کون سب سے زیادہ عزیز ہے۔ بعض نے کہا" آدمؑ سب سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے کہ ان کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنے فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا۔" کچھ دوسروں نے کہا "نہیں ملائکہ یعنی فرشتے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو عزیز ہیں اس لئے کہ وہ مخلوق کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتی۔" آخر فیصلے کے لئے انہوں نے یہ بات آدمؑ کے سامنے رکھی۔ آدمؑ نے فرمایا" جب مجھ میں روح پھونکی گئی تو ابھی میرے پیروں تک بھی نہیں پہنچی تھی کہ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت عرش الٰہی بجلی کی طرح میری آنکھوں میں چمکا۔ میں نے اس کو دیکھا کہ وہاں یہ لکھا ہوا تھا۔ محمد رسول اللہ تو وہی اللہ عزوجل کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔" ایک قول ہے کہ آدمؑ کے لقب تھے ایک "ابومحمد" اور ایک "ابوالبشر" (یعنی محمد ﷺ کے باپ یا تمام انسانوں کے باپ)

اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کو اس لقب یعنی ابوالبشر کے لقب

سے دنیا میں پکارا جاتا تھا جبکہ یہ بات بھی روایات میں آتی ہے کہ ''ابو محمد'' کے لقب سے ان کو جنت میں یاد کیا جاتا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر ابن خطابؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ حضرت کعب احبار سے فرمایا'' ''آنحضرت ﷺ کی پیدائش سے پہلے آپ کے جو فضائل بیان ہوتے رہے) ہمیں ان کے متعلق کچھ بتلائیے۔''

حضرت کعبؓ نے فرمایا ''ضرور اے امیر المومنین! میں نے (تورات میں) پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیلؑ کو ایک پتھر ملا جس پر چار سطریں لکھی ہوئی تھیں پہلی سطر یہ تھی۔'' بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اس لئے میری عبادت و بندگی کرو۔' دوسری سطر میں یہ لکھا تھا۔ میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ اس کے لئے خوش خبری ہے جو ان پر ایمان لے آیا اور ان کی پیروی کرنے لگا۔'' تیسری سطر میں یہ لکھا ہوا تھا'' میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے حرم میرا ہے اور کعبہ میرا گھر ہے، جو میرے گھر میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔'' مگر تورات میں چوتھی سطر کی عبارت نکال دی گئی ہے۔ (بحوالہ سیرت حلبیہ جلد سوم)

بہر حال امید ہے کہ انشاء اللہ اس قدر کلام سے یہ بات ثابت ہو گئی ہو گی کہ آپ ﷺ کے ذریعے حضرت آدمؑ نے اللہ سے مغفرت طلب کی، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ. دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

خصوصیت نمبر ۴۷

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے زیادہ حسن عطا فرمایا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے سینتالیسویں خصوصیت پیش کی جارہی ہے۔ جس کا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا سے زیادہ حسن عطا فرمایا" الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فائنل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بھی بخشش ہوجائے گی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روزِ قیامت رسولِ اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی یہ خصوصیت بڑی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو حسن کے اعتبار سے بھی سب انبیاءؑ سے افضل رکھا، یوسفؑ کا حسن مشہور ہے، لیکن روایات بتاتی ہیں ہمارے نبی ﷺ کا حسن یوسفؑ کے حسن سے بھی بڑھا ہوا تھا، جیسا کہ آنے والے اوراق میں پوری تفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں آقا ﷺ کے حسن کو بیان کیا گیا ہے، بے شک ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے علوم عطا فرمائے تھے، بے شک خوش نصیب ہے وہ انسان جو اپنے آقا ﷺ کے ظاہری اور باطنی حسن کو دل وجان سے قبول کرے، اور اپنے نبی ﷺ کی تعلیمات پر

کماحقہ عمل کرنے کی کوشش کرے۔

آیئے ہم بھی سب ملکر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کریں کہ یااللہ ہم سب کو آپ ﷺ سے سچی محبت اوران کی سنتوں کی اتباع کرنے کی توفیق عطافرما آمین یارب العالمین۔

لیجئے اس خصوصیت تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

سینتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ذات باری تعالیٰ جو منبع حسن و جمال ہے اور جس کو حسن پسند ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ:﴿ان اللہ جمیل ویحب الجمال﴾ ''یعنی اللہ تعالیٰ خود جمیل ہیں اور جمال کو پسند کرتے ہیں۔اس نے جس ذات اقدس کو اپنا حبیب بنانا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کو کس قدر حسن دیا ہوگا۔

یاصاحب الجمال ویا سید البشر   من وجھک المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ تو ئی قصہ مختصر

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبیؑ کو مبعوث نہیں فرمایا جو خوش آواز اور خوش رونہ ہو۔تمہارے رسولِ اکرم ﷺ ان سب نبیوں میں صورت میں سب سے زیادہ حسین اور آواز میں سب سے زیادہ احسن تھے۔ (شمائل)

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں کہ:''ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلّف ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا جسم مبارک جن اوصاف جمیلہ کے ساتھ متصف ہے کوئی دوسرا ان اوصاف میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ جیسا نہیں ہوسکتا۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے جس کا ترجمہ یوں ہے کہ:''پس آپ ﷺ فضائل باطنی وظاہری میں کمال کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔پھر خداوند جل شانہ، نے جو خالق کائنات ہے۔آپ ﷺ کو اپنا حبیب بنایا۔آپ ﷺ اس سے پاک ہیں کہ آپ کی خوبیوں میں اور کوئی آپ کا شریک ہو۔پس جوہر حسن جو آپ ﷺ میں پایا جاتا ہے۔وہ غیر منقسم اور غیر مشترک

ہے، بلکہ مخصوص آپ ﷺ ہی کے ساتھ ہے۔

یا رب صل وسلم دائماً ابداً　　　علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زلیخا کی سہیلیاں اگر رسولِ اکرم ﷺ کے چہرہ انور دیکھ لیتی تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ لیتیں۔" (شرح شمائل)

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا پورا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ آدمی آپ ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے۔

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ "شیم الحبیب" میں فرماتے ہیں کہ باوجود ایسے حسن و جمال کے عام لوگوں کا آپ ﷺ پر اس طور پر عاشق نہ ہونا، جیسا کہ حضرت یوسفؑ پر عاشق ہوا کرتے تھے۔ بسبب غیرت الٰہی کے ہے کہ آپ ﷺ کا جمال جیسا تھا غیروں پر ظاہر نہیں کیا۔ جیسا کہ خود حضرت یوسفؑ کا جمال بھی جس درجہ کا تھا وہ بجز حضرت یعقوبؑ یا زلیخا کے اوروں پر ظاہر نہیں کیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے جمال مبارک کو کما حقہ تعبیر کرنا یہ ناممکن ہے۔ نور مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرات صحابہ کرامؓ کا امت پر بڑا احسان ہے کہ حضور ﷺ کے کمالات معنوی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ کمالات ظاہری حسن و جمال کی بھی امت تک تبلیغ فرمائی اور اپنی ہمت اور وسعت کے موافق ان کو ضبط فرمایا۔ جمال جہاں آراء کے متعلق حضرات صحابہ کرام سے بہت روایات ہیں۔ کسی نے وصف اور ادا کو بیان کیا اور کسی نے کسی دوسرے جزو کو۔ ان میں ایک طویل اور مفصل حدیث حضرت حسنؓ کی ہے، جس میں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک اور اخلاق و عادات جملہ انواع مذکور ہیں۔ امام ترمذی نے مضامین کی مناسبتوں سے اس کو کئی بابوں میں ذکر کیا ہے۔

حضرت حسنؓ نے حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کی جستجو فرماتے وقت اس کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آپ ﷺ کا

حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ آپ ﷺ کے حلیہ مبارکہ کو بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تا کہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں اور ان اوصاف جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں۔

(یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ حضرت حسنؓ کی عمر رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے وقت سات سال کی تھی۔ اس لئے حضور ﷺ کے اوصاف جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا۔)

فائدہ...... حسن کے ساتھ ایک مستانہ خوشبو اور رعب بھی ہوتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے رعب اور ان کی ذاتی خوشبو ان کا طیب ومطیب ہونا حدیثوں میں تفصیل سے آیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ میں جو کہ چاندنی کے موتیوں کے مشابہ تھا مشک کی خوشبو مہکتی تھی۔ اور وہ جمع کر کے خوشبو کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا اس لئے حلیہ مبارک کو دل ودماغ میں جماتے وقت محبت کے ساتھ ادب بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

حضور ﷺ کے لاڈلے نواسہ اور محبوب صحابیؓ کا یہ شوق منافع کثیر پر مشتمل ہے۔ ایک تو یہ کہ صحابیؓ کا عمل خود حجت ہے دوسرے یہ کہ محبوب کے خدوخال کا تصور عشق ومحبت کا تقاضا بھی ہے پھر آپ ﷺ کی محبت کہ جز ایمان بھی ہے اور اتباع سنت میں معین بھی ہے جس کی وجہ سے محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاتا ہے اور اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ قرآن کی آیت "قل اِن کنتم تُحبُّونَ اللّٰہَ" میں مذکور ہے۔

صلی اللّٰہ علیٰ محمد .... صلی اللّٰہ علیہ وسلم

سلام علٰی أنوارِ طلَعَتِکَ التی .... أعیشُ بِها شُکراً وَاُفنٰی بها وَجداً

ترجمہ:۔ "(یارسول اللہ ﷺ! آپ کے) روئے مبارک کے جلووں کی پاشانی کو سلام، جس کو دیکھ کر میں شکر کی کیفیت میں زندہ رہتا ہوں اور وجد کی کیفیت میں فنا ہو جاتا ہوں۔ (بحوالہ العطور المجموعہ)

محترم قارئین! اب ہم آنے والے اوراق میں حضرت انس ؓ کی روایت کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ کرام ؓ کی روایات کی روشنی میں حضور ﷺ کی حسن مبارک کی تفصیل پیش کررہے ہیں لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

رسول اکرم ﷺ کے پیارے حسن جمال کی ایک جھلک

چنانچہ ذیل میں ہم پہلے حضور ﷺ کے حسن و جمال کی ایک جھلک مبارک مختصراً ذکر کررہے ہیں اور اس کے بعد ہم انشاء اللہ الگ الگ عنوان قائم کرکے تفصیل کے ساتھ حسن و جمال اور حضور ﷺ کے پیارے حلیے مبارک کو بیان کریں گے۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی شخص کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس کی شکل وصورت اور وجاہت بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ انسان کے بدن کی ساخت اور اس کے اعضاء کا تناسب اس کے ذہن میں اخلاقی اور معاشرتی مرتبے کا آئینہ دار اور ترجمان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ نے حضور ﷺ کے رخ انور کو دیکھتے ہی کہہ دیا تھا: ﴿اِنَّ وَجهَهُ لَيسَ بِوَجهِ كَذَّاب﴾ ''بلاشبہ یہ چہرہ کسی چھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔''

حضرت ابورمشہ تیمی بیان کرتے ہیں کہ:۔ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا تو۔ حضور ﷺ کی شگفتہ رو کو دیکھتے ہی سمجھ گیا اور اپنے بیٹے سے کہنے لگا: ﴿هٰذا واللہ رسُولُ اللہ ﷺ﴾ ''واللہ! یہ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔'' (مسند امام احمد ص:۲۲۸ ج:۲)

آج ہمارے سامنے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی کوئی حقیقی تصویر موجود نہیں ہے خود رسولِ اکرم ﷺ نے اپنی امت کو تصویر کے فتنے سے منع فرمادیا۔ کیونکہ اس سے شرک کا چور دروازہ کھلتا ہے۔

البتہ رسولِ اکرم ﷺ کے حسن و جمال کی جھلک دیکھنے والوں نے حضور ﷺ کے خنداں رخ انور، حسین وجمیل قد وقامت، بے مثال خدوخال، بےنظیر چال ڈھال، باوقار و پرکشش وجاہت اور شخصیت کا جو عکس الفاظ کے پیرایہ میں ہم تک پہنچایا ہے، وہ ایک ایسے

انسان کا تصور دلاتا ہے جو ذہانت وفطانت، صبر واستقامت، شجاعت وسخاوت، امانت ودیانت، فصاحت وبلاغت جمال ووقار، انکسار وتواضع اور عالی ظرفی وفرض شناسی جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف تھا۔

آپ ﷺ کا ارشادگرامی ہے: ﴿اِنَّ الشَّیطَانَ لا یَستَطِیعُ اَن یَّتَشبَّهَ بِی فمَن رَآنی فقَد رَآنی.﴾ (مسندالامام احمد)

''چونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا اس لئے جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقت میں مجھ ہی کو دیکھتا ہے۔'' اس حدیث کے پیش نظر جناب رسولِ اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ لیکن زیارتِ رسولِ اکرم ﷺ کا دعویٰ کرنے والے بعض ایسے لوگ بھی سامنے آتے ہیں جنہیں آپ ﷺ کی سیرت وصورت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے۔

چنانچہ اسی لئے ضروری ہے کہ ہم جہاں جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت سے کماحقہ آگاہی رکھیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی صورت اور حسن وجمال کو بھی اچھی طرح یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ والی سیرت وصورت اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بہر حال اب پہلے آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے اور پھر انشاء اللہ تفصیل سے پیش کی جائے گی لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ بہت ہی شاندار تھے۔ آپ ﷺ کا قد مبارک میانہ تھا لیکن مجمع میں آپ ﷺ سب سے زیادہ بلند معلوم ہوتے تھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ؎

حلیہ مبارک کیسے بیان ہو — اس کی کسی میں تاب کہاں ہو
گنگ یہاں پر کیوں نہ زبان ہو — ہیں وہ سراپا نور مجسم
صلی اللہ علی محمد — صلی اللہ علیہ وسلم

عظیم المرتبت محبوب خدا (ﷺ) کا چہرہ انور ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا۔ یہ حسن اور خوبروئی اس طرح سے تھی کہ گورے رنگ کے اندر کچھ سرخی دمکتی تھی۔ جس سے کمال درجہ ملاحت پیدا ہو گئی تھی اور پیارے رخسار نہایت شفاف، ہموار اور سبک تھے۔

ماہ منور مہر درخشاں جس پہ صدقے یوسف کنعاں
جن پر قربان موسیٰ عمراں جن پر واری عیسیٰ مریم
صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی اور ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے، دونوں ابرو جدا جدا تھے۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہ تھے۔ دونوں ابرو کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی۔

واضح رہے کہ حضور ﷺ کو دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے کبھی غصہ نہیں آتا تھا، البتہ اگر کوئی امر دین اور حق سے تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ لیکن اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے نہ اس کا انتقال لیتے۔ اللّٰھم صَلِّ وسَلِّمْ وَبارِکْ عَلٰی عَبدِکَ ورَسُولِکَ وحَبِیبِکَ سیِّدِنَا ومولانا محمدٍصاحِبِ الوجہِ الأنوَرِ والجَبینِ الأزہَ.

حضور ﷺ کے موئے مبارک کانوں کی لو تک تھے اور سر مبارک کے بیچ میں مانگ نکلی رہتی تھی اور بال ہلکی سی پیچیدگی لئے ہوئے یعنی بل دار تھے۔

مر کر کسی کی زلف پہ معلوم ہو تجھے فرقت کی رات کٹی ہے کس پیچ و تاب میں
یارب صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

آپ ﷺ کی آنکھیں مبارک بڑی اور خوش رنگ تھیں جن کی پتلی نہایت سیاہ اور ان کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے اور پلکیں دراز تھیں۔ آپ ﷺ کے حسن سے نگاہ سیر ہوتی تھی۔

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کی بینی مبارک پر ایک چمک اور نور تھا۔ جس کی وجہ سے بینی مبارک بلند معلوم ہوتی تھی۔ ؎

ہر جلوہ پرضیارخِ انور کا نور ہے شانوں میں کیا بلند یہ شان حضور ہے

صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ کا دہن مبارک موزونیت کے ساتھ فراخ تھا اور دندان مبارک باریک آبدار تھے اور سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا سا فصل بھی تھا جن سے تکلم اور تبسم کے وقت ایک نور نکلتا تھا۔ ؎

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ کے ریش مبارک بھرپور اور گنجان بالوں کی تھی۔ جس نے آپ ﷺ کو اور بھی زینت دے دی تھی۔ جو ہیبت اور عظمت کو بڑھاتی تھی اول تو جمال اور خوبصورتی میں بھی رعب ہوتا ہے۔ ؎

شوق افزوں مانع عرض تمنا رعب حسن بارہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ﷺ کی گردن مبارک ایسی پتلی اور خوبصورت تھی جیسی تصویر کی گردن تراشی ہوئی ہو، صفائی اور چمک میں چاندنی جیسی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ ﷺ نبیوں کے ختم کرنے والے تھے۔ (بحوالہ شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے حسن کی ایک اور جھلک مبارک

ذیل میں کچھ مختصراً وضاحت کی جارہی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ''جناب رسولِ اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، آپ ﷺ نہ دراز قد تھے، نہ پست قامت تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں: ''حضور ﷺ کا قد میانہ، کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، بال کانوں کی لو تک لمبے، سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے، رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ خوبرو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔'' (مسلم شریف)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ لمبے بالوں والے سرخ لباس میں ملبوس رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ خوبصورت شخص ہم نے نہیں دیکھا، موئے مبارک شانوں تک پہنچتے تھے۔ دونوں کندھوں کا درمیانی فاصلہ قدرے زیادہ تھا، رسولِ اکرم ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست بلکہ میانہ قامت تھے۔ (بخاری شریف)

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ'' میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے چاندنی رات میں دیکھ رہا تھا، میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کے چہرہ انور پر نظر کرتا بالآخر اس فیصلے پر پہنچا کہ آپ ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں''۔ (مستدرک حاکم)

حضرت براء بن عازبؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا (چمکدار) تھا۔ فرمایا: ''نہیں، بلکہ چاند جیسا (خوبصورت اور پرنور) تھا۔'' (بخاری شریف)

حضرت کعب بن مالکؓ کا بیان ہے کہ: ''جب میری جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے توبہ قبول ہوئی تو میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک مارے خوشی کے چمک رہا ہے اور آپ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ ایسے دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔'' (حوالہ بالا)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک دفعہ آپ ﷺ میرے پاس فرحاں وشاداں آئے۔ آپ ﷺ کے چہرے کی دھاریاں چمک رہی تھیں۔ (حوالہ بالا)

ہمدان شہر کی رہنے والی ایک صحابیہؓ کا بیان ہے کہ: ''میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے

ہمراہ حج کیا میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہاتھ میں چھڑی لئے اونٹ پر سوار بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔" راوی ابو اسحٰق ہمدانی کہتے ہیں کہ: "میں نے ان سے رسولِ اکرم ﷺ کے روئے زیبا کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح پرانوار میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

حضرت جابرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح (چمکدار اور لمبا) تھا۔ فرمایا: "نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔" (مسندِ احمد)

جریری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالطفیلؓ سے پوچھا کہ آپؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا تھا؟ فرمایا کہ: "ہاں! آپ ﷺ گورے رنگ، پرملاحت چہرے، موزوں ڈیل ڈول اور میانہ قد وقامت کے تھے۔ (مسلم شریف)

ابوعبیدہ بن محمد عمار کہتے ہیں میں نے حضرت ربیع بنت معوذؓ سے درخواست کی کہ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک تو بتائیں؟ انہوں نے فرمایا: "بیٹے! اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو یوں لگتا کہ تم نے طلوع ہوتے سورج کو دیکھا ہے۔"

حضرت ام معبدؓ نے آپ ﷺ کے حسن سراپا کا یوں نقشہ کھینچا ہے: "میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو رنگ کی چمک دمک اور چہرے کی تابانی لئے ہوئے تھے، دور سے دیکھنے میں سب سے خوبصورت اور وجیہ اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی جاذب نظر اور پر جمال۔"

(مستدرک حاکم)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ: "جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس پرنور اور انتہائی خوبصورت تھا جب کوئی حضور ﷺ کے چہرہ کی رعنائی بیان کرتا تو چودہویں کے چاند سے تشبیہ دیتا۔ یعنی لوگوں کو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا روئے زیبا چمکتے ہوئے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آتا۔" (دلائل النبوۃ)

آپ ﷺ کے دربار اقدس میں حضرت حسان بن ثابتؓ نے جو چہرۂ انور کی تعبیر فرمائی اس کا کچھ حصہ ہدیہ ناظرین ہے:۔

واحسن منک لم ترقط عینی.............. وأجمل منک لم تلد النساء

خُلقتُ مبراأ من کل عیب .... کانک قد خلقت کما تشاء

اغر علیه للنبوة خاتم .... من اللّٰه مشهود یلوح ویشهد

وضم الآله اسم النبی مع اسمه .... اذ قال فی الخمس الموذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله .... فذوا العرش محمود هذا محمد

نبی أتا نا بعد یاس وفترةٍ .... من الرسل والوثان فی الارض تعبد

فأمسی سراجا مستنیراً .... یلوه کما لاح الصیقل المهند

وافٍ وماض شهاب یستضاء به .... بدر انار علی کل الا ماجید

مبارک کضیاء البدر صورته .... ماقال کان قضاء غیرُمردود

ترجمہ:۔اور حضور ﷺ سے زیادہ حسین میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور حضور ﷺ کے زیادہ جمیل آج تک کسی عورت نے نہیں جنا۔ آپ ﷺ ہر عیب سے محفوظ پیدا کئے گئے ہیں۔ گویا کہ جیسا آپ ﷺ نے چاہا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ کو پیدا فرمایا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے بدن اطہر پر مہر نبوت چمک رہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی دلیل ہے، جسے ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا نام نامی اپنے نام مبارک کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ جب بھی مؤذن اذان میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتا ہے۔ ساتھ ہی آپ ﷺ کی رسالت کی بھی گواہی دینی ضروری ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نام کا اشتقاق اپنے نام مبارک سے کیا تا کہ آپ ﷺ کی عزت ووقار قائم رہے۔ جیسا کہ عرش کا مالک تو محمود ہے اور آپ ﷺ کا نام محمد ہے۔ (یعنی دونوں کا مادہ اشتقاق حمد ہے)

آپ ﷺ ایسے نبی کریم ﷺ ہیں کہ کافی زمانہ وحی کے نہ آنے کے بعد آپ ﷺ اس وقت تشریف لائے جب کہ ساری دنیا بت پرستی میں مبتلا تھی۔

آپ ﷺ ایسا چراغ ہیں، جو ہمیشہ روشنی دیتا رہے گا اور آپ ﷺ یوں چمکتے ہیں جس طرح صیقل شدہ تلوار چمکتی ہے۔

آپ ﷺ وعدہ وفا کرنے والے اپنی بات کو پورا کرنے والے ایسے چمک دار ستارہ ہیں، جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، آپ ﷺ ایسے ماہ کامل ہیں کہ ہر شرف ومجد پر آپ ﷺ کا نور چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ بڑی برکت والے ہیں۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہے جو بات فرماتے ہیں وہ ہو جاتی ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ (از دیوان حسان بن ثابتؓ)

رخِ مصطفیٰؐ کو دیکھا تو دیوں نے جلنا سیکھا
یہ کرم ہے مصطفیٰؐ کا کہ شبِ غم نے ڈھلنا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ فلک تھما ہوا تھا
چلے جب میرے محمدؐ تو دنیا نے چلنا سیکھا

محترم قارئین! آپ ﷺ کے حلئے مبارک کے اس مختصر سے تذکرے کے بعد اب ہم ذیل میں آپ ﷺ کے حلئے مبارک کو تفصیل کے ساتھ ہر عضو کو الگ عنوان دے کر بیان کر رہے ہیں، تا کہ آپ ﷺ کے حسن کی مکمل تفصیل ہمارے سامنے آجائے تو لیجئے ملاحظہ فرمایئے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا چہرا مبارک

حضور ﷺ کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا۔ پر گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اسی روئے مبارک کو حضرت عبداللہ بن سلامؓ دیکھتے ہی پکار اٹھے تھے: ﴿وجهہٗ لیس بِوَجهِ الکَذَّاب﴾ ''ان کا چہرہ دروغ گوہ کا چہرہ نہیں۔'' اور ایمان لائے تھے۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو چاندنی رات میں دیکھا کہ

حضور ﷺ سرخ دھاری دار حلہ پہنے ہوئے تھے میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کی طرف دیکھتا۔ بیشک میرے نزدیک حضور ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا چہرہ انور دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم المرتبت اور دبدبہ والا تھا اور آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک قدرے گولائی لئے ہوئے تھا۔'' (شمائل ترمذی) مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ مبارک نہ بالکل لانبا تھا نہ بالکل گول بلکہ درمیانی حالت پر تھا۔

چنانچہ حضرت براءؓ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح شفاف تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ: ''نہیں! بلکہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور گولائی لئے ہوئے تھا۔'' (بخاری ج ۱)

چونکہ تلوار کے ساتھ مشابہت بتلانے میں زیادہ لمبا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ تلوار کی چمک میں سفیدی غالب آتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لئے حضرت براءؓ نے بدر سے تشبیہ دی کہ اس میں چمک اور نورانیت اور گولائی سب موجود ہوتی ہیں۔ باقی یہ سب تشبیہات سمجھنے کے لئے اور قریب الی الفہم کرنے کے لئے ہیں ورنہ ایک چاند تو درکنار رسولِ اکرم ﷺ جیسا نور ہزار چاندوں میں بھی نہیں ہوسکتا۔

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ میں سحر کے وقت سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی میں نے ہر چند تلاش کی مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آئی۔ میں نے یہ ماجرا آپ ﷺ سے عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حمیرا! سختی وعذاب ہے (تین دفعہ فرمایا) اس شخص کے لئے جو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا۔''

حافظ ابونعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے بروایت عبادہ بن عبدالصمد نقل کیا ہے کہ اس نے

کہا۔ کہ ہم حضرت انسؓ بن مالک کے ہاں آئے۔ آپؓ نے کنیز سے کہا کہ دستر خوان لاتا کہ ہم چاشت کا کھانا کھائیں، وہ لے آئی۔ آپؓ نے فرمایا: ''رومال لا۔'' وہ ایک میلا رومال لائی۔ آپؓ نے فرمایا: ''کہ تندور گرم کر۔'' اس نے تندور گرم کیا۔ پھر آپ کے حکم سے رومال تندور میں ڈال دیا گیا وہ ایسا سفید نکلا کہ گویا دودھ ہے۔ ہم نے حضرت انسؓ سے پوچھا: ''کہ یہ کیا ہے؟......'' انہوں نے فرمایا: ''یہ وہ رومال ہے جس سے رسولِ اکرم ﷺ اپنے روئے مبارک کو مسح فرمایا کرتے تھے۔ جب یہ میلا ہوجاتا ہے تو اسے ہم یوں صاف کر لیتے ہیں کیوں کہ آگ اس شے پر نظر نہیں کرتی جو انبیاءؑ کے روئے مبارک پر سے گزری ہو۔''

حضرت عائشہ جو رسولِ اکرم ﷺ کی سب سے چہیتی بیوی ہیں انکے دو اشعار ہیں، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ: ''زلیخا کی سہیلیاں اگر رسولِ اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کے بجائے دلوں کو کاٹ ڈالتیں۔'' یعنی حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر انہوں نے ہاتھ ہی کاٹا تھا مگر رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھ لیتیں تو دل ہی کاٹ لیتیں۔

رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ انور کتنا پر کشش تھا اس مضمون کی ترجمانی کرتے ہوئے مضطر صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

وہ گول اور طول کو تھوڑا سا مائل چہرہ انور | مہ و خورشید جس کے سامنے شرمندہ و کمتر
اچانک دیکھ لیتا جب کوئی مرعوب ہوجاتا | مگر اللہ کا محبوب پھر محبوب ہوجاتا
وجاہت اور شوکت بھی جمالِ دلبرانہ بھی | جلالِ حسن بھی اور عظمت پیغمبرانہ بھی
وہ روئے پاک جیسے تیرتا ہو آفتاب اسمیں | جمالِ حق کا مظہر آئینہ ام الکتاب اس میں

نمایاں حسن یوسف میں سفیدی تھی صباحت تھی
یہاں سرخی تھی گل گوں رنگ تھا جسمیں ملاحت تھی
زنانِ مصر کی واں رہ گئی تھیں انگلیاں کٹ کر
یہاں قربان کر ڈالے ہیں مردانِ عرب نے سر

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا دہان (منہ) مبارک

منہ مبارک فراخ، رخسار مبارک ہموار، دندان ہائے پیشین کشادہ اور روشن و تاباں جب حضور ﷺ کلام فرماتے تو دندان ہائے پیشین سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ بزار (متوفی ۲۹۲ھ) و بیہقی نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ جب آپ ﷺ ضحک فرماتے (یعنی ہنستے) تو دیواریں روشن ہو جاتیں، اور آپ ﷺ کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روایت کرتی ہیں کہ میں اور میری پانچ بہنیں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ قدیر (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے چبا کر ایک ٹکڑا ان کو دیا۔ انہوں نے بانٹ کر کھا لیا۔ مرتے دم تک ان میں سے کسی کے منہ میں بوئے ناخوش پیدا نہ ہوئی اور نہ کوئی منہ کی بیماری ہوئی۔

غزوہ خیبر کے روز حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی میں ایسی ضرب شدید لگی، کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے تین بار اس پر دم کر دیا۔ پھر پنڈلی میں کبھی درد نہ ہوا۔

ایک روز ایک بدزبان عورت رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی۔ رسولِ اکرم ﷺ قدیر (خشک کیا ہوا گوشت) تناول فرما رہے تھے۔ اس نے سوال کیا کہ مجھے بھی دیجئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے جو قدیر سامنے پڑا ہوا تھا اس میں سے دیا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنے منہ میں سے دیجئے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے منہ سے نکال کر اسے دیا۔ وہ کھا گئی۔ اس روز سے فحش اور کلام قبیح اس کے منہ سے سننے میں نہ آیا۔ مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ بے شمار پیشن گوئیاں اور دعوات جو پوری اور قبول ہوئی وہ اسی منہ مبارک سے نکلی ہوئی تھی یومِ حدیبیہ میں چاہ حدیبیہ کا تمام پانی لشکر اسلام نے (جو بقول حضرت براء بن عازب چودہ سو تھے) نکال لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا، اور وضو کر کے

پانی کی ایک کلی کوئیں میں ڈال دی۔ اور فرمایا کہ ذرا ٹھہرو۔ اس کوئیں میں اس قدر پانی جمع ہوگیا کہ حدیبیہ میں تقریباً بیس روز قیام رہا۔ تمام فوج اور ان کے اونٹ اسی سے سیراب ہوتے رہے۔

رسول اکرم ﷺ کا لعاب دہن مبارک

رسولِ اکرم ﷺ کے منہ مبارک کا لعاب زخمی اور بیماروں کے لئے شفاء تھا چنانچہ فتح خیبر کے موقع پر رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی المرتضیٰؓ کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ تو فوراً تندرست ہو گئے گویا درد چشم کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

غارِ ثور میں حضرت صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو کسی چیز نے کاٹ کھایا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن زخم پر لگا دیا اسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافعؓ کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھوں میں تیر لگا اور پھوٹ گئی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور آنکھ بالکل درست ہوگئی۔

حضرت محمد بن حاطبؓ کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی اور وہ جل گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس پر ڈالا اور دعا کی۔ وہ ہاتھ اچھا ہوگیا۔

حضرت عمرو بن معاذ بن جموم انصاری کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ وہ اچھا ہوگیا۔

حضرت ابوقتادہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذی قرد (محرم ۷ھ) میں رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ”کہ تمہارے چہرے میں کیا ہے؟“ میں نے عرض کیا کہ تیر لگا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ نزدیک آؤ میں نزدیک ہوا تو رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اس روز سے مجھے کبھی تیر و تلوار نہیں لگی۔ اور نہ خون نکلا۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس پانی کا ڈول لایا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس

میں سے پیا۔ پس خوردہ کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پس اس میں سے کستوری کی سی خوشبو نکلی۔آپ ﷺ کے خادم حضرت انسؓ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا۔اس کا پانی ایسا شیریں ہو گیا کہ تمام مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کوئی کنواں نہیں تھا۔

عاشورہ کے روز رسولِ اکرم ﷺ بچوں کو بلا کر ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے اور ان کی ماؤں سے فرمادیتے کہ شام تک ان کو دودھ نہ دینا۔پس وہی لعاب دہن ان کو کافی ہوتا۔

حضرت عامر بن کریز قریش عبشمیؓ اپنے صاحب زادے عبداللہؓ کو بچپن میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے رسولِ اکرم ﷺ عبداللہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالنے لگے اور وہ اسے نگلنے لگے۔اس پر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: ''یہ مسقی (سیراب) ہے۔'' حضرت عبداللہ جب کسی زمین (یا پتھر) میں شگاف کرتے تو پانی نکل آیا کرتا۔

عتبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا ان کی بیوہ ام عاصم بیان کرتی ہے۔ کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے کی کوشش کرتی تھی تا کہ دوسری سے اطیب ہو۔اور عتبہ کوئی خوشبو نہ لگاتا تھا۔مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر داڑھی کو مل لیتا تھا۔اور ہم سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔جب وہ باہر نکلتا تو لوگ کہتے کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔کہ ہم استعمال خوشبو میں کوشش کرتی ہیں۔اور تم ہم سے زیادہ خوشبودار ہو۔اس کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلہ ریزے نمودار ہوئے میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔رسولِ اکرم ﷺ سے اس بیماری کی شکایت کی رسولِ اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔میں نے کپڑے اتار دیئے۔اور رسولِ اکرم ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔رسولِ اکرم ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اپنے دست مبارک میں ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔اس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا

ہوگئی۔اس حدیث کوطبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اوسط میں روایت کیا ہے۔(بحوالہ سیرت رسول عربیؐ)

رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور پرکشش رنگت مبارک

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ:۔رسولِ اکرم ﷺ نہ درازقد تھے نہ پست قامت بلکہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا،آپ ﷺ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ گورا چمکدار تھا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے بال نہ زیادہ پیچیدار اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے تھے بلکہ ہلکہ سا خم لئے ہوئے تھے۔آپ ﷺ پر وحی کا آغاز چالیس برس کی عمر میں ہوا پھر اس کے بعد دس سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ میں قیام فرمایا۔وفات کے وقت آپ ﷺ کے سر اور داڑھی میں بمشکل بیس بال سفید تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید چمکدار تھا،کثرت سفر اور دھوپ کی وجہ سے کبھی کبھی گوری رنگت میں ہلکی سی گندمی رنگ کی جھلک معلوم ہوتی تھی۔

حضرت سراقہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے پاس آیا جبکہ رسولِ اکرم ﷺ اونٹنی پر سوار تھے اور اپنا پاؤں پائیدان میں رکھے ہوئے تھے کہ میں نے آپ ﷺ کے قریب ہوکر آپ کی پنڈلی کو دیکھا جو سفید رنگت اور لطافت میں خوشہ کھجور کے اندرونی گودے کی طرح تھی۔ (دلائل النبوۃ)

حضرت ابوطفیلؓ روایت کرتے ہیں کہ:"جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید ملاحت دار تھا۔"حضرت ایک اور صحابیؓ کا بیان ہے کہ:"رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید تھا،سر مبارک کے کچھ بال سفید تھے۔حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکل وصورت میں آپ ﷺ سے ملتے جلتے تھے۔"

حضرت محمد بن حنفیہ اپنے باپ حضرت علیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ

سفید سرخی مائل تھا۔ حضرت علیؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا روئے زیبا سفید ہلکی سی سرخ لئے ہوئے تھا۔ (مسند احمد)

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ: ''جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا وہ سرخی مائل تھا، اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا تھا وہ سفید اور چمک دار تھا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کی رنگت انتہائی سفید تھی۔ حضرت ابو ہریرہ ہی کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی شخص نہیں دیکھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی روشنی آپ ﷺ کے رخ انور سے جھلک رہی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ اس قدر تیز رفتاری سے چلتے گویا زمین رسولِ اکرم ﷺ کے لئے لپٹی جارہی ہے، ہم تو چلتے چلتے مارے تھکن کے چور ہوجاتے لیکن رسولِ اکرم ﷺ (تھکاوٹ سے) بے نیاز ہوکر سفر جاری رکھتے۔ (صحیح ابن حبان)

حضرت محرش الکعبیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عمرہ کے لئے ''مقام جعرانہ'' سے رات کے وقت احرام باندھا میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی کمر دیکھی جو رنگت میں سفید گویا کہ چاندی سے ڈھلی ہوئی ہے۔ (دلائل النبوۃ)

ان احادیث سے معلم ہوا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ انتہائی خوبصورت، سفید سرخی مائل تھا اور بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں یا بالوں کی وجہ سے چھپا رہتا تھا وہ اور بھی حسین وجمیل، سفید اور چمکدار تھا۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید چمکدار تھا گویا کہ چاندی سے بدن ڈھلا ہوا ہے اور بال قدرے خمدار تھے۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کے جسم مبارک کے اس حصہ کی رنگت سفید اور چمکدار تھی جو کپڑوں سے ڈھکا رہتا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کے بدن کے جن حصوں پر بال یا کپڑا نہ ہوتا وہ بھی شفاف اور انتہائی خوبصورت تھے۔'' حضرت علی رضی اللہ

عنہ کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گوراچٹا اور انتہائی شفاف تھا۔ (مسندِ احمد)

ایک اشکال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید تھا۔ جبکہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گندمی تھا۔ اس کے متعلق مختلف علماء نے مختلف انداز میں اظہار خیال کیا ہے:۔

(الف) علامہ ابن جوزیؒ نے حضرت انس سے مروی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(ب) امام محبّ الطبر یؒ نے اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے۔

(ج) بعض علماء نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے کیوں کہ کم از کم پندرہ صحابہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گندمی نہیں بلکہ سفید تھا۔

اگر بالفرض اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو گندمی پن سے مراد سرخی ہے جو سفید چمکدار رنگ میں ملی ہوتی تھی۔ عرب سرخی مائل سفید رنگ والے انسان پر بعض اوقات لفظ اسمر کا اطلاق کر دیتے ہیں۔

علامہ بیہقیؒ اس کا جواب ایک اور انداز میں دیتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رنگ میں جو سرخی یا گندمی رنگ کی جھلک تھی وہ جسم کے اس حصہ پر تھی جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوالطفیلؒ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک سفید اور ملاحت دار یعنی سرخی مائل تھا۔ حضرت انس کا قول ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ پر جمال، سفید اور چمکدار تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ کا ایک سائل کو جواب کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ بدرِ کامل کی طرح چمکدار اور گولائی لئے ہوئے تھا۔ حضرت جابر بن سمرہؓ نے بھی ایسے ہی ایک موقع پر فرمایا کہ آپ ﷺ کا چہرہ ماہ و خورشید کی طرح روشن و تابناک اور قدرے گول تھا۔ حضرت ربیع بنت معوذؓ کا فرمان ہے کہ آپ ﷺ کا چہرہ ایسا لگتا کہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ (شمائل ترمذی)

ایک ہمدانی صحابیہ ؓ کا کہنا ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکدار تھا۔ میں نے آپ ﷺ جیسا آپ ﷺ سے پہلے یا بعد کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی اور چہرہ ایسا چمکدار اور شفاف تھا گویا آفتاب چمک رہا ہے، حضرت کعب بن مالک کا قول ہے کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ بحالت مسرّت ایسا چمکتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے اس چمک کو دیکھ کر ہم رسولِ اکرم ﷺ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ گورا سرخی مائل اور قدرے گولائی لئے ہوئے تھا۔ حضرت یزید الفارسی (بحالت خواب دیکھے ہوئے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہیں) فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ انتہائی خوبصورت اور ہلکی سی گولائی میں تھا۔ (حضرت ابن عباس نے اس کی تائید فرمائی۔)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہموار اور نرم ولطیف تھے۔ حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے سفید برق چہرے اور سیاہ بالوں کو کبھی فراموش نہیں کرسکوں گا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ایک شعر کہتے ہیں جس کا ترجمہ ہے کہ: "وہ گورے چہرے والا جس کے روئے زیبا کے ذریعہ ابر رحمت کی دعا مانگی جاتی ہیں وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔" (بخاری شریف)

حضرت ام معبدؓ بیان کرتی ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک آدمی (رسولِ اکرم ﷺ) گزرا ہے جو چمکتے اور دمکتے چہرے والا تھا۔ حضرت ہند ابن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ: "رسولِ اکرم ﷺ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی عالیشان اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح جگمگاتا تھا۔"

(بحوالہ بخاری، شمائل ترمذی، مسلم)

بہرحال آپ ﷺ کا رنگ نہایت چمکدار سرخی مائل سفیدی والا تھا۔ آپ ﷺ کے

رنگ مبارک کو بیان کرتے ہوئے ام معبد فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا چمکتا رنگ دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ چمکدار و پر جمال قریب سے دیکھنے میں سب سے زیادہ خوب صورت تھا۔ شاعر نے کہا ہے کہ

درخشاں جس طرح سیم مصفٰی کوئی پیکر...... وہ اک نور مجسم بدر کامل سے بھی روشن تر
جمیل و دلکش ایسے دور سے چوں مہر تابندہ...... جو ہوں نزدیک تو خوش منظر و شیریں و زیبندہ
نہ رنگت سانولی تھی اور نہ تھے اجلے بھبھوکے سے
سفید اور سرخ گورے گندمی تھے اور چمکتے تھے
کبھی جب مسکراتے تو بجلی کوند جاتی تھی درو دیوار پر اک روشنی سی جگمگاتی تھی

رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور دلنشیں آنکھیں مبارک

رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک آنکھیں بڑی اور قدرت الٰہی سے سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سرخ ڈورے تھے۔ کتب سابقہ میں یہ بھی آپ ﷺ کی علامت نبوت تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب رسولِ اکرم ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر شریف میں خدیجہ الکبریٰ کی طرف سے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے ملک شام سفر کیا۔ اور بصریٰ میں نسطور راہب کے عبادت خانہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے تو راہب مذکور نے میسرہ سے رسولِ اکرم ﷺ کی نسبت یہ سوال کیا: ''ان کی آنکھوں میں سرخی ہے؟'' میسرہ نے جواب دیا: ''ہاں! اور وہ سرخی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بصر شریف کا وصف قرآن مجید میں یوں مذکور فرمایا: ﴿مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ (سورہ نجم)

یعنی شب معراج میں رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کو دیکھنے سے عدول و تجاوز نہ کیا۔ کہ جن کے دیکھنے کے لئے رسولِ اکرم ﷺ معمور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو ایسی غایت درجہ کی قوت بصارت عطا ہوئی تھی۔ کہ آپ ﷺ جس

شے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجہ خفا میں ہوا سے یوں ادراک فرماتے تھے کہ جس طرح وہ واقعی اور نفس الامر میں ہوا کرتی۔

امام بیہقیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں۔ میں تم کو پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں۔

امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) نے اَلَّذِی یَرَاکَ حِینَ تَقُومُ .وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ (شعراء ع۱۱) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو۔

احادیث مبارک بالا میں روایت سے مراد رویت عینی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رسولِ اکرم ﷺ کو بطور خرق عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی اسی طرح رسولِ اکرم ﷺ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح کو مکہ مشرفہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھا کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی کے بننے کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کا مدینہ سے کعبہ مشرفہ کو دیکھنا زمین کے مشارق ومغاب کو دیکھ لینا اور حضرت جعفر طیار کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے دیکھنا۔ یہ تمام امور رسولِ اکرم ﷺ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔

غزوہ احزاب میں خندق کھودتے وقت ایک سخت پتھر حائل ہو گیا تھا جسے رسولِ اکرم ﷺ نے کدال کی تین ضربوں سے اڑا دیا۔ پہلی ضرب پر فرمایا: ''میں یہاں سے شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔'' دوسری ضرب پر فرمایا: ''میں یہاں سے کسریٰ کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔'' تیسری ضرب پر فرمایا کہ: ''اس وقت میں یہاں سے ابواب صنعاء کو دیکھ رہا

ہوں۔" اسی طرح جب غزوہ موتہ میں حضرت زید بن حارث، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یک بعد دیگرے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ تو رسولِ اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں ان حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور بیان فرما رہے تھے۔ (بحوالہ سیرتِ رسول عربیؐ)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بڑی بڑی سرخی مائل آنکھیں، پلکیں دراز اور داڑھی گھنی تھی۔ (مسندِ احمد)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ: "رسولِ اکرم ﷺ فراخ دہن اور کشادہ چشم تھے سفید حصے میں سرخ ڈورے اور ایڑیاں باریک جن پر بہت کم گوشت تھا۔"

حضرت علیؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا، چہرے میں قدرے گولائی، آنکھیں کشادہ، سیاہ پلکیں طویل تھی۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سرمگیں تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی آنکھیں قدرتی طور پر سیاہ تھیں۔

حضرت یزید فارسی (بحالت خواب دیکھا ہوا حلیہ) بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ پیدائشی طور پر سرمگیں آنکھیں والے تھے۔ (مسندِ احمد)

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سرمگیں تھیں تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ ﷺ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا۔ (حوالہ بالا)

حضرت ام معبد خزاعیہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی سفید و سیاہ سرمگیں آنکھیں تھیں۔ یعنی پتلیاں سیاہ اس کے علاوہ کا حصہ سفیدی لئے ہوئے تھا لیکن اس سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھیں سرخی مائل تھیں۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اشکل العین تھے جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں کی جو سفیدی تھی اس میں سرخ ڈورے پڑے

ہوئے تھے اگر چہ اس حدیث کے ایک راوی نے اشکل کے معنی لمبی لمبی آنکھوں کے کئے ہیں مگر اہل لغت کے نزدیک یہ معنیٰ غلط ہیں اگر یہ معنیٰ لے بھی لئے جائیں تو کوئی خرابی نہیں آنکھوں کا قدرے دراز ہونا اور پھر سفیدی میں سرخ رنگ کا ملا ہوا ہونا پھر پتلیوں کا نہایت سیاہ ہونا آنکھوں کی خوبصورتی کا نمونہ ہے اور اس پر پھر رسولِ اکرم ﷺ کا نگاہ کسی کے سامنے نہ جمانا اکثر گوشۂ چشم سے دیکھتے تھے۔ ؎

خمار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان
وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے
چمکدار اور سیہ پتلی بڑی آنکھیں حسین آنکھیں
کہ بے سرمہ بھی رہتی تھیں ہمیشہ سرمگیں آنکھیں
ذرا آنکھوں میں سرخی ارغوانی رنگ ہلکا سا
بہشتی ساغروں پر کوثر گل رنگ چھلکا سا
سفیدی میں تھے ڈورے سرخ جن پر ہوں فدا جانیں
گھنیری لمبی لمبی اور کالی کالی مژگانیں

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ابرو مبارک

عدوی قبیلے کے ایک آدمی کا بیان ہے کہ وہ مدینہ منورہ گیا، اور رسولِ اکرم ﷺ سے شرفِ زیارت حاصل کیا پھر اس نے آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''آپ ﷺ کا جسم خوبصورت اور سڈول، کشادہ اور بڑی پیشانی، ناک ستواں اور ابرو باریک تھے۔'' حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بھنویں اور پلکیں لمبی لمبی تھیں۔ حضرت ام معبدؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پلکیں دراز ابرو باریک اور پیوستہ تھے۔ (لیکن ایک دوسرے سے الگ الگ تھے۔) (مستدرک حاکم)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ رسولِ اکرم ﷺ کی ابرو کا حال بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ

اکرم ﷺ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔اور دونوں ابرو جدا جدا تھے۔درمیان میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔اوران دونوں ابرو کے بیچ ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی،یعنی موٹی ہو جاتی تھی۔ (شمائل ترمذی مع خصائل نبوی)

ابرو کا تلوار کی طرح خمدار اور باریک ہونا حسن میں زیادتی پیدا کرتا ہے۔البتہ یہ خداداد چیز ہے۔اگر پیدائشی ایسی حالت ہے تو ''الحمد للہ علی ذالک'' ورنہ بازاروں میں یا خود تراش کر اس طرح کرنا یہ تخلیق خداوندی میں تغیر ہے۔جو شیطان کا فریب ہے جسکا ذکر خود شیطان کی زبانی قرآن میں موجود ہے:۔﴿ولآ مُرَنَّهُم فلَيُغَيِّرُنَّ خلق الله﴾ ''شیطان کہتا ہے کہ اور میں ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی'' خلاصۃ السیر ص ۲۰۱۹ پر ہے کہ حضور ﷺ کے ابرو پیوستہ اور ایک دوسرے سے جدا جدا تھے۔

گھنے باریک اور خم دار تھے مثل کمان ابرو
ذرا کچھ فصل سے دونوں ہلال ضوفشاں ابرو
رگ پاک اک دونوں ابروؤں کے درمیاں میں تھی
جو غصہ میں ابھر آتی تھی تیر اک دو کماں میں تھی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی کشادہ اور روشن پیشانی،پلکیں دراز اور دونوں ابروں کے درمیان فاصلہ تھا۔حضرت ابوامامہ کا بیان ہے کہ:''رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا،خوبصورت جس میں ہلکی سرخی نمایاں،قدرے خمیدہ بال،قدرتی طور پر سرمگیں آنکھیں اور پلکیں طویل تھیں۔''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں ابرو کا درمیانی فاصلہ ڈھلی ہوئی خالص چاندی کی طرح سفید اور چمکدار تھا۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور چمکدار دندان مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے دانت باریک خوبصورت اور آبدار تھے ان کے درمیان خوشنما ریخیں تھیں۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ:''آپ ﷺ

کے اگلے دونوں دانت الگ الگ تھے جب گفتگو فرماتے تھے تو ان دانتوں کے درمیان سے چمک نکلتی دکھائی دیتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ جب ہنستے تو دندان مبارک سے روشنی سی نمودار ہوتی ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ پہلے پہلے جب مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے متعلق علم ہوا تو میں چچاؤں کے پاس مکہ مکرمہ آیا اہل خانہ نے عباس بن عبدالمطلب کی طرف مجھے بھیجا میں ان کے پاس آیا، تو وہ بئر زم زم سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اچانک دیکھتا ہوں کہ باب صفا سے ایک صاحب برآمد ہوئے جن کا رنگ گورا سرخی مائل قدرے خمیدہ بال، جو کانوں کی لوؤں تک بڑھے ہوئے (ناک بلند آگے سے ذرا جھکی ہوئی) اولوں کی طرح سفید اور آبدیدہ دانت گہم سیاہ آنکھیں، گھنی داڑھی تھی۔

حضرت ابو ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ (کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی) مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ خصائل نبوی میں علامہ مناویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی حسی چیز تھی جو بطور معجزہ کے سرکار کے دندان مبارک کے درمیان سے ظاہر ہوتی تھی۔ الغرض حلیہ مبارک میں ہر چیز کمال حسن کو پہنچی ہوئی تھی۔ (بحوالہ خصائل نبوی)

فراخی تھی دہن میں اور در دنداں کشادہ تھے
جلاء وحسن میں جو موتیوں سے بھی زیادہ تھے
وہ نوری کوئی سانچہ تھا کہ جس میں نور ڈھلتا تھا
بوقت گفتگو ریخوں سے چھن چھن کر نکلتا تھا

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ناک مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل سامنے سے قدرے جھکی ہوئی تھی اس پر نورانی چمک جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑی

اونچی معلوم ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بینی مبارک اعتدال کے ساتھ اونچی تھی۔ عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا تھا) رسولِ اکرم ﷺ کا حسن سیمابی تھا، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال اور ناک ستواں تھی۔

رسولِ اکرم ﷺ کے پیاری رخسار مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہموار اور ہلکے، البتہ نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے کسی شخص نے رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا: ''رسولِ اکرم ﷺ انتہائی حسین وجمیل تھے، رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر درمیانہ مائل بہ درازی تھا۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، ہموار اور ہلکے رخسار اور موئے مبارک انتہائی سیاہ تھے۔''

حضرت یزید فارسی (بحالت خواب دیکھا ہوا) رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ ہلکی گولائی لئے ہوئے تھا، چہرے کے ہالے انتہائی خوبصورت تھے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ گورا سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، بال قدرے خمیدہ، گنجان داڑھی اور رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار ہلکے اور ہموار تھے۔'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے جن میں ابھار تھا نہ بلندی۔ (دلائل النبوۃ)

رسولِ اکرم ﷺ کی پرنور اور پیاری پیشانی مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کشادہ جبیں تھے۔ حضرت ابو

ہریرہؓ فرماتے ہیں رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی مبارک کھلی، چمکدار اور پلکیں دراز تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ بے حد روشن جبیں تھے جب رات کی تاریکی یا پو پھٹنے کے وقت آتے (یا لوگوں کے مجمع میں رونما ہوتے) تو سیاہ بالوں کے درمیان بالخصوص رسولِ اکرم ﷺ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی۔''

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی اتنی روشن اور تابناک تھی گویا اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا ماتھا کھلا اور فراخ تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں: ''رسولِ اکرم ﷺ نہ دراز قد اور نہ ہی پست قامت تھے، بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر درمیانہ تھا، رنگ چونے کی طرح سفید اور نہ گندم گوں سانولا بلکہ (سرخ وسفید) خوبرو، بال نہ تو سیدھے تنے ہوئے اور نہ زیادہ پیچ دار بلکہ قدرے خمیدہ، داڑھی مبارک گنجان اور خوبصورت، پیشانی کشادہ، سفید چمکدار سرخی مائل تھی۔'' عدوی قبیلے کا ایک شخص اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھا تھا) کہ رسولِ اکرم ﷺ کی پیشانی اعتدال کے ساتھ بڑی تھی۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری گردن مبارک

حضرت علیؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی گردن لمبی اور چمکدار تھی گویا کہ چاندی کی صراحی ہو۔

حضرت ام معبدؓ سے مروی حدیث ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی گردن مبارک لمبی اور خوشنما تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ کی گردن چاندی کی طرح سفید، خوبصورت تھی گویا کسی مورتی کی گردن تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''رسولِ اکرم ﷺ کی گردن بہت ہی خوبصورت، حسین اور معتدل تھی، نہ زیادہ لمبی اور نہ چھوٹی تھی، اس کا وہ حصہ جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا وہ اس قدر چمکدار تھا گویا چاندی کی صراحی جس میں سونے کی آمیزش ہو۔'' حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی گردن سفید

خوبصورت تھی گویا چاندی سے ڈھلی ہو۔ (دلائل النبوۃ)

رسول اکرم ﷺ کا پیارا سر مبارک

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر مبارک بڑا مگر اعتدال و تناسب کے ساتھ تھا۔ (بخاری شریف)

رسول اکرم ﷺ کے پیارے کندھے مبارک

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کندھے بڑے بڑے اور ان کی درمیانی جگہ پر بھی گوشت تھا۔ حضرتِ علیؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کندھوں اور جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھر کم مضبوط تھیں۔ (مستدرک حاکم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اعضاء مبارک (اعتدال وتوازن کے ساتھ) مضبوط، بھاری اور بڑے بڑے تھے۔

رسول اکرم ﷺ کی پیاری متوازن ناف مبارک

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے سینہ مبارک سے لے کر ناف تک ایک باریک لمبی دھاری تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے صرف سینہ اور ناف تک بالوں کی لکیر تھی۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ کے بدن کا وہ حصہ جو کھلا رہتا وہ بہت روشن اور چمکدار تھا ناف اور سینہ کے درمیان لکیر کی طرح بالوں کی ایک باریک دھاری تھی اس کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ مبارک بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے۔''

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پیٹ اور سینہ مبارک پر باریک دھاری کے علاوہ کہیں بال نہ تھے۔

حضرت عائشہ ؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک کشادہ، حلق کے نیچے کا حصہ ناف تک بالوں کی باریک دھاری سے ملا ہوا، سینے اور پیٹ پر اس کے علاوہ کہیں بال نہ تھے۔

حضرت ابوامامہ ؓ فرماتے ہیں: ''حضور ﷺ کے مونڈھے بھاری اور پُر گوشت تھے، دونوں کلائیوں اور سینے پر کچھ بال تھے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ موٹی اور گوشت سے بھری ہوئی، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک ہلکی سی لمبی لکیر تھی۔''

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے حلق مبارک سے سینے تک دھاگے کی طرح بالوں کی لمبی لکیر تھی۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور پُرنور داڑھی مبارک

حضرت علی ؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سر اعتدال کے ساتھ بڑا اور داڑھی مبارک گھنی تھی۔ حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی کے بال بھرپور تھے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک سیاہ گھنی اور دہن مبارک خوبصورت اور حسین تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ ؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک بہت گنجان تھی۔ (مسندِ احمد)

حضرت ام معبد ؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک گنجان اور گھنی تھی۔ حضرت یزید فارسی جو قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے فرماتے ہیں:۔ میں نے حضرت ابن عباس ؓ کے زمانہ حیات میں رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے اپنا خواب ابن عباس ؓ سے ذکر کیا تو انہوں نے پہلے رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی سنایا کہ ''جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔'' یہ فرمان سنانے کے بعد انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ خواب میں دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ''جی ہاں! رسولِ اکرم ﷺ کا ڈیل ڈول، قد و قامت دونوں معتدل اور درمیانی تھی جسم مبارک نہ زیادہ

فربہ اور نہ دبلا پتلا، ایسے ہی قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ کوتاہ بلکہ معتدل رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ کھلتا گندمی سفیدی مائل، آنکھیں سرمگیں، خندہ دہن، خوبصورت ماہ تابی چہرہ، داڑھی مبارک نہایت گنجان جو پورے چہرہ انور کا احاطہ کئے سینہ مبارک کے ابتدائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ گویا ہوئے کہ اگر تم رسولِ اکرم ﷺ کو حالت بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک نہ بیان کر سکتے۔ داڑھی مبارک کے گنجان ہونے کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور حضرت براء بن عازبؓ سے بھی روایات مروی ہیں۔ داڑھی مبارک کے خوبصورت ہونے کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے احادیث مروی ہیں۔

وضاحت...... ترمذی میں مروی وہ حدیث جس میں ذکر ہے۔ کہ حضور ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول وعرض (قینچی کے ساتھ) ہموار کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب یعنی ضعیف ہے اس بنا پر اس روایت کو مذکورہ بالا تصریحات کے مقابلہ میں بطور دلیل نہیں پیش کیا جا سکتا لہٰذا ایک مسلمان جو کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کا مدعی ہے اسے چاہئے کہ اپنی داڑھی کو بڑھائے، اس کی کانٹ چھانٹ میں نہ لگا رہے بلکہ اس کے بالوں کو سلیقے اور شائستگی سے رکھنے کا اہتمام کرے آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کا یہی تقاضا ہے۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور خوبرو کان مبارک

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کان مبارک خوبصورت اور ہر لحاظ سے متناسب تھے۔ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ مجھے رسولِ اکرم ﷺ نے یمن بھیجا، میں ایک دن لوگوں کو وعظ ونصیحت کر رہا تھا کہ ایک یہودی عالم ہاتھ میں کتاب لے آیا، مجھے دیکھ کر کہنے لگا۔ کہ ابو القاسم ﷺ کا حلیہ بیان کرو۔

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اسے بتایا کہ: "رسولِ اکرم ﷺ نہ تو پست قامت

ہیں اور نہ ہی زیادہ دراز قد (بلکہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا) بال مبارک نہ زیادہ پیچ دار اور نہ بالکل کھڑے کھڑے بلکہ بال گھنے سیاہ قدرے خمیدہ ہیں، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا، رنگ گورا سرخی مائل، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، ہاتھ اور قدم پر گوشت، سینہ پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، پلکیں دراز، ابرو پیوستہ، پیشانی کشادہ اور ہموار دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ جب رسولِ اکرم ﷺ چلتے تو قدرے جھک کر گویا کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور بعد میں کوئی آپ ﷺ سا نہیں دیکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں خاموش ہو گیا، یہودی عالم کہنے لگا کیا ہوا؟ میں نے اسے جواب دیا مجھے تو رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک اسی قدر یاد ہے۔ یہودی عالم کہنے لگا کہ: ''رسولِ اکرم ﷺ کی آنکھوں میں سرخی، خوبصورت داڑھی، خوب رو کان متناسب، آگے پیچھے دیکھتے تو پورے وجود کے ساتھ۔'' حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ: ''اللہ کی قسم! آپ ﷺ کا یہی حلیہ مبارک ہے۔'' (دلائل النبوۃ)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری مونچھیں مبارک

حضرت ابن جریجؒ نے ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ آپؓ اپنی مونچھوں کو پست رکھتے ہیں اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: ''میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔'' یعنی رسولِ اکرم ﷺ بھی لبوں کے بال پست رکھتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زیاد اپنے بزرگوں (صحابہ کرامؓ) سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنی مونچھیں اطراف سے کاٹ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ اپنی لبوں کے زائد بالوں کو کاٹ دیتے اور فرماتے: ''حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے لبوں کے بال کتر دیتے تھے۔'' حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ایک دفعہ اپنی مونچھوں کے نیچے مسواک رکھ کر انہیں پست کیا تھا۔ (مسندِ احمد)

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارہ فراخ سینہ مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک چوڑا پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''آپ ﷺ کا سینہ مبارک کشادہ، مضبوط اور شفاف تھا، صاف اور ہموار شیشہ کی طرح سفید اور جلد چودھویں رات کے چاند کی مانند۔''

حضرت ابو ہریرہؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پر گوشت، پنڈلیاں موتی اور گداز، کلائیاں بڑی اور دراز، کندھے گھٹے ہوئے اور مضبوط، دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ ذرا زیادہ، سینہ کشادہ، سر کے بال قدرے خمدار پلکیں لمبی، خوبرو خوبصورت اور گھنی داڑھی، کان لمبے اور دلکش، درمیانہ قد زیادہ طویل نہ بالکل پست، رنگت میں گل لالہ، آگے چلتے یا پیچھے مڑتے تو مکمل طور پر، میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل کسی کو نہ دیکھا نہ سنا۔ (دلائل النبوۃ)

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا بطن مبارک

حضرت ام معبدؓ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا پیٹ نہ تو ہموار اور سڈول تھا کہ اندر کو دھنسا ہو بلکہ حسن و جمال کے قالب میں ڈھلا ہوا، نہ ہی بھاری بھرکم ہونے کی بنا پر توندلے پن کا شکار تھا۔

حضرت ام ہانیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیٹ مبارک لپٹے ہوئے کاغذ کی طرح نازک اور لطیف تھا۔ (نزاکت و لطافت میں تہ بہ تہ کاغذوں کی طرح تھا)

دوسری روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے مبارک پیٹ کے شکن نرمی اور چمک میں سونے کے تاروں جیسے تھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیٹ اور سینہ ہموار تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا بدن مبارک گویا کہ چاندی سے ڈھلا ہوا تھا، رسولِ اکرم ﷺ کے موئے مبارک خمدار، اعتدال اور مناسبت کے ساتھ بڑا پیٹ،

کندھوں کے جوڑ اور ہڈیاں مضبوط اور بڑی بڑی، رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت جماؤ کے ساتھ زمین پر قدم رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ "سواء البطن و الصدر" تھے یعنی بطن مبارک سینہ کے ہموار تھا۔ تو ند نکلی ہوئی نہ تھی۔ (شمائل ترمذی)

حضرت علیؓ اور ہند بن ابی ہالہؓ دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے لبہ (حلق) سے لے کر ناف تک سینہ اور بطن کے درمیان بالوں کی ایک باریک لکیر تھی۔ جس طرح چھڑی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بطن مبارک بالوں سے بالکل صاف تھا۔ (شمائل ترمذی)

شاعر نے کہا کہ ۔

تھے چوڑے دونوں شانے فصل کچھ ان میں زیادہ تھا
ذرا ابھرا ہوا تھا سینہ پاک اور کشا دہ تھا
شکم اور سینہ ہموار ایک نمائش تھی جمالونکی
تھی سینے سے لکیر ایک ناف تک باریک بالوں کی
تھے کچھ بال اوپری حصہ میں بازو اور سینے کے
بقیہ کل بدن بے بال تھا مثل آ بگینے کے

رسول اکرم ﷺ کے کندھوں کا درمیانی حصہ مبارک

حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا پیکر درمیانی تھا، دونوں کندھوں کے درمیان ذرا دوری تھی۔ (یعنی کمر کا بالائی حصہ چوڑا تھا)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بازو پر گوشت، دونوں کندھے مضبوط ان کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔ حضرت علیؓ کا

بیان ہے کہ حضور ﷺ کے دونوں کندھے اعتدال کے ساتھ بڑے تھے حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں مونڈھے پر گوشت تھے۔ (طبقات ابن سعد)

رسولِ اکرم ﷺ کا پیارا اور پُر جمال قد مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ خوبرو اور خوش اندام نہ دراز قد نہ پست قامت بلکہ درمیانی قد کے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے بلکہ رسولِ اکرم ﷺ میانہ قامت تھے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ حسین، خوبصورت، سڈول ساخت، نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا سینہ مبارک آبدار موتیوں کی طرح، قامت مائل بہ درازی نہ زیادہ طویل اور نہ بالکل پست۔ حضرت علیؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا قد مبارک بہت لمبا نہیں تھا البتہ جب کسی مجمع میں ہوتے تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا قد مبارک درمیانہ مائل بہ درازی تھا۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بال قدرے خمیدہ اور قد مبارک متوسط تھا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نہ لمبے تھے نہ ٹھگنے بلکہ درمیانہ قد و قامت کے تھے۔

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا قد مبارک لمبے تڑنگے آدمی سے چھوٹا اور قامت والے سے ذرا نکلا ہوا تھا۔

حضرت عائشہؓ حضور ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک تروتازہ، قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ بالکل پست۔ جب لوگوں سے الگ اکیلے چل رہے ہوتے تو درمیانہ قامت معلوم ہوتے۔

حضرت ابوامامہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی انگلیاں مبارک موٹی تھیں، نہ چھوٹی تھیں اور نہ سخت تھیں، سینے سے ناف تک بالوں ایک لمبی لکیر اور آپ ﷺ درمیانہ قد

رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

رسول اکرم کا پیارا اور خوبصورت جسم اطہر مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے اعضاء کی ساخت معتدل، بدن مبارک نہ موٹا اور نہ ڈھیلا بلکہ گھٹا ہوا مضبوط توانا تھا۔

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا) کہ حضور ﷺ کا مرمریں (گلابی) بدن، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال، ستواں ناک، باریک ابرو اور سینہ سے ناف تک بالوں کے لیے دھاگے کی طرح باریک دھاری تھی۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا جسم مبارک انتہائی خوبصورت تھا۔

زادالمعاص ۵۴ میں ہے کہ ہجرت کے وقت حضور ﷺ ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے گذر رہے تھے تو اس نے حضور ﷺ کے چلے جانے کے بعد اپنے شوہر کے سامنے جو آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کا نقشہ کھینچا اس میں آپ ﷺ کے قد مبارک کے بارے میں فرماتی ہیں کہ: ''درمیانہ قد نہ ٹاٹا کہ نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے گویا دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور پر رونق ہو۔'' ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہ الکبریٰ کے پہلے شوہر کے صاحبزادے ہیں اور وہ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرنے میں تمام صحابہؓ میں ماہر تھے، فرماتے ہیں کہ: ''حضور ﷺ کا قد میانہ پن کے ساتھ کسی قدر لمبائی کی طرف مائل تھا۔'' (شمائل ترمذی ص ۲)

فائدہ...... آپ ﷺ جب کسی مجمع میں ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا یعنی جیسے معنوی کمالات میں آپ ﷺ سے کوئی بلند مرتبہ نہیں اسی طرح صورت ظاہری میں بھی بلند محسوس نہ ہو۔ (خصائل نبوی)

نہ پستہ قد نہ لانبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے
میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے

مگر مجمع میں ہوتے تھے جب کبھی حضرت والا
نمایاں اور اونچا ہوتا تھا سر وقد بالا

آپ ﷺ کا پیارا اور معطر و معنبر پسینہ مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے میں نے دبیز یا باریک ریشم یا کوئی اور چیز نہیں چھوئی جو رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم اور گداز ہو اور نہ ہی کوئی خوشبو سونگھی جو آپ ﷺ کی بدن کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔

حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کا رنگ سفید چمکدار، پسینہ گویا موتی، چلتے تو قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے، میں نے کوئی حریر و دیباج ایسا نہیں چھوا جو رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ ہی کوئی مشک و عنبر سونگھا جو رسولِ اکرم ﷺ کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کا مبارک پسینہ آبدار موتیوں جیسا مہکتی ہوئی مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (بخاری شریف)

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے: "میں نے مدینہ منورہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے ہمراہ نماز ظہر ادا کی، پھر رسولِ اکرم ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے میں بھی رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ہولیا راستہ میں بچوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا، آپ ﷺ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے چونکہ میں ابھی بچہ تھا آپ ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا میں نے آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی کہ گویا آپ ﷺ نے ابھی ابھی اپنا ہاتھ خوشبو ساز کے عطر دان سے نکالا ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت ثمامہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ رسولِ اکرم ﷺ کے لئے گدا بچھا دیتیں اور رسولِ اکرم ﷺ دوپہر کے وقت اس پر آرام فرماتے، جب رسولِ اکرم ﷺ بیدار ہو کر تشریف لے جاتے تو ام سلیمؓ رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں پھر جمع شدہ پسینہ اور پہلے سے موجود آپ کے موئے مبارک اپنے عطر دان کی مرکب خوشبو میں ملا دیتیں،

(اس طرح بہترین خوشبو تیار ہو جاتی۔)

راوی کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری حنوط میں اس خوشبو کو ضرور استعمال کیا جائے۔ چنانچہ آپؓ کے کفن وغیرہ کو لگانے کے لئے وہی خوشبو استعمال کی گئی جس میں رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ کی آمیزش تھی۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا اس دوران رسولِ اکرم ﷺ کو پسینہ آیا میری والدہ ام سلیم ایک شیشی لائیں اور رسولِ اکرم ﷺ کا پسینہ (پونچھ کر) اس میں جمع کرنے لگیں، اتنے میں رسولِ اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو پوچھا کہ: ''ام سلیم! تم کیا کر رہی ہو؟......'' انہوں نے کہا کہ: ''ہم اس پسینہ کو اپنے خوشبودان میں ملائیں گے۔ اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی ہے۔'' (مسندِ احمد)

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا پسینہ ہمارے لئے، بچوں کے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگا تو رسولِ اکرم ﷺ نے ہمارے اس عمل کی تصویب فرمائی۔ حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب نیند فرماتے تو رسولِ اکرم ﷺ کو بہت پسینہ آتا میری والدہ (ام سلیمؓ) روئی کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ کے پسینہ مبارک کو صاف کر کے ایک شیشی میں جمع کرتیں اور اسے عطر دان کی خوشبو میں ملا دیتیں اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی تھی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تین چیزوں سے بڑی محبت ہے ایک صنف نازک سے بڑی ہمدردی ہے نیز مجھے خوشبو بہت پسند ہے، نماز میں تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہے۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے چہرہ انور کا پسینہ آبدار موتیوں کی طرح اور اس کی مہک بہترین کستوری کی خوشبو سے بڑھ کر تھی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کا ایک عطر دان تھا (جس میں بہترین خوشبو جمع رہتی اور آپ ﷺ کے استعمال میں آتی۔)

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کسی راستہ سے تشریف لے جاتے اور رسولِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی دوسرا گزرتا تو رسولِ اکرم ﷺ کے عطر بیز جسم اور پسینہ کی خوشبو سے

معلوم کر لیتا کہ گزر گیا ہے ادھر سے وہ کاروانِ بہار۔ (طبقات ابنِ سعد)

اور سیرتِ رسولِ عربی ﷺ کے مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جنابِ آپ ﷺ کی جلد مبارک نرم تھی۔ ایک وصف ذاتی آپ ﷺ میں یہ تھا کہ خوشبو لگائے بغیر آپ ﷺ کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ کوئی خوشبو اس کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب رسولِ اکرم ﷺ پیدا ہوئے، تو میں نے غور سے آپ ﷺ کی طرف نگاہ کی، کیا دیکھتی ہوں کہ رسولِ اکرم ﷺ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں۔ اور آپ ﷺ کے جسم سے تیز بو کستور کی طرح آ رہی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کستوری یا عبیر کو بوئے رسولِ اکرم ﷺ سے خوشتر نہ پایا۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا، اور عرض کیا کہ اے رسولِ اکرم ﷺ! میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے۔ میں اسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خوشبو نہیں آپ (ﷺ) کچھ عنایت فرمائیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس موجود نہیں، مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میری پاس لے آنا۔'' دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جا، اپنی بیٹی سے کہہ دینا کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کر کے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو لگاتی، تو تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا۔

رسولِ اکرم ﷺ کے خادم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالت خواب میں رسولِ اکرم ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ میری ماں (ام سلیمؓ) نے ایک شیشی لی اور رسولِ اکرم ﷺ کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگی، آپ ﷺ جاگ اٹھے اور فرمانے لگے: ام سلیمؓ! تو یہ کیا کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا: یہ آپ کا پسینہ

ہے۔ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں اور وہ سب خوشبوؤں میں خوشبودار بن جاتی ہے۔‘‘

دوسری روایت مسلم میں ہے کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا: ’’یارسول اللہ ﷺ! ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے عرق مبارک کی برکت کے امیدوار ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’تو نے سچ کہا۔‘‘ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے عرق مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

امام ابن سبع نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ حضور ﷺ کے کپڑوں پر مکھی نہ بیٹھتی اور حضور ﷺ کو جوں ایذاء نہ دیتی یعنی آپ ﷺ کے کپڑوں میں جوں نہ ہوتی کہ آپ ﷺ کو ایذا دے۔ کیوں کہ جوں عفونت اور پسینے سے پیدا ہوا کرتی ہے اور آپ ﷺ تو اطیب الناس تھے۔ اور حضور ﷺ کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا۔ اسی طرح بوجہ لطافت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر کپڑا میلا نہ ہوتا تھا۔

علامہ دمیری نے اپنے ’’منظومہ فی الفقہ‘‘ میں لکھا ہے کہ جن چوپایوں پر آپ ﷺ سوار ہوئے آپ ﷺ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب نہ کیا اور جس چوپائے پر آپ ﷺ سوار ہوئے وہ آپ ﷺ کی حیات میں کبھی بیمار نہیں ہوا۔ (بحوالہ سیرت رسول عربیؐ)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے گھنے سیاہ بال مبارک

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ابتدا میں جن امور کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو چھوڑ دیتے جبکہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اس بنا پر حضور ﷺ پہلے تو سر کے بالوں کو (پیشانی پر) ویسے ہی چھوڑ دیتے پھر (اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے) مانگ نکالنے لگے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کر کے پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک کندھوں تک لمبے تھے۔ حضرت براء بن عازبؓ کا بیان

ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بال بڑے بڑے تھے جو کان کی لو تک پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے بال مبارک کان کی لو سے زیادہ اور کندھوں سے کم تھے۔ یعنی نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ بالکل چھوٹے تھے بلکہ متوسط درجے کے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے سر مبارک کے تمام بال منڈوائے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔ (مسلم شریف)

حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ جب فتح کے موقع پر مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ ﷺ چار گیسو تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔ حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال کانوں اور شانوں کے مابین تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بال نہ تو انتہائی پیچ دار تھے اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے۔ (بلکہ قدرے خمیدہ تھے۔)

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال ہلکا خم لئے ہوئے تھے نہ بالکل سیدھے کھڑے ہوئے اور نہ زیادہ گونگھریالے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی تو اس وقت نہ نکالتے، جب بال زیادہ ہوتے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال انتہائی سیاہ تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ (سیمیں بدن تھے) جسم مبارک گویا چاندی سے ڈھالا گیا ہے اور آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خمدار تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خمدار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ ہی زیادہ پیچ دار، جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جاتیں جیسا کہ ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا چلنے سے ابھر آتی ہیں جب کچھ وقت کنگھی نہ کرتے تو آپس میں مل کر انگوٹھی کی طرح حلقوں کی شکل اختیار کر لیتے، پہلے پہل اپنے

بالوں میں کنگھی کرکے انہیں پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے۔ (جیسا کہ گھوڑے کے بال پیشانی پر کھلے چھوڑے جاتے ہیں۔)

پھر جبرائیلؑ سر کے بالوں میں مانگ نکال کر تشریف لائے تو رسولِ اکرم ﷺ نے بھی وہی مانگ نکالنا شروع کردی، حضور ﷺ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضور ﷺ بالوں کی مینڈھیاں بنا لیتے پھر دایاں کان دونوں گیسوؤں کے درمیان، اسی طرح بایاں کان بھی دونوں گیسوؤں کے درمیان بڑا حسین اور خوشنما منظر پیش کرتا ایسا معلوم ہوتا کہ گھنے سیاہ بالوں کے درمیان خوبصورت کان چمکدار ستاروں کی طرح جگمگاتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ)

سیہ گنجان گیسو جس پہ صدقے ہوں دل و دیدہ
ذرا مائل بہ خم بالکل نہ سیدھے ہی نہ پیچیدہ
درازی میں پہنچ جاتے تھے نیچے کان کی لو سے
درخشاں مانگ روشن کہکشاں ہے جسکے پرتو سے

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے سفید بال مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی وفات کے وقت رسولِ اکرم ﷺ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

محمد بن سیرین کہتے ہیں: میں نے حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق سوال کیا، تو آپؓ نے جواب دیا کہ: آپ ﷺ کے گنتی کے چند بال سفید آئے تھے۔ حضرت ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت انسؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کے بڑھاپے کے متعلق سوال ہوا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھا جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے سر مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔" (مسلم شریف)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی نیز حضور ﷺ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) اور سر مبارک میں چند بال سفید تھے۔ حضرت حریز بن عثمان نے حضرت عبداللہ بن بسر سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کو بڑھاپا آیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ: "حضور ﷺ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے۔" حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب قریشی کا بیان ہے کہ ہم حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے انہوں نے حضور ﷺ کے چند موئے مبارک دکھائے جو مہندی اور وسمہ کے استعمال کی وجہ سے سرخ رنگ کے تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں چودہ سے زیادہ سفید بال نہیں شمار کئے۔ سماک بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت جابر سمرہؓ سے سوال ہوا کہ حضور ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ انہوں نے جواب دیا: "نہیں! البتہ حضور ﷺ کی مانگ میں چند بال سفید تھے وہ بھی جب حضور ﷺ تیل استعمال فرماتے تو محسوس نہیں ہوتے تھے یعنی تیل کی چمک میں بالوں کی سفیدی مستور ہو جاتی۔" حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کے (سر اور داڑھی میں) تقریباً بیس بال سفید تھے۔

حمید الغویل کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے خضاب لگانے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: "رسولِ اکرم ﷺ کی داڑھی کے اگلے حصہ میں زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے (ایسے حالات میں خضاب کی کیا ضرورت تھی؟)۔"

حضرت ابو رمثہ رفاعہؓ فرماتے ہیں کہ میں ح اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "یہ تیرا بیٹا ہے؟......" میں نے عرض کیا جی ہاں! یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے گواہ رہیں (اس پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "اس کی جنایت (جرم) کا بدلہ تجھ پر نہیں۔" ابو رمثہ کہتے کہ اس وقت میں نے آپ ﷺ کے کچھ بال سرخ

دیکھے۔ایک روایت میں ہے کہ جب میں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اپنی داڑھی مبارک کو مہندی لگا رکھی تھی۔ (مسندِ امام احمد)

رسول اکرم ﷺ کی پیاری اور خوبصورت ہتھیلیاں مبارک

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں گداز اور ہاتھ اعتدال کے ساتھ بڑے تھے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا نہیں چھوا جو حضور ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم اور گداز ہو۔حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی پھر حضور ﷺ اپنے اہل خانہ کے ہاں تشریف لے گئے، میں بھی حضور ﷺ کے ساتھ ہولیا، بچوں نے حضور ﷺ کا استقبال کیا، حضور ﷺ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار تھپتھپاتے، چونکہ میں بھی بچہ تھا حضور ﷺ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا تو میں نے حضور ﷺ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی کہ گویا آپ ﷺ نے ابھی ابھی عطار کے عطر دان سے ہاتھ نکالا ہے۔حضرت انسؓ یا حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک اور ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ وادیٔ بطحا میں تھے کہ لوگ تبرک کے طور پر حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پکڑتے اور انہیں اپنے چہروں سے لگاتے۔ میں نے بھی حضور ﷺ کا ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (شمائل ترمذی)

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک پُر گوشت اسی تناسب سے رسولِ اکرم ﷺ کی انگلیاں آپ ﷺ کے بعد میں نے آپ ﷺ سا کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ اور انگلیاں مخروطی اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت ہند بن ابی ہالہؓ دونوں کا بیان ہے کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی موٹی تھیں۔ تو اس میں انگلیوں کے جوڑ بھی داخل ہیں (شمائل ترمذی)

کف دست اور پہنچے پائے اطہر کے کشادہ تھے
گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
کلاں تھیں ہڈیاں مربوط اور پُر گوشت تھے اعضاء
تھے لانبے ہاتھ لمبی انگلیاں متناسب وزیبا

رسول اکرم ﷺ کا پیارا اور مبارک دست مبارک

چنانچہ سیرت نگاروں نے مزید تفصیل سے لکھا ہے کہ کف دست بازو مبارک پر گوشت تھے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم یا دیبا کو آپ کے کف مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔

جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے وہ دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو پاتا، اور جس بچہ کے سر پر آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے وہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ کی طرف نکلے میں بھی آپ کے ساتھ نکلا، بچے آپ کے سامنے آئے تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسار کو اپنے ہاتھ مبارک سے مسح فرمانے لگے، میرے رخسار کو بھی آپ نے مسح فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی۔ کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا تھا۔

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں، کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرتا تھا یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں اپنے ہاتھ میں پاتا، اور میرا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول

اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک میری طرف بڑھایا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برف سے ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔

حضور ﷺ کا ہاتھ وہ مبارک ہاتھ تھا، کہ ایک مشت خاک کفار پر پھینک دی اور ان کو شکست ہوئی، یہ وہی دست کرم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے محروم نہیں پھرا، یہ وہی دست شفا تھا، کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں جاتی رہیں کہ جن کے علاج سے اطباء عاجز ہیں، اسی مبارک ہاتھ میں سنگ ریزوں نے کلمہ شہادت پڑھا، اسی مبارک ہاتھ کے اشارے سے فتح مکہ کے روز تین سو ساٹھ بت یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے، اسی مبارک ہاتھ کی انگلی کے اشارے سے متعدد دفعہ چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں اس کی تفصیل آپ پڑھ کر آئے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کی مزید برکات کی تشریح کے لیے ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ ان واقعات کے مطالعے سے آپ کی معلومات میں اضافہ ہوگا، سیرتِ رسولِ عربی ﷺ سے استفادہ کر کے یہ ایمان افروز واقعات آپ کی خدمت میں پیش ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ حضرت ابیض بن جمالؓ کے چہرے پر داد تھا، جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو بلایا، اور ان کے چہرے پر اپنا دست شفا پھیرا شام نہ ہونے پائی، کہ داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

۲۔ حضرت شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک گلٹی سی تھی جس کے سبب سے وہ تلوار کا قبضہ اور گھوڑے کی باگ نہیں پکڑ سکتے تھے، انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کی، آپ نے اپنی ہتھیلی سے اس گلٹی کو رگڑا، پس اس کا نشان تک نہ رہا۔

۳۔ ایک عورت اپنے لڑکے کو خدمت اقدس میں لائی اور عرض کیا، کہ ان کو جنون ہے حضور ﷺ نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا، لڑکے کو قے ہوئی، اور اس میں سے ایک کالے کتے کا پلا نکلا اور فوراً آرام ہوگیا۔

۴۔ جنگ احد میں حضرت قتادہؓ کی آنکھ کو صدمہ پہنچا اور ڈیلا رخسار پر آپڑا تجویز ہوئی، کہ کاٹ دیا جاتے، حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو اور انہیں بلا کر اپنے دست مبارک سے ڈیلے کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، آنکھ فوراً ایسی درست ہوگئی، کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عتیک جب ابورافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے تو زینے سے گر کر ان کی ساق ٹوٹ گئی، انہوں نے اپنے عمامہ سے باندھ لی، جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، کہ پاؤں پھیلاؤ حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلایا، حضور ﷺ نے اس پر اپنا دست شفا پھیرا، اسی وقت ایسی تندرست ہوگئی، کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

۶۔ حضرت عائذ بن سعید جسری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ میرے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیجئے اور دعائے برکت فرمایئے، حضور انور ﷺ نے ایسا ہی کیا، اس وقت سے حضرت عائذ کا چہرہ تروتازہ اور نورانی روشنی کرتا تھا۔

۷۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن وعبداللہ پسران عبد کے لیے دعائے برکت فرمائی، اور دونوں کے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، وہ دونوں جب سر منڈایا کرتے جس جگہ رسول ﷺ نے مبارک ہاتھ رکھا تھا اس پر باقی حصے سے پہلے بال اگ آتے۔

۸۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی پیدا ہوئے تو نہایت ہی کوتاہ قد تھے حضرت ابولبابہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں لے گئے حضور نے تحنیک کے بعد ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی، اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن جب کسی قسم میں ہوتے تو قد میں سب سے بلند نظر آتے۔

۹۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسیؓ کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا، جب وہ عمر رسیدہ ہوگئے تو ان کی تمام اعضاء پر کہنگی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر چہرہ

بدستور تروتازہ تھا۔

۱۰۔ آنحضرت ﷺ نے قیس بن زید بن حباب جزامی کے سر پا اپنا دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی، ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔

۱۱۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو راستے میں ایک غلام چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا، اس نے جواب دیا کہ، میرے پاس کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں، آپ نے ایک بکری پکڑی اور اس کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس کا دودھ دوہا، اور دونوں نے پیا غلام نے حضور سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں، یہ سن کر وہ ایمان لایا، اسی طرح حضور ﷺ نے معبد کی بکری کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور اس نے دودھ دیا، جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔

۱۲۔ حضرت مالک بن عمیر سلمی شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے عرض کیا، کہ یارسول اللہ ﷺ میں شاعر ہوں، آپ شعر کے بارے میں کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے سر سینہ سے کندھے تک پیپ سے بھر جائے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میری خطا بطریق مسح دور کر دیجئے، یہ سن کر حضور ﷺ نے میرے سر اور چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، پھر میرے جگر پر پھر پیٹ پر پھیرا، یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کے دست مبارک کے مبلغ سے شرمندہ ہوتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ حضرت مالک بن عمیرؓ بوڑھے ہوئے، یہاں تک کہ ان کا سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے مگر سر اور داڑھی میں حضور ﷺ کے ہاتھ مبارک کی جگہ کے بال سفید نہ ہوئے۔

۱۳۔ حضرت مدلوک فزاری کا بیان ہے کہ میرا آقا مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا، میں اسلام لایا، تو حضور نے مجھے دعائے برکت دی، اور میرے سر پر اپنا دست

مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے مس کیا تھا، سیاہ ہی رہا، باقی تمام تر سفید ہو گیا۔

۱۴۔ حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے صاحبزادے بشر بن معاویہ ساتھ تھے حضرت معاویہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! بشر کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے، چنانچہ حضور انور ﷺ نے بشر کے چہرے کو مسح کیا، حضور کے مسح کرنے کا نشان حضرت بشر کی پیشانی میں غرہ کی مانند تھا، اور وہ جس بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے اچھا ہو جاتا، حضرت بشر کے صاحبزادے محمد بن بشر اس بات پر فخر کرتے تھے کہ میرے باپ کے سر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا، چنانچہ یوں کہا کرتے تھے

وابی الذی مسح النبی براسه ودعاله بالخیر والبرکات

میرا باپ وہ ہے کہ پیغمبر خدا نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور ان کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

۱۵۔ حضرت یزید بن قنافہ طائی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اقرع (گنجے) تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے سر پا ہاتھ پھیرا اسی وقت بال اگ آئے، اسی واسطے ان کا لقب ہلب (بسیار مو) ہو گیا ابن درید کا قول ہے کہ وہ اقرع تھے، رسول اللہ ﷺ کی برکت سے افرع (مرد تمام مو) ہو گئے۔

۱۶۔ یسار بن ازیہر جہنی ذکر کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور مجھے دو چادریں پہنا دیں، اور ایک تلوار عطا فرمائی حضرت یسار کی صاحب زادی عمرہ کا بیان ہے کہ میرے باپ کے سر میں سفید بال نہ آئے یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی۔

۱۷۔ حضرت ابو زید بن اخطب خزرجی کے سر اور چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا، سو سال سے زائد ان کی عمر ہو گئی مگر سر اور داڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا۔

۱۸۔حضرت ابو سنان عبدی صباحی کے چہرے پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا، ان کی عمر نوے برس ہوگئی، مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا۔

۱۹۔حضرت ابوغزوان حالت کفر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابوغزوان آپ نے ان کے لیے سات بکریوں کا دودھ دوہا، اور وہ سب پی گئے، آپ نے ان کو دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہوگئے، پھر آپ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا دوسرے روز صبح کے وقت ایک بکری دوہی گئی، وہ اس کا بھی تمام دودھ نہ پی سکے۔

۲۰۔حضرت سہل بن رافعؓ دو صاع کھجوریں بطور زکوٰۃ اور اپنی لڑکی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ آپ میرے حق میں اور میری لڑکی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں، اور اس لڑکی کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیں، عمیرہ کا قول ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک مجھ پر رکھا، میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک بعد میں میرے کلیجے پر رہی۔

۲۱۔حضرت سائب بن یزید کا آزاد کردہ غلام عطاء بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت سائب کو دیکھا، کہ ان کی داڑھی کے بال سفید تھے، مگر سر کے بال سیاہ تھے، میں نے پوچھا آقا آپ کے سر کے بال سفید کیوں نہیں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک روز میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، حضور ﷺ نے لڑکوں کو سلام کیا ان میں سے میں نے سلام کا جواب دیا، آپ نے مجھے بلایا اور اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا "اللہ تجھ میں برکت دے" پس حضور ﷺ کے دست مبارک کی جگہ سفید بال کبھی نہ آئیں گے۔

۲۲۔حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا، ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے آپ نے فرمایا لڑکے کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں لیکن میں امین ہوں، آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس میں کوئی ایسی بکری ہے، جس پر نر نہ کودا ہو؟ میں نے

جواب دیا کہ ہاں، پس میں نے ایک بکری پیش کی جس کا تھن نہ تھا، آپ نے تھن کی جگہ پر اپنا دست مبارک پھیرا، ناگاہ ایک دودھ بھرا تھن نمودار ہوا، آپ نے دودھ دوہا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور مجھ کو پلایا، پھر تھن سے ارشاد فرمایا کہ سکڑ جا، پس وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ پہلے تھا، یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مجھے تعلیم دیجئے، آپ نے میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دے کر فرمایا کہ تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے، پس میں اسلام لایا۔

۲۳۔ حضرت محمد بن انس فضالہ انصاری اوسی ذکر کرتے ہیں، کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں تشریف لائے تو میں دو ہفتے کا تھا، مجھے حضور کی خدمت میں لے گئے، آپ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا، اور دعائے برکت فرمائی اور ارشاد فرمایا، کہ اس کا نام میرے نام پر رکھو مگر میری کنیت نہ رکھو ان کے صاحب زادے یونس کا قول ہے کہ میرے والد بوڑھے ہو گئے، اور ان کے تمام بال سفید ہو گئے مگر سر کے بال جن پر دست مبارک پھرا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۴۔ حضرت عبادہ بن سعد عثمانی زرقی کے سر پر آنحضرت ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی، انہوں نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اور کوئی بال سفید نہ ہوا۔

۲۵۔ حضرت بشر (یا بشیر) بن عقبہ جہنی کا بیان ہے کہ میرے والد مجھ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے، حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بحیر ہے، حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ نزدیک آؤ، میں آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گیا، آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرا نام بحیر ہے، حضور نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے میری زبان میں لکنت تھی، آپ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا، لکنت جاتی رہی، میرے سر کے تمام بال سفید ہوئے مگر جن بالوں پر حضور ﷺ کا دست مبارک پھرا تھا وہ سیاہ ہی رہے۔

۲۶۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خزیمہ بن عاصم عکلی کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیرا، ان کے چہرے پر پیری کے آثار نمودار نہ ہوئے، یہاں تک کہ وفات پائی،

۲۷۔ حضرت فراش بن عمرو کنانی لیثی اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دردسر کی شکایت کی، حضور ﷺ نے فراش کو اپنے سامنے بٹھایا، اور ان کی آنکھوں کے درمیانی چمڑے کو پکڑ کر کھینچا، آپ کی مبارک انگلیوں کی جگہ بال اگ آئے اور انکا درد جاتا رہا، انہوں نے حروراء کے دن خوارج کے ساتھ نکلنا چاہا، ان کے والد نے ان کو کوٹھڑی میں بند کردیا وہ بال گر گئے، جب توبہ کی تو پھر اگ آئے۔

۲۷۔ حضرت عمرو بن تغلب کے چہرے اور سر پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک پھیرا، انہوں نے سو برس کی عمر میں وفات پائی، مگر چہرے اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ کے ہاتھ مبارک نے چھوا تھا سفید نہ ہوئے۔

۲۹۔ حضرت اسید بن ابی ایاس کنانی دئلی کے سینے پر حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا، اور چہرے پر پھیرا، وہ تاریک گھر میں داخل ہوتے تو روشن ہوجاتا۔

۳۰۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ تو میری ماں ام سلیمؓ نے خرام اور گھی اور پنیر سے حیس تیار کیا، اور اسے ایک پیالہ میں ڈال دیا، پھر کہا: انس اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لے جاوہاں عرض کرنا۔ کہ یہ میری ماں نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے، کہ یارسول اللہ یہ تھوڑا سا تناول فرمائیے ہماری طرف سے آپ کے لیے ہے، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ماں نے جو کچھ کہا تھا عرض کردیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں (تین شخصوں) کو بلالاؤ اور جو اور ملیں ان کو بھی لے آؤ میں نے تعمیل ارشاد کی، واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر اہل خانہ سے بھرا ہوا ہے، حضور نے اپنا دست مبارک اس حیس پر رکھا اور دعائے برکت فرمائی، پھر آپ حاضرین میں سے دس دس کو بلاتے رہے اور فرماتے رہے، کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ، اور ہر ایک اپنے سامنے سے

کھائے،اس طرح ایک گروہ نکلتا اور دوسرا آجاتا، یہاں تک کہ سب سے سیر ہو کر کھایا،حضور ﷺ نے فرمایا،انس!اٹھاؤ میں نے اٹھالیا میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب پیالہ رکھا گیا تو اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب اٹھایا گیا بقول انس حاضرین کی تعداد تین سو تھی۔

۳۱۔جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت حضرت سلمان فارسیؓ ایک یہودی کے ہاں بطور غلام کام کرتے تھے،رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے انہوں نے یہودی سے اس امر پر مکاتبت کرلی، کہ وہ اس یہودی کو چالیس اوقیہ سونا ادا کریں،اور اس کے لیے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر پرورش کریں، یہاں تک کہ وہ بارآور ہوں، جب حضرت سلمان فارسیؓ نے حضور ﷺ کو یہ خبر دی تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ سلمان کی مدد کرو، چنانچہ صحابہ کرام نے پودے دے دیئے،اور حضور ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان کو لگایا،وہ سب لگ گئے،اور اسی سال پھل لائے،ایک روایت میں ہے کہ تین سو پودوں میں سے ایک کسی اور نے لگایا،وہ پھل نہ لایا تو حضور ﷺ نے اسے اکھاڑ کر اپنے دست مبارک سے پھر لگا دیا،وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی پھل لایا،آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کسی کان سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا تھا،وہ آپ نے سلمان کو عطا فرمایا سلمان نے عرض کیا کہ اس کو چالس اوقیہ کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہی لے جاؤ،اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہارا قرض ادا کر دے گا، چنانچہ وہ لے گئے،اور اسی میں سے چالیس اوقیہ تول کر یہودی کو دے دیئے،اس طرح حضرت سلمان فارسیؓ آزاد ہو گئے۔

۳۲۔حضور اکرم ﷺ کی بغل شریف سفید تھی،اور اسے کسی قسم کی ناخوش بو نہ آتی تھی بلکہ کستوری کی مانند خوشبو آیا کرتی تھی۔ (بحوالہ جستہ جستہ از سیرتِ رسولِ عربیؐ)

رسول اکرم ﷺ کے پیارے اور متوازن پاؤں مبارک

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے تلوے قدرے

گہرے، قدم ہموار اور چکنے کہ ان پر پانی نہیں ٹھہرتا بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا۔ آپ ﷺ چلتے وقت پوری طرح قدم اٹھاتے، زمین پر آہستہ آہستہ رکھتے ہوئے آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پُرگوشت تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سر مبارک بڑا، مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ، قدم موٹے پُرگوشت اور ہتھیلیاں فراخ تھیں۔ (بخاری شریف)

بہر حال آپ ﷺ کے ہر دو پائے مبارک اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے نہ تھے اور نرم وصاف ایسے کہ اس پر ذرا بھی پانی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً گر جاتا۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ایڑیاں کم گوشت ہر دو ساق مبارک باریک وسفید ولطیف گویا شحم النخل یعنی کھجور کا گابھا ہیں۔ جب جناب آپ ﷺ چلتے تو قدم مبارک کو قوت وتثبت اور وقار وتواضع سے اٹھاتے، جیسا کہ اہل ہمت وشجاعت کا قاعدہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ چلنے میں میں نے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، گویا رسولِ اکرم ﷺ کے لئے زمین لپٹتی جاتی تھی۔ ہم دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اٹھاتے اور جنابِ رسولِ اکرم ﷺ بآسانی وبے تکلف چلتے۔ مگر پھر بھی سب سے آگے رہتے۔

بعض دفعہ حضور ﷺ اپنے اصحابؓ کے ساتھ کا قصد فرماتے تو اس صورت میں اصحاب آپ ﷺ کے آگے رہتے اور رسولِ اکرم ﷺ عمداً ان کے پیچھے ہوتے اور فرماتے کہ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دو۔

حضور ﷺ کے پاؤں مبارک وہ قدم مبارک ہیں کہ جب آپ ﷺ پتھر پر چلتے تو وہ نرم ہو جاتا، تاکہ حضور ﷺ بآسانی اس پر گزر جائیں اور جب ریت پر چلتے تو اس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا تھا۔

یہ وہی قدم مبارک ہیں جن کی محبت میں کوہ احد کوہ ثبیر حرکت میں آئے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں کہ قیام شب میں ورم کر آتے تھے۔ یہی وہ قدم مبارک ہیں کہ مکہ اور بیت

المقدس کو ان سے شرف زائد حاصل ہوا۔

خلاصہ السیر ص ۲۰۱۹ پر رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارکہ کا بیان ہے۔ اس میں یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ کے تلوے خالی تھے۔ تلووں کا گوشت سے خالی اور گہرا ہونا سخاوت کی علامت ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ؎

کف دست اور پنجے پائے اطہر کے کشادہ تھے...... گداز و نرم دیبا اور ریشم سے زیادہ تھے
قدم آئینہ سا قطرہ نہ پانی کا ذرا ٹھہرے...... تھیں کم گوشت اور ہلکی ایڑیاں تلوے ذرا گہرے

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری اور باوقار رفتار مبارک

حضرت انس ؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت آگے کی طرف قدرے جھکاؤ رکھتے اور مضبوطی سے قدم اٹھاتے۔ حضرت ابی عتبہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ چلتے وقت قوت اور جماؤ سے آگے کو قدم اٹھاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت آگے کی طرف جھکاؤ رکھتے ایسا معلوم ہوتا کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے جس پر ٹیک لگائے چل رہے ہیں۔ حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ چلتے وقت دائیں بائیں نہ دیکھتے تھے۔

حضرت جابر ؓ ہی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ جب چلتے تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ آگے آگے رہتے اور آپ ﷺ کی پشت کو فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت علی ؓ کا بیان ہے کی آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف قدرے جھکاؤ ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اونچائی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد کوئی رسولِ اکرم ﷺ سا نہیں دیکھا۔

حضرت ہند بن ابی ہالہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ جب چلتے تو قدرے جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے گویا کسی ڈھلوان پر چل رہے ہیں جب کسی کی طرف دیکھتے تو پورے

وجود کے ساتھ ملتفت ہوتے۔ چلتے وقت نظریں نیچی رکھتے، آپ ﷺ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ خوبصورت میں نے کسی ماہ رخ کو نہیں دیکھا۔ چہرہ مبارک اتنا روشن گویا سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس قدر تیز گویا زمین آپ ﷺ کے لئے لپٹی جارہی ہے، ہم تو چلتے چلتے مارے تھکن کے چور ہوجاتے اور بمشکل آپ ﷺ کا ساتھ دے پاتے، لیکن آپ ﷺ بلا تکلف بے نیاز ہوکر چلے جارہے ہوتے۔ (شمائل ترمذی)

رسولِ اکرم ﷺ کی پیاری مہر نبوت مبارک

حضرت سائب بن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میری خالہ مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔'' جناب رسولِ اکرم ﷺ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر رسولِ اکرم ﷺ نے وضو کیا تو میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے وضو سے بچا ہوا پانی نوش کیا۔ جب میں رسولِ اکرم ﷺ کے (پس پشت) کھڑا ہوا تو میری نظر رسولِ اکرم ﷺ کی مہر نبوت پر پڑی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی۔ (جو کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردہ پر لگائی جاتی ہیں۔ جو مسہری پر خوبصورتی کے لئے لٹکایا جاتا ہے۔) (مسندِ احمد)

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا، جو (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جیسی اور (رنگت میں) سرخ غدود (رسولی) جیسی تھی۔

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے مجھے کمر ملنے کے لئے کہا، میں نے رسولِ اکرم ﷺ کی کمر مبارک پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا تو اچانک میری انگلیاں مہر نبوت سے جالگیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمروؓ سے پوچھا کہ مہر نبوت

کیا چیز تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ: ''چند بالوں کا مجموعہ تھا۔'' دوسری روایت میں ہے کہ ''کندھے پر بالوں کا گچھا تھا۔'' ابونفرہ عوفی کا بیان ہے میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کی مہرِ نبوت کے متعلق دریافت کیا تو آپؓ نے فرمایا: ''رسولِ اکرم ﷺ کی پشت پر گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔'' (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ کا بیان ہے: میں ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ کے ہاں لوگوں کا جھمگھٹا تھا۔ میں نے یونہی آپ ﷺ کے پس پشت چکر لگایا آپ ﷺ میرا مقصد سمجھ گئے اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی۔ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے برابر مہرِ نبوت کو دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں آپ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ تجھے بھی بخش دے۔''

لوگوں نے مجھے کہا کہ (آپؓ خوش نصیب ہیں کیوں کہ) حضور ﷺ نے تمہارے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ میں نے کہا ہاں! تم سب کے لئے بھی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ''اے محمد (ﷺ) مغفرت کی دعا کروا اپنے لئے بھی اور اہل اہماں مرد و خواتین کے لئے بھی۔'' (سورہ محمد:١٩)

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ ہی کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اعزاز گفتگو حاصل کیا اور مجھے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرنے کا شرف ملا۔ میں نے اس علامت یعنی مہرِ نبوت کو دیکھا جو حضور ﷺ کے بائیں کندھے کی کری (نرم ہڈی) کے پاس تھی جو مقدار میں بند مٹھی کے برابر تھی اس پر مسوں کی طرح کے تلوں کا جمگھٹ تھا۔ (مسند احمد)

رسولِ اکرم ﷺ کے پیارے اور باجمال حلیہ مقدس کا ایک جامع تزکرہ مبارک

حضرت ام معبد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک جن الفاظ میں بیان کیا ہے ان کا ترجمہ صاحب الرحیق المختوم کی زبانی قدرے تصرف کے ساتھ ہم

یہاں نقل کر رہے ہیں: ملاحظہ فرمائیے۔

''چمکتا رنگ، تابناک چہرہ نہ اتنے نحیف و نزار کہ دیکھنے میں عیب دار اور نہ اس قدر بھاری بھرکم کہ توند نکلی ہوئی ہو، خوبصورت ساخت، جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھیلا ہوا پیکر، سرمگیں آنکھیں، دراز پلکیں، بھاری آواز، چمکدار اور لمبی گردن، گھنی داڑھی، باریک اور باہم پیوستہ ابرو، خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو گویا منہ سے پھول جھڑیں، دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ تابناک اور پر جمال اور قریب سے دیکھیں تو سب سے خوبصورت اور شیریں ادا، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ پست قامت کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو انتہائی تروتازہ اور خوش منظر ہے، رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، آپ ﷺ کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش اور نہ یادہ گو۔''

ام معبد کے شوہر ابو معبد نے رسولِ اکرم ﷺ کے اوصاف سن کر کہا کہ: ''اللہ کی قسم! یہ تو وہی قریش کا نوجوان ہے جس کا شہرہ مکہ میں زبان زد ہے۔ اہل مکہ نے میرے پاس بھی اس کا تذکرہ کیا تھا میں نے چاہا تھا کہ اس کی رفاقت مجھے نصیب ہو جائے اگر مجھے اس کے پاس جانے کا کوئی راستہ ملے تو ضرور شرف ملاقات حاصل کروں گا۔''

ادھر مکہ میں ہاتف غیبی (یعنی آواز سنائی دیتی مگر کہنے والا دکھائی نہ دیتا) با آواز بلند یہ کہہ رہا تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ پروردگار عالم ان دو ساتھیوں کو جزا خیر دے جو ام معبد کے خیموں میں فروکش ہوئے، وہ دونوں ہدایت لے کر آئے اور ام معبد نے ہدایت پائی یقیناً وہ شخص کامیاب ہے جو رسولِ اکرم ﷺ کا ساتھی بنا۔''

ابراہیم بن محمد جو حضرت علیؓ کی اولاد سے ہیں ان کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ جب رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے تو فرماتے تھے کہ:۔

''آپ ﷺ نہ تو انتہائی دراز قد اور نہ بالکل پست قامت بلکہ لوگوں میں آپ ﷺ کا

پیکر درمیانہ تھا، بال مبارک نہ بالکل پیچ دار اور نہ سیدھے تنے ہوئے بلکہ قدرے خمیدہ تھے۔

رسولِ اکرم ﷺ کا بدن نہ تو بہت فربہ اور نہ بالکل گول چہرہ بلکہ کس قدر گولائی لئے ہوتا تھا۔ رنگ سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، پلکیں دراز، جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔

آپ ﷺ کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے البتہ سینہ سے ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر تھی، ہاتھ اور پاؤں گویا کسی ڈھلوان سے اتر رہے ہیں، جب کسی کی طرف توجہ کرتے تو پورے وجود کے ساتھ ملتفت ہوتے۔

آپ ﷺ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ تمام انبیاء کے خاتم تھے، سب سے زیادہ سخی اور دریادل، سب سے زیادہ راست باز، سب سے زیادہ نرم خو اور سب سے بڑھ کر شریف ساتھی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو جو اچانک دیکھتا مرغوب ہو جاتا اور جو شخص جان پہچان کر میل جول کرتا وہ رسولِ اکرم ﷺ کا گرویدہ ہو جاتا۔

الغرض رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا یہی کہہ سکتا ہے کہ: میں نے رسولِ اکرم ﷺ جیسا حسین وجمیل نہ پہلے دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد کوئی آپ ﷺ سا دکھائی دیا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا کیوں کہ وہ رسولِ اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تا کہ میں ان کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں۔ ماموں جان نے رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک کے متعلق یہ بتایا کہ: "رسولِ اکرم ﷺ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک چندے آفتاب، چندے ماہتاب تھا۔ قد مبارک درمیانی قامت والے سے قدرے طویل اور زیادہ لمبے قد والے سے قد پست تھا۔ سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ

نکال آتی تو بہتر ورنہ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ کرتے یعنی کسی دوسرے وقت تک اسے اٹھا رکھتے، اگر رسولِ اکرم ﷺ بال بڑھاتے تو کان کی لو سے متجاوز ہو جاتے، رنگ نہایت چمکدار، کشادہ جبیں ابرو خمدار، باریک اور گنجان تھے نیز دونوں جدا جدا باہم پیوستہ نہیں تھے ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی، حضور ﷺ کی ناک مبارک بلندی مائل اور اس پر ایک چمکدار اور نور تھا جس کی وجہ سے ابتداءً دیکھنے والا حضور ﷺ کو بڑی ناک والا خیال کرتا تھا۔ داڑھی مبارک ہموار، ہلکے گوشت لٹکے ہوئے، دہن مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا، دندان مبارک باریک آبدار، سامنے کے دانتوں میں خوشنما ریخیں تھیں، سینے سے ناف تک بالوں کی باریک لمبی لکیر تھی، گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک جیسا کہ مورتی کی گردن خوبصورتی سے تراشی گئی ہو اور رنگت میں چاندی جیسی صاف اور چمکدار، تمام اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت، بدن گٹھا ہوا، پیٹ سینہ ہموار، لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا، کندھوں کے درمیان عام پیمانے سے کچھ زیادہ فاصلہ جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی بڑی، جو اعضاء (دھوپ اور ہوا میں) کھلے رہتے وہ انتہائی روشن اور چمکدار (چہ جائے کہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو) ناف اور سینہ ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دھاری سی لئے ہوئے۔ اس کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھے البتہ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے۔ کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ ہاتھ اور پاؤں گداز اور پُر گوشت تھے۔ ہاتھ کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔ تلوے گہرے اور قدم مبارک اس قدر ملائم اور ہموار تھے کہ پانی ان پر نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً ڈھل جاتا تھا۔ چلتے وقت پوری قوت سے قدم اٹھاتے۔ آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے، زمین پر قدم زور سے نہیں بلکہ آہستہ آہستہ ٹھہرتا تھا، تیز رفتار چھوٹے چھوٹے قدم رکھنے کے بجائے حضور ﷺ ذرا کشادہ قدم رکھتے۔ چلتے وقت ایسا محسوس ہوتا گویا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے وجود سے ملتفت ہوتے۔ نگاہیں نیچی، نظر آسمان کی نسبت زمین پر زیادہ رہتی، گوشہ چشم سے دیکھتے (یعنی نہایت شرم وحیا سے آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھتے تھے)

چلتے وقت اپنے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو اپنے آگے کر دیتے اور خود پیچھے رہ جاتے تھے۔ حضور ﷺ جس سے ملتے سلام کہنے میں خود ابتداء فرماتے۔ (شمائل ترمذی)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور ﷺ کی گفتگو کی کیفیت بیان فرمایئے تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: "حضور ﷺ غموں سے دوچار ہمیشہ (امت کی بہبود اور امور آخرت میں) غور وفکر فرماتے رہتے تھے اس بنا پر حضور ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی۔ تادیر خاموش رہتے بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ گفتگو کا آغاز اور اختتام اللہ کے نام سے کرتے، ابتدا سے انتہا تک تمام بات چیت منہ بھر کر ہوتی یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے تھے۔ جامع اور دوٹوک کلمات ارشاد فرماتے جن میں نہ فضول کوئی ہوتی نہ کوتاہی، نرم خو تھے نہ سخت مزاج، جفا جو نہ تھے، معمولی نعمت کی بھی تعظیم کرتے اس کی مذمت نہ کرتے، کھانے کی نہ برائی کرتے اور نہ زیادہ تعریف، دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے حضور ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا البتہ کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی تجاوز کرتا تو اس کا انتقام نہ لیتے آپ ﷺ کے غضب کو روکا نہ جاسکتا تھا۔ آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے اور نہ اس کا انتقام لیتے تھے۔ جب اشارہ فرماتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ فرماتے اور تعجب کے وقت ہتھیلی پلٹتے۔ جب گفتگو کرتے تو اسے ملا لیتے اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے، جب کسی سے ناراض ہوتے تو رخ پھیر لیتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے نگاہ پست کر لیتے آپ ﷺ کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی، آپ ﷺ جب مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے تھے۔ (بحوالہ شمائل ترمذی)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہات کی بنا پر) اس حدیث کا اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے عرصہ تک ذکر نہ کیا جب میں نے ان سے یہ حدیث بیان کی تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اسے سن چکے ہیں، صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے حدیث سن لی ہو بلکہ والد محترم حضرت علیؓ سے رسولِ اکرم ﷺ کے گھر آنے،

باہر تشریف لے جانے اور حضور ﷺ کا طرزِ عمل بھی معلوم کر چکے ہیں اور انہوں نے کسی چیز کی کسر نہیں چھوڑی۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ حضرت علیؓ سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے گھر تشریف رکھنے کے حالات دریافت کیے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ''آپ ﷺ نے اپنے گھر میں تشریف فرما ہونے کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا حصہ اہل خانہ کے حقوق کے لئے اور تیسرا حصہ اپنی ذاتی ضروریات راحت و آرام کے لئے پھر اپنے ذاتی حصہ کو بھی اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے وہ اس طرح کہ اس وقت میں خصوصی حضرات صحابہ کرامؓ رسولِ اکرم ﷺ کے پاس ہوتے تھے پھر ان سے کوئی چیز اٹھانہ رکھتے تھے (یعنی نہ دینی امور میں اور نہ دنیاوی منافع میں) امت کے اس حصہ میں رسولِ اکرم ﷺ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم وعمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے اس وقت کو ان کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے بعض آنے والے ایک جماعت اور بعض دو، دو اور کچھ حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر آتے۔ رسولِ اکرم ﷺ ان تمام کی ضروریات حتی المقدور پوری فرماتے اور انہیں ایسے امور میں مصروف کرتے جو خود ان کی اور تمام امت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں مثلاً ان کا دینی امور کے متعلق آپ ﷺ سے سوالات کرنا اور حضور ﷺ کا انہیں مناسب امور سے مطلع کرنا اور آپ ﷺ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں وہ ان مفید اور ضروری باتوں کو ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، نیز جو لوگ کسی عذر کی بنا پر اپنی یہ ضروریات کا اظہار نہیں کر سکتے تم لوگ ان کی ضرورتوں کو مجھ تک پہنچادیا کرو اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو وہ خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ثابت قدم رکھیں گے، رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس میں ایسی ہی ضروری اور مفید باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اس کے علاوہ فضول اور لایعنی باتیں مجلس میں نہ ہوتی تھیں۔ صحابہ کرام دین کے طالب بن کر

حاضر ہوتے اور کچھ چکھے یا حاصل کئے بغیر وہاں سے نہ آتے آخر کار رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس سے ہدایت وخیر کے رہنما بن کر نکلتے۔" (شمائل ترمذی)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جناب رسولِ اکرم ﷺ کی باہر تشریف آوری کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: "جنابِ رسولِ اکرم ﷺ گھر سے باہر تشریف لا کر ضروری امور کے علاوہ اپنی زبان محفوظ رکھتے تھے۔ فضول تذکروں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، ساتھیوں کو جوڑتے تھے انہیں توڑتے نہیں تھے، ہر قوم کے معزز آدمی کی تکریم کرتے اور اس کو ان کا سردار بناتے تھے، لوگوں کو دوسروں سے احتیاط برتنے کی تاکید فرماتے اور خود اپنی بھی لوگوں کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے سے حفاظت کرتے تھے۔ لیکن اس کے لئے کسی سے اپنی خوش خلقی ختم نہ فرماتے تھے۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری کرتے اور لوگوں کے حالات دریافت کرتے۔ اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کو تقویت پہنچاتے اور بری بات کی برائی بتا کر اس کو زائل کرتے اور بچنے کی تلقین فرماتے، ہر امر میں اعتدال بتا کر اس کو زائل کرتے اور بچنے کی تلقین فرماتے، ہر امر میں اعتدال اور توازن اختیار کرتے۔ تلون اور بے ہنگم پن نہیں تھا، لوگوں کی اصلاح سے غافل نہ ہوتے کہ مبادہ وہ دین سے غافل یا ملول خاطر ہو جائیں۔ ہر حالت کے لئے مستعد رہتے تھے۔ حق سے کوتاہی نہ کرتے اور نہ حق سے تجاوز کر کے ناحق کی طرف جاتے تھے۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے لوگوں میں سے بہترین افراد ہوتے تھے، اوران میں سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے نزدیک افضل وہ ہوتا تھا جو سب سے بڑھ کر دوسروں کا خیر خواہ ہو اور سب سے زیادہ قدر حضور ﷺ کے نزدیک اس شخص کی تھی جو سب سے اچھا غمگسار اور مددگار ہو۔" (بحوالہ شمائل ترمذی)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: حضور ﷺ اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر ضرور فرماتے اور جب کسی قوم کے پاس پہنچتے

تو مجلس میں جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے اور اس کا حکم بھی فرماتے، سب اہل مجلس پر برابر توجہ دیتے اور ہر ایک کا حق ادا فرماتے حتیٰ کہ کوئی جلیس یہ نہ محسوس کرتا کہ کوئی شخص حضور ﷺ کے نزدیک اس سے زیادہ باعزت ہے۔ کوئی شخص کسی ضرورت سے رسولِ اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ جاتا یا کسی امر میں آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتا تو آپ ﷺ صبر کے ساتھ اس کے لئے رکے رہتے حتیٰ کہ وہ خود ہی واپس ہوتا کوئی کسی ضرورت کا سوال کر دیتا تو آپ ﷺ اسے عطا کئے بغیر واپس نہ فرماتے۔ آپ ﷺ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی کیوں کہ آپ ﷺ سب کے لئے باپ کا درجہ رکھتے تھے اور تمام لوگ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے نزدیک حقوق میں برابر تھے۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس علم دانش، حیا، وقار کی مجلس تھی اس میں نہ آوازیں بلند کی جاتیں تھیں اور نہ ہی کسی کی عزت وآبرو کو پامال کیا جاتا اور نہ ہی کسی کی غلطیوں اور لغزشوں کو اچھالا جاتا آپس میں سب برابر شمار کئے جاتے۔ ایک دوسرے پر اگر کوئی فضیلت ہوتی تو تقویٰ کی بنیاد پر ہوتی، ہر شخص دوسرے شخص کے ساتھ تواضع سے پیش آتا، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر رحم کرتا تھا۔ حاجت مند کو نوازتے اور اجنبی مسافر کی خبر گیری کرتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ کیسا طرزِ عمل تھا تو انہوں نے فرمایا کہ:۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی، خوش خلق اور نرم خو تھے، جفا جو اور سخت مزاج نہ تھے، نہ چیختے چلاتے، نہ فحاش کہتے، نہ زیادہ عتاب فرماتے اور نہ بہت تعریف کرتے۔ حضور ﷺ کو جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے اعتراض وتغافل برتتے کوئی رسولِ اکرم ﷺ سے حسن سلوک کی امید رکھتا تو حضور ﷺ اسے مایوس نہ فرماتے اور وہ حضور ﷺ کو اپنی توقعات سے بڑھ کر پاتا تھا۔ جنابِ رسولِ اکرم ﷺ نے تین باتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھا:۔ (۱) جھگڑے سے (۲) کسی چیز کی کثرت سے (۳) لایعنی باتوں سے اور تین باتوں سے محفوظ رکھا تھا:۔ (۱) کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے (۲) کسی کو

عار نہیں دلاتے تھے (۳) کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے

حضور ﷺ وہی گفتگو فرماتے تھے جو باعث اجر وثواب ہوتی تھی، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آپ ﷺ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور جب آپ ﷺ خاموش ہوتے تو لوگ گفتگو کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے آپ ﷺ کے پاس جب کوئی بولتا تو سب اس کے لئے خاموش رہتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ ہر شخص کی بات قابل توجہ ہونے میں ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو، جس بات سے سب لوگ ہنستے اس سے رسولِ اکرم ﷺ بھی ہنستے اور اگر بات سب تعجب کرتے اس پر آپ ﷺ بھی تعجب کرتے، اجنبی آدمی اگر سخت کلامی سے کام لیتا یا تیزی سے سوال کرتا تو اس پر آپ ﷺ تحمّل اور صبر فرماتے اور اس وجہ سے بدوی لوگ ہر قسم کے سوالات کر دیتے تھے بعض صحابہ کرامؓ رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس میں ایسے لوگوں کو لے آیا کرتے تھے۔ (تاکہ ان سے ہر قسم کے سوالات سے خود بھی فائدہ حاصل کریں اور ایسی باتیں جن کو ادب کی وجہ سے خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں) رسولِ اکرم ﷺ یہ بھی تاکید فرماتے کہ جب تم لوگ کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت کی طلب میں ہے تو اسے سامان ضرورت مہیا کرو۔ اگر آپ ﷺ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ ﷺ اسے گوارہ نہ فرماتے البتہ بطور شکریہ اور احسان کا بدلہ دینے کے لئے کوئی آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو جنابِ رسولِ اکرم ﷺ سکوت فرماتے، کسی کی گفتگو قطع نہ کرتے تھے۔ البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اسے روک دیتے تھے۔ یا پھر جنابِ رسولِ اکرم ﷺ خود مجلس سے تشریف لے جاتے تھے تاکہ وہ خود رک جائے۔

نوٹ...... جنابِ رسولِ اکرم ﷺ کے حلیہ مبارک کی تفصیل دیگر کتابوں کے علاوہ قدرے ردوبدل کے ساتھ ''آئینہ جمال نبوت'' نامی کتاب سے بھی لی گئی ہے۔ مزید تفصیل جاننے کے لئے اس کتاب سے مراجعت کی جا سکتی ہے۔

حسنِ یوسفؑ و جمالِ مصطفیٰ ﷺ کی تحقیق

شاید کسی کو شبہ ہو کہ یوسف علیہ السلام کا حسن تو ایسا تھا کہ زنانِ مصر نے آپ علیہ السلام کی صورت دیکھ کر بدحواسی میں ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ حضور ﷺ میں یہ بات کہاں تھیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حسن کی انواع ہیں۔ حسن کی ایک نوع یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کو دفعتاً متحیّر کر دے اور پھر رفتہ رفتہ اس کی سہار ہوتی جائے۔ یوسفؑ کا حسن ایسا ہی تھا، چنانچہ زلیخا کو ان کے حسن کی سہار ہوگئی تھی۔ انہوں نے ایک دن بھی ہاتھ نہیں کاٹے۔ اور ایک نوع حسن کی یہ ہے کہ دفعتاً تو متحیر نہ کرے مگر جوں جوں اس کو دیکھا جائے تحمّل سے باہر ہوتا جائے، جس قدر غور کیا جائے اسی قدر دل میں گھستا جائے۔ اسی کو شاعر نے بیان کی ہے۔ ؎

یزیدک وجهٗ حسنا اذا ما زدتهٗ نظرا

رسولِ اکرم ﷺ کا حسن ایسا ہی تھا کہ اس میں دفعتاً متحیر کر دینے کی شان ظاہر نہ تھی کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ میں خداداد عظمت وجلال کی ایک شان ایسی تھی کہ دیکھنے والے پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑتا تھا جس کی وجہ سے دیکھتے ہی نیا آدمی مرعوب ہو جاتا تھا۔

اس کو حسنِ صورت پر آنکھ بھر کر نگاہ ڈالنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی، تاکہ تحیّر کی نوبت آئے۔ "**کما فی حدیث من راٰہ بداهة هابة. اخرجه الترمذی فی الشمائل**"

اس پر منکشف ہوتا تھا اور دن بدن دِل گھر کرتا چلا جاتا تھا۔ "**کما فی حدیث علی المذکورہ خابطه بشارة اُحَبَّهٗ.**"

یوسفؑ کے حسن پر عورتوں کا عاشق ہو جانا منقول ہے مگر یہ زیادہ بعید نہیں بلکہ ایک فطری امر ہے جو عادت کے مطابق ہے گو کسی درجہ میں عادت بھی ہے، اور حضور ﷺ پر مرد عاشق تھے جن میں بچے تھے، بوڑھے بھی، مردوں کا عاشق ہونا اور وہ بھی بچوں اور بوڑھوں کا فی نفسہٖ بھی بہت عجیب ہے۔

ایک عاشق صحابی فرماتے ہیں: ﴿رأیته صلی اللّٰه علیه وسلم لیلة فی حلة

حمراء والقمر طالع، وکنت اری القمر مرة والیٰ وجهه صلی اللّٰہ علیه وسلم فو اللّٰه کان وجههٗ احسن منه﴾ ''یعنی ایک رات میں نے حضور ﷺ کو سرخ دھاری دار جوڑے میں دیکھا، اس وقت چاند نکلا ہوا تھا تو میں کبھی حضور ﷺ کے چہرہ پر نظر کرتا، کبھی چاند کو دیکھتا۔ بخدا رسولِ اکرم ﷺ کا چہرہ مبارک چاند سے زیادہ خوبصورت تھا۔'' اسی کو شاعر نے عجیب لطیف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ ؎

گہے بسوئے تو گاہے بسوئے مہ می نگرم کند مقابلہ چوں کس کتاب را تنہا

''یعنی کتاب کے مقابلے کے لئے تو دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے میں تنہا کیونکر مقابلہ کروں۔'' ایک مرتبہ حضرت طلحہ صحابیؓ نے لڑائی میں اپنے ہاتھوں کو حضور ﷺ کا سپر بنایا تھا۔ کفار کے جتنے تیر آتے تھے وہ سب کو اپنے ہاتھ پر روکتے تھے، تاکہ حضور ﷺ کو کوئی تیر نہ لگنے پائے۔ یہ عشق نہ تھا تو اور کیا تھا؟ اس کے علاوہ صحابہؓ کی محبت کے واقعات کتابوں میں بکثرت موجود ہیں۔ بہت سے صحابہؓ نے حضور ﷺ کی محبت میں گھر بار چھوڑا، بیوی بچے چھوڑے، اپنے عزیزوں کو جب کہ وہ حضور ﷺ کے مخالف ہوئے بے دریغ قتل کیا، حتیٰ کہ خود اپنی جانیں رسولِ اکرم ﷺ پر نثار کر دیں اور سر کٹوائے۔ اسی حسن کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ؎

نواحی زلیخا لور ئین جبینه لاثرن بالقطع القلون علی الیدٖ

''یعنی حضور ﷺ کا حسن دل میں گھستا تھا اگر حضور ﷺ کو زنانِ مصر دیکھ لیتیں تو بجائے اپنے ہاتھوں کے دلوں کو چیر پھاڑ دیتیں۔ (بحوالہ اشرف الجواب)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے سچی محبت اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۴۸

رسولِ اکرم ﷺ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبلے کو تبدیل فرمادیا

قابل احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اڑتالیسویں خصوصیت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی چاہت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبلے کو تبدیل فرمادیا" بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے قبلے کو تبدیل فرمادیا، اور وہ بھی اس طرح کہ آپ ﷺ نماز کی حالت میں دل میں یہ سوچ رہے تھے کہ کاش ہمارا قبلہ بیت اللہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس خواہش کو پورا کرنے میں اتنی بھی تاخیر کو گوارا نہیں کیا کہ نماز مکمل ہوجائے، بلکہ عین نماز میں ہی اللہ تعالیٰ نے قبلے کی تبدیلی کا حکم فرمادیا، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، جبکہ دیگر انبیاءؑ میں سے کسی سے متعلق ایسی خصوصیت نہیں ملتی، اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ آپ ﷺ کی ایک خصوصیت تو یہ کہ آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق قبلے کو تبدیل کیا گیا، اور اسی طرح ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی القبلتین بنایا، چنانچہ اس دوسری خصوصیت کی تفصیل دیگر دو جلدوں میں سے کسی ایک میں آئے گی۔ انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ یارب العٰلمین۔

تو محترم قارئین لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

اڑتالیسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات میں یہ خصوصیت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اللہ

رب العلمین نے آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے قبلے کو تبدیل کر دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اصل میں مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد نبی کریم ﷺ تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے لیکن آپ کی دلی آرزو یہ تھی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا جائے جو کہ ملتِ ابراہیمی کا ایک حسّی اور ظاہری شعار تھا، آپ کی قدیمی آرزو کی تکمیل یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا حکم نازل فرمایا، تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد یوں تو مشرکوں اور منافقوں نے بھی بے بنیاد اعتراضات اُٹھائے لیکن اس معاملے میں یہود پیش پیش تھے وہ بظاہر بڑے تعجب سے لیکن حقیقت میں عناد کی بناء پر کہتے تھے کہ ''انہیں کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس کی طرف رخ کر کے یہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے'' چناچہ اللہ رب العلمین نے مشرکین کے ان اعتراضات کا جواب خود اپنے کلام میں ارشاد فرمایا جیسا کہ آپ آنے والے اوراق میں تفصیل سے پڑھیں گے انشاء اللہ۔

چنانچہ تحویلِ قبلہ سے متعلق تفصیل جاننے کے لیے ہم مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی مایہ ناز تفسیر معارف القرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں، امید ہے کہ انشاء اللہ یہ تفصیل پڑھ کر آپ ﷺ کی یہ عظیم خصوصیت مکمل وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آجائے گی اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ عطا فرمائے آمین۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں تحویلِ قبلہ سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا. قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (سورۃ بقرہ)

ترجمہ: ''یعنی اب کہیں گے بیوقف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ''

آیت تفسیر......اس آیت میں مخالفین کا اعتراض دربارہ تحویلِ قبلہ نقل کر کے اس کا جواب دیا گیا ہے، اس اعتراض اور جواب سے پہلے قبلہ کی حقیقت اور اس کی مختصر تاریخ سن لیجیے، جس سے سوال و جواب کا سمجھنا آسان ہوجائے۔

قبلہ کے لفظی معنی ہیں سمتِ توجہ، یعنی جس طرف رُخ کیا جائے، یہ ظاہر ہے کے مؤمن کا رُخ ہر عبادت میں صرف ایک اللہ اور وحدہ لاشریک لہٗ کی طرف ہوتا ہے، اور اس کی ذات پاک مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کی قیدوں اور سمتوں سے بالاتر ہے، وہ کسی خاص سمت میں نہیں، اس کا اثر طبعی خاص طور پر یہ ہوتا تھا کہ کوئی عبادت کرنے والا کسی خاص رُخ کا پابند نہ ہوتا، جس کا جس طرف جی چاہتا نماز میں اپنا رُخ اس طرف کر لیتا، اور ایک ہی آدمی کسی وقت ایک طرف اور کسی وقت کئی طرف رُخ کرتا تو وہ بھی بے جا نا ہوتا۔

لیکن ایک دوسری حکمتِ الٰہیہ اس کی مقتضی ہوئی کہ تمام عبادت گذاروں کا رُخ ایک ہی طرف ہونا چاہئے، اور وہ یہ ہے کہ عبادت کی مختلف قسمیں ہیں، بعض انفرادی ہیں، بعض اجتماعی، ذکر اللہ اور روزہ وغیرہ انفرادی عبادت ہیں جن کو جماعت واجتماع واعلان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، ان میں عبادت کے ساتھ مسلمانوں کو اجتماعی زندگی کے آداب کا بتلانا اور سکھلانا بھی پیشِ نظر ہے، اور یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ اجتماعی نظام کا سب سے بڑا بنیادی اصول افرادِ کثیرہ کی وحدت اور یک جہتی ہے، یہ وحدت جتنی زیادہ قوی سے قوی ہوگی اتنا ہی اجتماعی نظام مستحکم اور مضبوط ہوگا، انفرادیت اور تشتت اجتماعی نظام کے لیے سمِ قاتل ہے، پھر نقطۂ وحدت متعین کرنے میں ہر قرن ہر زمانہ کے لوگوں کی مختلف راہیں رہی ہیں، کسی قوم نے نسل اور نسب کو نقطۂ وحدت قرار دیا، کسی نے وطن اور جغرافیائی خصوصیات کو کسی نے رنگ اور زبان کو۔

لیکن دینِ الٰہی اور شرائع انبیاء علیہم السلام نے ان غیر اختیاری چیزوں کو نقطۂ وحدت بنانے کے قابل نہیں سمجھا، اور نہ درحقیقت یہ چیزیں ایسی ہیں جو پورے افرادِ انسانی کو کسی ایک مرکز پر جمع کر سکیں، بلکہ جتنا غور کیا جائے یہ وحدتیں درحقیقت افرادِ انسانی کو بہت سی کثرتوں میں تقسیم کر ڈالنے اور آپس میں ٹکراؤ اور اختلافات کے اسباب ہیں۔

دین اسلام نے جو جس حقیقت جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے وحدت کا اصل نقطہ فکر وخیال اور عقیدہ کی وحدت کو قرار دیا، اور کروڑوں خداؤں کی پرستش میں بٹی ہوئی دنیا کو

ایک ذاتِ حق وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی جس پر مشرق و مغرب اور ماضی مستقبل کے تمام افرادِ انسانی جمع ہو سکتے ہیں، پھر اس حقیقی فکری اور نظری وحدت کو عملی صورت اور قوت دینے کے لیے کچھ ظاہری وحدتیں بھی ساتھ لگائی گئیں، مگر ان ظاہری وحدتوں میں بھی اصول یہ رکھا گیا کہ وہ عملی اور اختیاری ہوں، تاکہ تمام افرادِ انسانی ان کو اختیار کر کے ایک رشتۂ اخوت میں منسلک ہو سکیں، نسب، وطن، زبان، رنگ وغیرہ اختیاری چیزیں نہیں ہیں جو شخص ایک خاندان کے اندر پیدا ہو چکا ہے وہ کسی طرح دوسرے خاندان میں پیدا نہیں ہو سکتا، جو پاکستان میں پیدا ہو چکا وہ انگلستان یا افریقہ میں پیدا نہیں ہو سکتا، جو کالا ہے وہ اپنے اختیار سے گورا، اور جو گورا ہے وہ اپنے اختیار سے کالا نہیں ہو سکتا۔

اب اگر ان چیزوں کو مرکزِ وحدت بنایا جائے تو انسانیت کا سینکڑوں اور ہزاروں ٹکڑوں اور گروہوں میں تقسیم ہو جانا ناگزیر ہوگا، اس لیے دینِ اسلام نے ان چیزوں سے جن سے تمدنی مفاد وابستہ ہیں ان کا پورا احترام رکھتے ہوئے ان کو وحدتِ انسانی کا مرکز نہیں بننے دیا، کہ یہ وحدتیں افرادِ انسانی کو مختلف کثرتوں میں بانٹنے والی ہیں، ہاں اختیاری امور میں اس کی پوری رعایت رکھی کہ فکری وحدت کے ساتھ عملی اور صوری وحدت بھی قائم ہو جائے، مگر اس میں بھی اس کا پورا لحاظ رکھا گیا کہ مرکزِ وحدت ایسی چیزیں بنائی جائیں جن کا اختیار کرنا ہر مرد و عورت لکھے پڑھے اور ان پڑھ شہری اور دیہاتی امیر و غریب کو یکساں طور پر آسان ہو، یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلام نے تمام دنیا کے لوگوں کو لباس اور مسکن، کھانے اور پینے کے کسی ایک طریقہ کا پابند نہیں کیا، کہ ہر جگہ کے موسم اور طبائع مختلف اور ان کی ضروریات مختلفہ ہیں، سب کو ایک ہی طرح کے لباس یا شعار یعنی یونیفارم کا پابند کر دیا جائے تو بہت سی مشکلات پیش آئیں گی، پھر اگر یہ یونیفارم کم سے کم تجویز کر دیا جائے، تو یہ اعتدالِ انسانی پر ظلم ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے عمدہ لباس اور عمدہ کپڑوں کی بے حرمتی ہوگی، اور اگر اس سے زائد کسی لباس کا پابند کیا جائے تو غریب مفلس لوگوں کو مشکلات پیش آئیں گی۔

اس لیے شریعتِ اسلام نے مسلمانوں کا کوئی ایک شعار (یونیفارم) مقرر نہیں کیا، بلکہ مختلف قوموں میں جو طریقے اور قسمیں لباس کی رائج تھیں ان سب پر نظر کر کے ان میں سے جو صورتیں اسرافِ بیجا یا فخر وغیرہ یا کسی غیر مسلم قوم کی نقالی پر مبنی تھیں، صرف ان کو ممنوع قرار دے کر باقی چیزوں میں ہر فرد اور ہر قوم کو آزاد اور خود مختار رکھا، مرکز وحدت ایسی چیزوں کو بنایا گیا جو اختیاری بھی ہوں اور آسان اور سستی بھی، ان چیزوں میں جیسے جماعت نماز کی صف بندی، ایک امام کی نقل وحرکت کی مکمل پابندی، حج میں لباس اور مسکن کا اشتراک وغیرہ ہیں۔

اسی طرح ایک اہم چیز سمتِ قبلہ کی وحدت بھی ہے، کہ اگرچہ اللہ جل شانہٗ کی ذات پاک ہر سمت و جہت سے بالاتر ہے، اس کے لیے شش جہت یکساں ہیں، لیکن نماز میں اجتماعی صورت اور وحدت پیدا کرنے کے لیے تمام دنیا کے انسانوں کا رُخ کسی ایک ہی جہت وسمت کی طرف ہونا ایک بہترین اور آسان اور بے قیمت وحدت کا ذریعہ ہے، جس پر سارے مشرق ومغرب اور جنوب وشمال کے انسان آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں، اب وہ ایک سمت و جہت کونسی ہو جس کی طرف ساری دنیا کا رُخ پھیرا جائے، اس کا فیصلہ اگر انسانوں پر چھوڑا جائے تو یہی ایک سب سے بڑی بناء اختلاف ونزاع بن جاتی ہے، اس لیے ضرور تھا کہ اس کا تعین خود حضرت حق جل وعلا شانہٗ کی طرف سے ہوتا، حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا گیا، تو فرشتوں کے ذریعہ بیت اللہ کعبہ کی بنیاد پہلے ہی رکھ دی گئی تھی، حضرت آدم اور اولادِ آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ اور خانۂ کعبہ بنایا گیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّ ضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَ كًا وَّ هُدًى لِّلعٰلَمِيْنَ ۔

''سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے برکت والا، ہدایت والا جہان والوں کے لیے''

نوح علیہ السلام تک سب کا قبلہ یہی بیت اللہ تھا، طوفانِ نوح علیہ السلام کے وقت پوری دنیا غرق ہو کر تباہ ہوگئی، بیت اللہ کی عمارت بھی منہدم ہوگئی اور ان کے بعد حضرت خلیل

اللہ اور اسمٰعیل علیہما السلام نے دوبارہ بحکم خداوندی بیت اللہ کی تعمیر کی، اور یہی ان کا اور ان کی امت کا قبلہ رہا، اس کے بعد انبیاء بنی اسرائیل کے لیے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا اور بقول ابوالعالیہ انبیاء سابقین جو بیت المقدس میں نماز پڑھتے تھے وہ بھی عمل ایسا کرتے تھے صخرہ بیت المقدس بھی سامنے رہے اور بیت اللہ بھی۔ (بحوالہ تفسیر قرطبی)

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نماز فرض کی گئی تو بقول بعض علماء ابتداً آپ ﷺ کا قبلہ آپ ﷺ کے جدّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ یعنی خانہ کعبہ ہی قرار دیا گیا، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے اور مدینہ طیبہ میں قیام کرنے کے بعد اور بعض روایات کے اعتبار سے ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ آپؐ بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنایئے، صحیح بخاری کی روایات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے سولہ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرمائی مسجد نبوی ﷺ میں آج تک اس کی علامات موجود ہیں، جہاں کھڑے ہوکر آپ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا فرمائی تھیں۔ (قرطبی)

حکمِ خداوندی کی تکمیل کے لیے تو سید الرسل ﷺ سرتاپا اطاعت تھے، اور حکمِ خداوندی کے مطابق نمازیں بیت المقدس کی طرف ادا فرما رہے تھے، لیکن آپ ﷺ کی طبعی رغبت اور دلی خواہش یہی تھی کہ آپ ﷺ کا قبلہ پھر وہی آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ قرار دے دیا جائے، اور چونکہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی مراد اور خواہش ورغبت کو پورا فرماتے ہیں اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ امید تھی کہ آپ ﷺ کی یہ تمنا پوری کی جائیگی، اور اس لیے انتظارِ وحی میں آپ ﷺ بار بار آسمان کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھتے تھے، اسی کا بیان قرآن کی اس آیات میں ہے: قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ.

''ہم دیکھ رہے ہیں آپ ﷺ کا بار ہا آسمان کی طرف نظر اُٹھانا، سو ہم آپ کا قبلہ وہی بدل دینگے جو آپ ﷺ کو پسند ہے اس لیے آئندہ آپ ﷺ نماز میں اپنا رُخ مسجد حرام کی

طرف کیا کریں"

اس آیت میں رسول کریم ﷺ کی تمنا کا اظہار فرما کر اس کو پورا کرنے کا حکم دیدیا گیا، کہ آئندہ آپ ﷺ مسجد حرام کی طرف رُخ کیا کریں۔

نماز میں خاص بیت اللہ کا استقبال ضروری نہیں اسکی سمت کا استقبال بھی بیرونی دنیا کے لئے کافی ہے یہاں ایک فقہی نکتہ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ اس آیت میں کعبہ یا بیت اللہ کے بجائے لفظ مسجد حرام کا استعمال فرمایا گیا، جس میں اشارہ ہے کہ بلا دبعیدہ کے رہنے والوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ عین بیت اللہ کی محاذات پائی جائے، بلکہ سمتِ بیت اللہ کی طرف رُخ کر لینا کافی ہے، ہاں جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے، یا کسی قریبی پہاڑ پر بیت اللہ کو سامنے دیکھ رہا ہے، اس کے لیے خاص بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے، اگر بیت اللہ کی کوئی چیز بھی اس کے چہرے کے محاذات میں نہ آئی تو اس کی نماز نہیں ہوتی، بخلاف ان لوگوں کے جن کے سامنے بیت اللہ نہیں کہ ان کے واسطے سمت بیت اللہ یا سمتِ مسجد حرام کی طرف رُخ کر لینا کافی ہے۔

بہر حال ہجرت مدینہ سے سولہ سترہ مہینے بعد آپ ﷺ کا اور مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ بنایا گیا اس پر یہود اور بعض مشرکین ومنافقین آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام پر اعتراض کرنے لگے ان کے دین کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں، ان کا قبلہ بھی روز روز بدلتا رہتا ہے۔

قرآن کریم نے ان کا یہ اعتراض آیت مذکورہ میں نقل فرمایا، مگر ساتھ ہی عنوان یہ رہا کہ بے وقوف لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، اور ان کی بے وقوفی اس جواب سے واضح ہوگئی جو اس کے بعد ذکر فرمایا گیا ہے، ارشاد ہے: قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ "یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے ہیں مشرق اور مغرب وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے"۔

اس میں استقبال قبلہ کی حقیقت کو واضح فرما دیا کہ کعبہ اور بیت المقدس کی کوئی خصوصیت بجز اس کے نہیں کہ حکم ربانی نے ان کو کوئی امتیاز دے کر قبلہ بنا دیا، وہ اگر چاہیں تو

ان دونوں کے علاوہ کسی تیسری چوتھی چیز کو بھی قبلہ بنا سکتے ہیں، پھر جس کو قبلہ بنا دیا گیا اس کی طرف رُخ کرنے میں جو کچھ فضیلت اور ثواب ہے اس کی روح حکم حق جل شانہ، کی اطاعت کے سوا کچھ نہیں، جو بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اصول ہے، اور اسی لئے دوسری آیت میں اور زیادہ واضح فرمایا کہ: لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ . وَ لٰكِنَّ الْبِرَّمَنْ اٰمَنَ بِا للّٰهِ. (بقرہ)

"اس میں ذاتی کوئی نیکی اور ثواب نہیں کہ تم مشرق کی طرف رُخ کرو یا مغرب کی طرف لیکن نیکی اللہ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے میں ہے۔"

اور ایک آیت میں فرمایا: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ "یعنی تم اللہ کے فرمان کے مطابق جس طرف بھی رُخ کرو اللہ تعالیٰ کی توجہ اسی طرف پاؤ گے۔"

ان آیات نے قبلہ اور استقبالِ قبلہ کی حقیقت کو بھی واضح فرمایا، کہ اس میں ان مقامات کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں، بلکہ ان میں خصوصیت پیدا ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے قبلہ بنانے کے لیے اختیار فرمالیا، اور اس کی طرف رُخ کرنے میں ثواب کی وجہ بھی صرف یہی ہے، کہ حکم ربانی کی اطاعت ہے، اور شاید آنحضرت ﷺ کے لیے قبلہ میں تغیر وتبدل فرمانے کی یہ بھی حکمت ہو کہ عملی طور سے یہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ قبلہ کوئی بت نہیں، جس کی پرستش کی جائے، بلکہ اصل چیز حکمِ خداوندی ہے وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا آ گیا تو اس کی تکمیل کی، پھر جب کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم مل گیا تو اسی کی طرف رُخ کرنا عبادت ہو گیا، اس کے بعد والی آیت میں خود قرآن کریم نے بھی اس حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ.

"یعنی جس قبلہ پر آپ پہلے رہ چکے ہیں اسکو قبلہ بنانا تو محض اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ کون رسول کریم ﷺ کا اتباع کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے"

اس حقیقتِ قبلہ کے بیان سے ان بے وقوف مخالفین کا بھی پورا جواب ہو گیا جو قبلہ

کے بارے میں تغیر وتحویل کو اصولِ اسلام کے منافی سمجھتے اور مسلمانوں کو طعنے دیتے تھے، آخر میں ارشاد فرمایا ' یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ . اس میں بتلادیا ہے کہ سیدھی راہ یہی ہے کہ انسان حکمِ حق جل شانہٗ کے لیے کمر بستہ منتظر رہے، جو حکم مل جائے اس پر بے چون وچرا عمل کرے اور یہ سیدھی راہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہلِ کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنے کا حکم ساری امتوں کو ملا تھا، یہود نے شنبہ وسنیچر کا دن مقرر کرلیا، اور نصاریٰ نے اتوار کا، اور حقیقت میں عنداللہ وہ جمعہ کا روز تھا، جو مسلمانوں کے انتخاب میں آیا، دوسرے وہ قبلہ جو تحویل کے بعد مسلمانوں کے لئے مقرر کیا گیا، اور کسی امت کو اس کی توفیق نہیں ہوئی تیسرے امام کے پیچھے آمین کہنا کہ یہ تینوں خصلتیں صرف مسلمانوں کو میسر ہوئیں اہلِ کتاب ان سے محروم ہیں ۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد اول)

تو محترم قارئین! واضح ہوا کہ ہمارے نبی ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے عین نماز کی حالت میں قبلے کو تبدیل فرمادیا، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی آپ ﷺ سے خاص محبت کی علامت ہے، ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ . دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا   عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

خصوصیت نمبر ۴۹

رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہونے پر عاشقانِ رسول نے بارہا اپنی جانیں کٹوائیں

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ انچاسویں خصوصیت شروع کی جاتی ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی ہونے پر عاشقانِ رسول ﷺ نے بارہا اپنی جانیں کٹوائی" بہر حال منجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امت بھی ایسی عظیم عطا فرمائی کہ جس میں ایسے ایسے عاشقانِ رسول پیدا ہوئے کہ جنہوں نے آپ ﷺ کی گستاخی پر اپنی جانیں کٹوادیں، دیگر انبیاء کی امتوں میں سے ایسے عاشقوں کے حالات اور واقعات ہمیں نظر نہیں آتے تو معلوم ہوا کہ صرف آپ ﷺ کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی ذراسی گستاخی بھی برداشت نہیں کی جاتی، اور ایسے گستاخوں کو کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے، چاہے اس کے نتیجے میں تختۂ دار پر کیوں نہ چڑھنا پڑ جائے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ اسی طرح کے کچھ عاشقانِ رسول کا تذکرہ پڑھیں گے انشاء اللہ، جس سے آپ کا ایمان بھی تازہ ہوگا اور دل میں حضور ﷺ کی محبت میں بھی اضافہ ہوگا انشاء اللہ۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العٰلمین۔

اونچاسویں خصوصیت کی وضاحت

ربِ کائنات کی اس دھرتی پر محمد عربی ﷺ کی ذاتِ گرامی ایک ایسی ہستی ہے، جس

سے محبت، والہیت، عقیدت، وارفتگی اور عشق عین ایمان ہے۔ عشق رسول ﷺ نعمت بھی ہے اور قوت بھی،، دولت بھی اور حشمت بھی، شوکت بھی ہے اور صولت بھی، عشق محمد عربی ﷺ غیرت بھی ہے اور حمیت بھی، عصمت بھی ہے اور عفت بھی، ایثار بھی ہے اور وفا بھی، مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں۔

نماز اچھی، روزہ اچھا، زکوٰۃ اچھی، حج اچھا
مگر میں باوجود اس کے مسلمان ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

جناب رسول ﷺ سے محبت ایمان کے تقاضوں میں سے ایک بنیادی تقاضہ ہے۔ کتابوں وسنت کے اسرار سے زیادہ واقف اور دین کے تقاضوں سے سب سے زیادہ باخبر جماعت حضرات صحابہ کرامؓ کی تھی۔ وہ اچھی طرح اس حقیقت سے باخبر تھے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت، عقیدت، احترام اور وارفتگی کا کیا مقام ہے۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کتنی محبت ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا، آپ ﷺ ہم کو مال و دولت، ماں باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب تھے۔ ایک صحابی رسولؐ کے متعلق روایات میں ہے کہ جب انہیں اطلاع ملی کہ سرور کائنات ﷺ دنیا سے رخصت، ہو گئے تو اس صحابی رسول نے وہیں کھڑے کھڑے دعا کی! اے اللہ مجھ سے میری بینائی چھین لے کہ میں سرور کائنات کے جلوہ جہاں آرا کے بعد دنیا کی کوئی چیز دیکھنا نہیں چاہتا۔ زکی کیفی مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

چھین لے مجھ سے نظر اے جلوہ خوش روئے دوست
میں کوئی محفل نہ دیکھوں اب تیری محفل کے بعد

صحابہ کرامؓ نے حُبّ نبوی ﷺ کو حرز جان بنالیا تو ان کی مقدس زندگیوں کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک لمحہ عشق رسالت کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ جناب رسول ﷺ جب وضو

فرماتے تو صحابہ آپ کا استعمال شدہ پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے۔ آپ ﷺ تھوکتے تو آپ ﷺ کا لعاب مبارک حاصل کرنے کے لیے صحابہ لپکتے، آپ ﷺ کا کوئی موئے مبارک جسم سے جدا ہوتا تو یہ مبارک ہستیاں اسے فوراً اٹھا لیتیں۔ عشق رسول ﷺ کی یہ انمول دولت ہی تو تھی جو صحابہ کو میسر آئی تو وہ دنیا کے ہادی اور راہبر بن گئے ؎

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا   دل کو روشن کردیا، آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے   وہ کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

ایک اور شاعر نے اسی مفہوم کو اپنے شاعرانہ انداز میں یوں بیان کیا ہے ؎

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذروں کو   ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہوکر

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی فرماتے تھے، ہر انسان آکسیجن سے سانس لیتا ہے ،لیکن مسلمان کی سانس کا دوسرا نام عشق رسول ہے۔ ہر انسان پانی پی کر جیتا ہے لیکن مسلمان حُب رسول کی آب وہوا میں زندہ رہتا ہے، ہر انسان آنکھ سے دیکھتا ہے، لیکن مسلمان کی آنکھ کا سرمہ خاکِ مدینہ ونجف ہے، ہر انسان کے پہلو میں دل دھڑکتا ہے، لیکن ایک مسلمان کے دل کی دھڑکن یادِ رسول ہے، ہر انسان اپنی عزت وناموس کی فکر میں رہتا ہے، لیکن مسلمان اپنی جان کو حرمت رسول پر لُٹا دینے کو اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے، تحفظ ناموس رسالت ہر صاحب ایمان کے دل کی آواز اس کی عقیدت کا اعزاز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے عشق، والہیت، محبت اور عقیدت ایک مسلمان کی متاع حیات ہے ؎

اک عشق مصطفیٰ ہے اگر ہو سکے نصیب   ورنہ دھرا ہی کیا ہے جہان خراب میں

ہر مسلمان اپنے آقا ومولا ﷺ کی عزت وتوقیر پر قربان ہونا ایمان کی بنیاد اور زندگی کی معراج سمجھتا ہے۔ مسلمانوں نے محبتِ رسول ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کی ایسی روشن مثالیں رقم کیں، جن کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ یہ عشقِ رسول ہی کا اعجاز تھا کہ مسلمانوں نے دشمنان رسول سے ٹکر لی۔ انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں سے ناموسِ رسالت کی خاطر مقابلہ کیا۔ بھوک اور پیاس کو برداشت کیا۔ جیلوں کو آباد کیا، پیروں

میں بوجھل زنجیریں پہنیں، ہاتھوں کو بیڑیوں سے سجایا، جسم پر کوڑوں کی ضربیں سہہ لیں، موت کا مسکرا کر استقبال کیا، پھانسی کے پھندے کو چوم کر گلے کا ہار بنایا، لیکن عشقِ رسول ﷺ سے باز نہ آئے۔ ذیل میں ہم کچھ ایسے ہی دیوانوں، عاشقوں میں سے بطورِ نمونہ کے کچھ سچے عاشقانِ رسول کا تذکرہ پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

عاشقِ رسول غازی علم الدین شہید رحمہ اللہ کا واقعہ

رحمان مذنب صاحب راوی ہیں کہ: غازی علم الدین ۴ر دسمبر ۱۹۰۸ء کو متوسط طبقے کے ایک شخص طالع مند کے گھر (لاہور) میں پیدا ہوئے۔ یہ ان کے دوسرے بیٹے تھے۔ نجاری پیشہ تھا۔ عزت سے دن گزر رہے تھے۔ ایسے نامور نہ تھے، اپنے محلے تک ان کی شہرت محدود تھی یا پھر لاہور سے باہر جا کر کہیں کام کرتے تو محنت، شرافت اور دیانتداری کی بدولت مختصر سے حلقے میں اچھی نظر سے دیکھے جاتے۔ زندگی اس ڈھب کی تھی ؎

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے   زندگی یونہی تمام ہوتی ہے

اس زمانے میں مسجد محلے کے بچوں کی ابتدائی درسگاہ تھی۔ طالع مند نے بھی اپنے بیٹے علم الدین کو مسجد میں بھیجا تاکہ قرآن مجید پڑھے۔ علم الدین نے کچھ دن وہاں گزارے تعلیم حاصل کی، لیکن وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ قدرت کا کوئی راز تھا، ان سے ایسا کام لیا جانا تھا، جو عمل کی دنیا میں تعلیم سے بڑھ کر تھا، بلکہ تعلیم کا مقصود تھا۔ ان میں منجانب اللہ ایسا جوہر مخفی تھا، جسکے بچے کو خبر نہ تھی، لیکن اس جوہر نے آگے چل کر وہ کام کر دکھایا، جس سے انہیں "تب وتاب جاودانہ" میسر آئی۔ اس کام کا کوئی بدل نہ تھا۔ طالع مند کے دو بیٹے تھے، محمد دین اور علم الدین۔ دونوں میں بڑا پیار تھا، علم الدین والد کے ساتھ کبھی باہر جاتا تو محمد دین کو قلق ہوتا۔

ایک دفعہ محمد دین نے علم الدین کے بارے میں ایک پریشان کن خواب دیکھا کہ علم الدین زخمی ہے۔ محمد دین بے چین ہوا اور چھوٹے بھائی کی خیریت معلوم کرنے سیالکوٹ

پہنچا۔ دونوں بھائیوں کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جب محمد دین اپنے والد کے ٹھکانے پر پہنچا، تو علم الدین چارپائی پر بیٹھا تھا، بھائی کو دیکھتے ہی علم الدین اچھل پڑا۔ شدتِ جذبات سے دونوں بھائی بغل گیر ہو گئے۔ محمد دین نے دیکھا کہ علم الدین واقعی زخمی ہے۔ ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ ہاتھ پر شیشہ لگا تھا، لیکن زخم گہرا نہیں تھا۔ اگلے دن محمد دین واپس لاہور آ گئے۔

علم الدین نے بچپن میں بعض ایسے واقعات دیکھے، جن کے نقوش ان کے دماغ پر ثبت ہوئے اور ان کی کردار سازی میں کام آئے۔ علم الدین ایک سال تک والد کے ساتھ کوہاٹ میں رہے۔ یہ علاقہ غیور اور بہادر پٹھانوں کا ہے پٹھانوں کا یہ وصف ہے کہ جو ان سے نیکی کرے وہ اسے بھلاتے نہیں۔ یاد رکھتے ہیں بڑے مخیّر طبع اور متواضع لوگ ہیں۔ محسن کو قرار واقعی صلہ دیتے ہیں، جان تک نثار کر دیتے ہیں۔ علم الدین کے والد نے کوہاٹ جا کر رہنے کے لیے مکان کرائے پر لیا، جس کا مالک اکبر خان نامی پٹھان تھا۔ طالع مند ایک دن کام میں مصروف تھے کہ کسی نے آ کر بتایا کہ ان کے مالک مکان اکبر خان کا بھائی سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ اس کا بھائی شدید زخمی ہو گیا ہے اور اس کی رپورٹ پر پولیس نے اکبر خان کو گرفتار کر لیا ہے۔

اکبر خان کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی طالع مند نے کام چھوڑا اور اکبر خان کی مدد پر جانے کو تیار ہو گئے۔ طالع مند کے ایک ساتھی روشن خان نے حیرانی سے پوچھا، طالع مند! تمہاری اکبر خان کے ساتھ کوئی رشتہ داری ہے، جو یوں کام چھوڑ کر جا رہے ہو؟ طالع مند نے کہا میں اس کا کرایہ دار ہوں، وہ میرا محسن ہے، اگر خوشی کے وقت وہ مجھے نہیں بھول سکتا تو پھر میں مصیبت کی گھڑی میں اس کی خیر خبر نہیں لے سکتا۔

روشن خان اور طالع مند دونوں ساتھ چل پڑے اور دونوں کی کوشش سے اکبر خان پولیس کی گرفت سے چھوٹ گیا۔ اس واقعہ کا اکبر خان پر یہ اثر ہوا کہ طالع مند کی ضد اور اس کے اصرار کے باوجود اکبر خان نے ایک سال تک اس سے کرایہ وصول نہیں کیا۔ جب طالع مند واپس لاہور آئے تو اکبر خان نے پیار کی نشانی کے طور پر باپ بیٹے کو ایک ایک چادر بھی

دی۔

جب ہندو مصنف راج پال نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے رنگیلا رسول نامی کتاب لکھی تو اس کی اشاعت سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہر مسلمان کے دل میں ناموسِ رسالت ﷺ پر قربان ہونے کی امنگ بھر گئی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے جذبات کے پیش نظر راج پال کے خلاف مقدمہ دائر کیا، لیکن عدالت نے اسے بری کر دیا۔ غازی علم الدین ان تمام حالات سے بے خبر تھے۔ ایک روز حسب معمول کام پر گئے ہوئے تھے۔ غروب آفتاب کے بعد گھر واپس جا رہے تھے، تو دلی دروازے میں لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ ایک جوان کو تقریر کرتے دیکھا تو رُکے۔ کچھ دیر کھڑے سنتے رہے، لیکن کوئی بات پلے نہ پڑی تو قریب کھڑے ایک صاحب سے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا مسئلہ ہے؟ تو انہوں نے علم الدین کو بتایا کہ ایک ہندو راجپال نے ہمارے نبی کریم ﷺ کیخلاف کتاب چھاپی ہے۔ ان کے خلاف تقریر ہو رہی ہے۔ وہ دیر تک تقریر سنتے رہے، علم الدین کی زندگی کے تیور ہی بدل گئے، پھر ایک دفعہ غازی علم الدین نے خواب دیکھا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں، علم الدین جلدی کرو، راجپال تمہارے ہی ہاتھوں قتل ہوگا۔ قدرت نے یہ سعادت تمہارے ہی مقدر میں لکھی ہے۔

غازی علم الدین نے صبح ہوتے ہی تیز دھار چھری خرید لی اور سیدھا راجپال کی دکان پر پہنچے اور پوچھا کے راج پال کہاں ہے؟ اس نے کہا میں ہی راجپال ہوں۔ غازی علم الدین نے وہی چھری اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ اس کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی اور وہ فرش پر اوندھے منہ گر گیا۔ راج پال کو قتل کرنے کے بعد غازی بڑے اطمینان سے قریبی نل پر گئے اور چھری کو اس ملعون کے ناپاک خون سے صاف کیا۔

ابھی پانی پینے ہی والے تھے کہ ایک شور ان کے کانوں میں پڑا۔ راج پال قتل ہو گیا، قاتل کو پکڑو، جانے نہ پائے۔ شور مچانے والے سب ہندو تھے، ان کے ہاتھوں میں برچھیاں اور لاٹھیاں تھیں، لیکن وہ سب غازی کے قریب آ کر خود بخود رُک گئے۔ یہ صورت

حال دیکھ کر غازی علم الدین مسکرا دیئے۔

غازی علم الدین کے والد گرامی طامع مند نے اپنے بیٹے کے اس کارنامے پر یوں اظہار مسرت فرمایا۔ اگر یہ کام میرا بیٹا نہ کرسکتا تو مجھے دُکھ ہوتا۔ والدہ محترمہ نے فرمایا، اگر میرے سات لڑکے ہوتے اور وہ اس طرح تحفظ ناموسِ رسالت کے لیے قربان ہو جاتے تو میں زیادہ خوش ہوتی۔

غازی نے خود کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ راج پال کی نعش میو ہسپتال بھجوادی گئی۔ اس کے قتل کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی۔ رات گئے تک اخبارات کے ضمیمے فروخت ہوتے رہے۔ ہندو ہسپتال کے باہر جمع ہو گئے۔ مسلمان بھی پولیس اسٹیشن کے باہر غازی علم الدین کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ مسلمان اخبارات کا مطالبہ تھا کہ غازی علم الدین کو رہا کر دیا جائے، کیونکہ اس نے حرمتِ رسول کی پاسداری کی ہے۔

غازی علم الدین پر مقدمہ چلتا رہا، ہر عدالت نے انہیں سزائے موت کا حکم سنایا۔ علامہ اقبال اور محمد علی جناح نے انہیں بچانے کی سر توڑ کوشش کی۔ لیکن سزائے موت کا حکم برقرار رہا۔ ایک دفعہ کسی نے غازی سے کہا کہ تم اقبال فعل نہ کرو، تو آپ نے جواب دیا، تم لوگ مجھے جامِ شہادت سے محروم رکھنا چاہتے ہو، میں تو ہر جگہ یہ اعلان کروں گا کہ راج پال کو میں نے قتل کیا ہے۔ ایک جان کی کیا بات ہے، اگر مجھے دس جانیں مل جائیں تو میں وہ بھی ناموسِ رسالت کی پاسداری پر قربان کروں گا۔ یہ قتل میرے نامہ اعمال کا اعزاز ہے اور میں اس اعزاز سے محروم ہو کر حضور ﷺ کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

میانوالی شہر میں ایک مجذب رہتا تھا، جو کسی سے بھی بات نہیں کرتا تھا، جب غازی علم الدین میانوالی جیل میں منتقل ہوئے۔ اس رات وہ مجذب گلی کوچوں میں دوڑتا پھرتا تھا اور بلند آواز میں نعرے لگاتا لوگو! تمہیں مبارک ہو، تمہارے پاس ایک عاشقِ رسول ﷺ آ رہا ہے۔ وہ رات اس مجذوب نے یوں گزاردی، پھر غائب ہو گیا۔

جب جیل میں غازی علم الدین کو پھانسی کا حکم سنایا گیا تو ان کے جسم میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ چہرہ تمتما اٹھا اور وہ یہ شعر گنگنانے میں محو ہو گئے ؎

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول ﷺ میں اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

پھانسی کی سزا سننے والا شخص جتنا بھی دلیر ہو پھانسی کی سزا کا اعلان ہو جانے کے بعد اس کا وزن ضرور گھٹتا ہے، بڑھتا نہیں لیکن عاشق رسول ﷺ غازی علم الدین کا وزن ۲۲ رمئی ۱۹۲۹ء کو ۱۲۸ پونڈ تھا اور شہادت کے دن ان کا وزن ۱۴۰ پونڈ کے قریب تھا۔ یہ دنیا کی انوکھی مثال ہے۔

۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء بروز جمعرات میانوالی جیل ہی میں اس مردِ مجاہد کو تختہ دار پر چڑھانے کا اہتمام کر لیا گیا۔ آپ نے دو نوافل ادا کئے اور بڑے اطمینان اور وقار کے ساتھ تختہ دار کی طرف بڑھے اور پھندے کو چومتے ہوئے خوشی سے زیب گلو کر لیا اور درود و سلام پڑھتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر کے حیاتِ جاوداں پا گئے ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

علامہ اقبال نے جب جنازے کی کیفیت دیکھی اور شہید کے چہرے کی زیارت سے فیضیاب ہوئے، تو فرمانے لگے، "اسیں گلاں ای کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا" (یعنی ہم باتیں کرتے رہے ترکھان کا بیٹا ہم سے بازی لے گیا) غازی علم الدین کو لاہور میں چوبرجی کے بالکل نزدیک میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا ؎

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی رقمطراز ہیں، غازی علم الدین کا مقسوم دیکھئے! نہ چلہ کیا نہ مجاہدہ، نہ حج کیا، نہ عمرہ کیا، نہ دیر میں نقشہ کھینچا نہ حرم کا مجاور بنا، نہ مکتب میں داخلہ لیا نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا، نہ کنز و قدوری کھول کر دیکھی، نہ رازی و کشاف کا مطالعہ کیا، نہ حزب البحر کا ورد کیا، نہ اسم اعظم کا وظیفہ پڑھا، نہ علم و حکمت کے خم و پیچ میں الجھا، نہ کسی حلقہ تربیت

میں بیٹھا، نہ کلام و معانی سے واسطہ رہا، نہ فلسفہ و منطق سے آشنا ہوا، نہ مسجد کے لوٹے بھرے، نہ تبلیغی گشت کیا، نہ کبھی شیخی بگھاری، نہ کبھی شوخی دکھائی، اسے پاکبازی کا ضبط نہیں، محبوب حجازی سے ربط تھا، وہ تسبیح بدست نہیں، مست مئے الست تھا، وہ مسند آراء نہیں، فقیر سر راہ تھا۔

جس زمانے میں یہ رسوائے زمانہ کتاب لکھی اور چھاپی گئی، شہر لاہور میں ظاہر ہے حق ہو کے زلزلے ہوں گے، علم و فضل کے چرچے ہوں گے، تقریر و تحریر کے ہم ہمے ہوں گے، وعظ نصیحت کے غلغلے ہوں گے، ادیبوں اور خطیبوں کے طنطنے ہوں گے، لیکن شاتمِ رسول کو اسفل السافلین میں پہنچانے کی سعادت کسی صوفی باصفا، کسی امام ادب و انشا، کسی خطیب شعلہ نوا اور کسی سیاسی رہنما کے حصے میں نہیں آئی بلکہ ایسے مزدور کو ملی جو ممتاز دانشور نہیں معمولی کاریگر تھا، جس کی پیشانی پر علم و فضل کے آثار نہیں، ہاتھوں میں لوہے کے اوزار تھے، خدا معلوم وہ نمازی تھا یا نہیں، لیکن صحیح معنوں میں غازی نکلا، وہ کلاہ و دستار کا آدمی نہیں تھا، مگر بڑے کردار کا حامل بن گیا۔

غازی علم الدین نے فن تجوید و قرأت سیکھا، نہ عربی فارسی پڑھی، نہ رومی کی مثنوی دیکھی، نہ زمخشری کی کشاف پڑھی، نہ دین کے اسرار و رموز سمجھے، مگر ایک راز اس پر ایسا کھلا کہ مقدر کے بند کواڑ کھل گئے۔ قسمت کا دریچہ کیا کھلا کہ جنت کے دروازے کھل گئے، یہ عقل خودبین کا کرشمہ نہیں، عشقِ خدا بین کا معجزہ تھا کہ کل تک دکان پر ٹھک ٹھک کرنے والا علم الدین آج کروڑوں مسلمانوں کے سینے میں دل بن کر دھک دھک کر رہا ہے۔

عاشقِ رسول ﷺ غازی عبداللہ شہید کا واقعہ

سلطان نور الدین زنگی کے بعد صوفی عبداللہ شاید وہ دوسری خوش نصیب ہستی ہے، جسے خود رسول کریم ﷺ نے اپنے گستاخ کو واصل جہنم کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ قسمت کی بات ہے کہ زنگی صاحب شوکت و حشمت حکمران تھے اور صوفی عبداللہ ایک فقیر اور درویش جو کپڑا بن کر اپنی گزران کرتے تھے۔ صوفی عبداللہ پیشے کے لحاظ سے ایک معمولی جولاہے تھے،

مگر دنیائے صدق وصفا میں جس سکے کی مانگ ہے اس سے صوفی عبداللہ کا دامن بھی یقیناً اتنا ہی مالا مال تھا جتنا صدیوں پہلے بادشاہ وقت نورالدین زنگی کا چنانچہ حضور رسالت مآب ﷺ کی ایک ہی نظرِ التفات نے ایک فقیر بے نوا کو شاہِ وقت کے برابر لا کھڑا کیا، جس طرح خواب میں سلطان نورالدین زنگی کو ارشاد فرمایا گیا تھا۔

زنگی! دیکھو دو کتے سرنگ کھود کر میری قبر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جلد مدینے پہنچو اور ان کتوں کی خبر لو۔ صدیوں بعد تقریباً ایسے ہی کام کے لیے پورے برصغیر کے مسلمانوں میں سے ایک فقیر بے نوا کو چنا گیا اور خواب میں اسے بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے فرمان عطا کیا گیا کہ عبداللہ جاؤ، فلاں گاؤں پہنچو اور میرے شاتم کی خبر لو۔

صوفی عبداللہ نے ایک رات خواب میں دیکھا، حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا عبداللہ یہ مرتد مجھے دُکھ پہنچا رہا ہے۔ اس کی زبان بند کر دو۔ اتنا فرما کر حضور تشریف لے گئے۔ صوفی عبداللہ کی آنکھ کھل گئی، جس وقت اسے باعث صد افتخار مہم کے لئے دربار رسالت سے حکم ملا تو عمر تیس بتیس سے تجاوز نہ تھی۔ اس واقعے کی تفصیل پروفیسر افضل حسن نے یوں نقل کی ہے:

غازی صوفی عبداللہ کا تعلق جولاہا قوم سے تھا۔ وہ موضع پٹی تحصیل و ضلع قصور کا رہنے والا تھا۔ چک نمبر ۲۴ تھانہ خانکاہ ڈوگراں تحصیل و ضلع شیخوپورہ میں اس کا پیر خانہ تھا مذکورہ چک کی ملحقہ آبادی چک نمبر ۲۴ چھوٹی میں ایک بدبخت نور محمد کاہلوں رہتا تھا، جو قریب کے ایک گاؤں موضع ہرنالہ کی ایک عورت کے دام فریب میں پھنس کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا تھا۔ مذکورہ عورت سے شادی کرنے کی خاطر مرتد ہو کر اس نے سکھ مذہب اختیار کر لیا اور چلچل سنگھ نام رکھ لیا۔ چلچل سنگھ نے حق کو کیا چھوڑا، اس کے اندر بھری ہوئی خباثتیں باہر اُمڈ آئیں۔ سکھوں کے اکسانے پر وہ جگہ جگہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی شان میں دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی کرنے لگا۔ گاؤں کی تقریباً ساری آبادی سکھوں پر مشتمل تھی جو بے حد مالدار، ثروت مند، خوشحال اور حکومت میں اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ ادھر مسلمانوں کے صرف چند

گھر آباد تھے، وہ بھی ضعیف و نادار اور نہایت کمزوری و غریبی کی حالت میں تھے اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

جب صوفی عبداللہ کو خواب میں حضور ﷺ کا حکم ملا تو وہ اٹھا اور کسی کو بتائے بغیر مرتد و مردود سکھ کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبداللہ بادۂ عشقِ رسول ﷺ سے سرشار حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں چلا جا رہا تھا۔ اسے نہ سکھوں کی کثرت اور طاقت کی پرواہ تھی اور نہ اپنی بے چارگی و کم مائیگی کا احساس و خیال۔ بس ایک ہی دُھن اس کے سر پر سوار تھی کہ وہ کسی طریقے سے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان بجا لائے اور آخرت میں سرخرو ہو جائے۔

صوفی عبداللہ اسی دُھن میں کھویا ہوا سکھوں کے اس گاؤں میں جا پہنچا۔ صبح کا وقت تھا۔ چلچل سنگھ کے بارے میں دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ گاؤں سے باہر کنویں پر ہے، صوفی عبد اللہ نے کنویں کا رُخ کر لیا۔ چلچل سنگھ کنویں پر بیٹھا تھا، بہت سے سکھ قریبی کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے۔ غازی عبداللہ نے انکے پاس جا کر پوچھا مجھے چلچل سنگھ سے ملنا ہے۔ ادھیڑ عمر کے ایک سکھ نے اشارہ سے بتایا، وہ سامنے بیٹھا ہے۔ پس عبداللہ چیتے کی سی تندی و تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اسے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ چلچل اس ناگہانی افتاد سے سنبھلتا، صوفی عبداللہ نے اسے لٹا کر چھری اس کی گردن پر پھیر دی۔

چلچل سنگھ خاصا ہٹا کٹا اور موٹا تازہ تھا، لیکن ادھر عشقِ نبی ﷺ کی قوت کارفرما تھی۔ لہٰذا اس کی مضبوط گردن دیکھتے ہی دیکھتے کٹ گئی۔ غازی عبداللہ نے چھری زمین پر رکھ دی - اور خود بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر بجا لایا، جس نے اسے اپنے حبیب و محبوب ﷺ کا حکم ماننے کی توفیق بخشی، پھر اٹھ کر بھاگ نہیں نکلا، بلکہ بڑے اطمینان کے ساتھ وہیں بیٹھ گیا۔

جب کہ ایم اے حکیم ایڈووکیٹ نے اس واقعہ میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب عبد اللہ نے چلچل سنگھ کو جہنم رسید کیا، تو اس کی چہیتی بیوی (جس کے عشق میں اس نے سکھ مذہب قبول کیا تھا) بھی کام کر رہی تھی، عبداللہ نے اسے بھی للکارا تو وہ بھاگ نکلی، مگر عبداللہ نے

اسے کچھ فاصلے پر جالیا اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے چلچل سنگھ کے قریب لاکر ذبح کر دیا۔

ایک عجیب عالم تھا۔ بدباطن چلچل سنگھ کی گردن کٹی پڑی تھی اور وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ قاتل چند قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا، مگر کسی سکھ کو اس کے قریب آنے کی ہمت نہ تھی۔ کچھ سکھوں نے بھاگم بھاگ اس سانحہ کی اطلاع پولیس کو دی۔ پولیس آئی تو اس وقت بھی غازی عبداللہ بے حد اطمینان سے چلچل سنگھ کی لاش کے قریب بیٹھا ہوا تھا، جیسے پولیس کے انتظار میں ہو۔ پولیس کے سپاہی یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو گئے۔ حیران ہو کر سکھوں سے پوچھا، یہ اکیلا آدمی تھا اور تم ڈھیر سارے۔ تعجب یہ ہے کہ چلچل سنگھ کو تم پھر بھی قتل ہونے سے نہ بچا سکے۔ بلکہ اس کے قریب آنے کی ہمت بھی نہ کر سکے۔ اس پر ان کا جواب اور بھی حیران کن تھا۔ وہ کہنے لگے یہ اکیلا کہاں تھا، اس کے ساتھ مسلح جم غفیر تھا، جس کی وجہ سے ہمیں نہ قتل سے پہلے اس کی طرف بڑھنے کی جرأت ہوئی، نہ قتل کے بعد اس کے قریب پھٹکنے کی ہمت پڑی۔ جب غازی عبداللہ سے پولیس افسر نے دریافت کیا ”کیا واقعی تمہارے ساتھ کوئی مسلح گروہ تھا، تو اس نے نفی میں جواب دیا، پھر ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی“۔

غازی عبداللہ کو قتل عمد کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور عدالتی کارروائی کی گئی۔ غازی و مجاہد کی طرف سے مقدمے کی پیروی شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے کی۔ غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم کی طرح عبداللہ سے بھی کہا گیا کہ اقبالِ جرم سے انکار کر دو، تو سزا سے بچ سکتے ہو، مگر عبداللہ کا جواب وہی تھا جو پہلے دو غازیوں اور شہیدوں کا تھا کہ اس طرح تم مجھے بارگاہِ رسالت ونبوت میں حاضری سے محروم کرنا چاہتے ہو، جو مجھے ہرگز منظور نہیں اور پھر یہ کہ اس جرم سے کیسے انکار کروں، جس پر مجھے فخر وناز ہے اور جو میری مغفرت وبخشش کے لیے میری زندگی کا سب سے بڑا نیک عمل ہے۔ چنانچہ غازی عبداللہ کے نصیبوں میں چونکہ شہادت اور دربارِ رسالت میں فوری حاضری لکھی تھی، اس لیے فیصلہ

سنایا تو غازی کا چہرہ بشاشت سے چمک اٹھا اور جب اسے پھانسی کے تختے کی جانب لے کر گئے تو وہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا ؎

جان دی، دی ہوئی اس کی تھی　　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(شہیدانِ ناموسِ رسالت)

عاشقِ رسول غازی عبدالقیوم شہیدؒ کا واقعہ

سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں کہ ''یہ اوائل ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے کہ آریہ سماج حیدر آباد سندھ کے سیکرٹری نتھو رام نے ''تاریخِ اسلام کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں سرکارِ دوعالم کی شان اقدس میں سخت دریدہ دہنی مظاہرہ کیا۔ مسلمانوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا، انہوں نے شدید احتجاج کیا، جلسے کئے، جلوس نکالے۔ مولانا عبدالحمید سندھی اور دوسرے مسلمان لیڈروں نے نتھو رام کے خلاف حیدر آباد میں استغاثہ دائر کیا۔ نتھو رام پر مقدمہ چلا۔ حکومت نے کتاب کو ضبط کرلیا اور ملزموں کو معمولی جرمانے کے ساتھ ایک سال کی قید کی سزا سنائی گئی۔ اس نے جوڈیشنل کمشنر کی عدالت میں سزا کے خلاف اپیل دائر کی۔ عدالت سے اس کی ضمانت بھی منظور ہوگئی۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اس وقت مسلمانوں کے جو جذبات مشتعل تھے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ غازی عبدالقیوم نے نتھو رام کی خرافات کا ذکر سنا تو اس کی غیرتِ ایمانی بھڑک اُٹھی''۔

رائیکمال اس کے صراحت یوں کرتے ہیں۔ ''یہ بات سننے پر غازی عبدالقیوم شہیدؒ نے پوچھا کہ ''سندھ میں اس قدر مسلمان ہیں، مگر اس بدزبان کو کسی نے نہیں پوچھا کہ سرورِ کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی تجھے کس طرح جرأت ہوئی؟ کیا ہم اس قدر بے غیرت ہو چکے ہیں؟'' اس کے بعد آپ نے کہا، میرے پاس چھوٹا چاقو ہے، میں اسے توڑتا ہوں اور اس مردار کے لیے ایک بڑا چاقو خریدوں گا''۔ چاقو خریدنے پر شہبازِ محبت نے اپنی رفیقۂ محترمہ سے کہا ''میں نے یہ تیز دھار آلہ خاص نتھو رام کے لیے حاصل کیا ہے دعا کرو

اللہ مجھے اس سے عدالت میں ہی ملوائے اور میں مردود مذکور اور اس کے کارندوں کو بتادوں کہ میرے رسول ﷺ کی عظمت اور تقدیس میں یاوہ گوئی کا فیصلہ انگریز کی عدالت سے نہیں کسی غیرت مند مسلمان کے خنجر کی نوک سے ممکن ہے۔

بتایا جاتا ہے کہ عبدالقیوم نے جو بعض دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدالت میں نتھو رام کے قریب بیٹھا ہوا تھا، چاقو نکالا اور نتھو رام کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ نتھو رام چلایا ایک اجنبی شخص آگے بڑھا اور حملہ آور کو پکڑ لیا، مگر عصمتِ نبی کا محافظ غصے میں تھا، اس نے خود کو چھڑا کر اپنا چاقو مردود مذکور کے شکم میں اتار دیا۔ نتھو رام بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے زخم سے خون بہہ رہا تھا، مضروب کی حالت نازک تھی۔ اس کو سول ہسپتال پہنچایا گیا، لیکن علاج معالجے سے قبل ہی وہ فنافی النار ہو چکا تھا۔ غازی عبدالقیوم شہیدؒ نے اس بد زبان گستاخ کو عین دوپہر کے وقت کمرۂ عدالت میں کیفر کردار تک پہنچایا اور پولیس کے سامنے برملا فرمایا کہ ''نتھو رام کو میں نے نہایت سوچ سمجھ کر قتل کیا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ کی توہین کرنے والوں کا یہی انجام ہونا چاہیے''۔

جب غازی عبدالقیوم نے نتھو رام کو کمرہ عدالت میں قتل کیا تو ایک جج جس کا نام اوسالون تھا۔ ڈائس سے اترا، غازی پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور تحکمانہ انداز میں بولا، تم نے اس کو مار ڈالا؟ ہاں اور کیا کرتا، غازی نے جرأت سے جواب دیا اور پھر کمرے میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اگر یہ تمہارے بادشاہ کو گالیاں دیتا، تو تم کیا کرتے، تم میں غیرت ہوتی، تو تم اس کو قتل نہ کر ڈالتے، پھر انتہائی حقارت سے نتھو رام کی لاش کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا اس خنزیر کے بچے نے میرے آقا اور شہنشاہوں کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کی ہے اور اس کی یہی سزا ہے۔

بعد ازاں مجسٹریٹ کے روبرو جرأت مندانہ بیان قلم بند کرواتے ہوئے فرمایا، اس شخص نتھو رام نے میرے آقا کو گالیاں دی تھیں، میرے ہوش و حواس بالکل بجا ہیں میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مجھے اقبالِ قتل کے لیے بالکل مجبور نہیں کیا گیا اور نہ ہی مجھ پر کوئی دباؤ ہے اور

میں جانتا ہوں کہ میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں اسے میرے خلاف بطورِ شہادت استعمال کیا جائے گا میری زندگی کا سب سے خوش گوار دن وہی تھا، جس دن میں نے نتھو رام کو جہنم رسید کیا۔

اس سے آگے کا حال سید آل احمد رضوی لکھتے ہیں، ''غازی عبدالقیوم'' کے رشتہ داروں اور دوستوں نے اقبال جرم سے روکا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ آخر عدالت نے غازی کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ یہ حکم سنا تو غازی کے منہ سے بے ساختہ نکلا ''الحمد اللہ'' اور بڑے جوش سے جج کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ''میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا ملی۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے، میرے پاس لاکھوں جانیں ہوتیں تو میں وہ بھی ناموس رسالت پر نچھاور کر دیتا''۔ غازی عبدالقیوم فیصلہ سن کر جیل چلے گئے۔

مسلمانوں نے ان کی جان بچانے کی کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کا ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور آیا اور ان سے درخواست کی کہ غازی کی سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کرانے میں وائسرائے سے ملاقات کریں اور اپنے رسوخ کو کام میں لائیں، وفد کی بات سنکر علامہ نے چند ثانیے سوچا، پھر بولے کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟ ارکانِ وفد نے کہا کہ اس نے ہر موقع پر اپنے کئے پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور کھلے بندوں کہتا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی سے بچانے کی کوشش مت کرو۔

''علامہ اقبال نے وفد کی بات سنی تو کہا کہ جب وہ کہہ رہا ہے کہ اس نے شہادت خریدی ہے، تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کس طرح حائل ہو سکتا ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کے لیے وائسرائے کی خوش آمد کروں جو زندہ رہا تو غازی اور مر گیا تو شہیدؒ'' کہتے ہیں علامہ اقبال نے علم الدین شہیدؒ اور غازی عبدالقیوم کے واقعات سے متاثر ہو کر یہ شعر کہے

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیور   موت کیا شے ہے فقط عالم معنیٰ کا سفر

ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ

قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

آہ! اے مردِ مسلمان تجھے کیا یاد نہیں   حرف لا تدع اللہ الھا اخر

اشعر عطا عدالت کے روبرو غازی کے بیان کو یوں نقل کرتے ہیں، ”جب تک ایک بھی کلمہ گو مسلمان موجود ہے اور اس کے سینے میں ایمان افروز دل موجود ہے، وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی بد دہن اس کے آقا مولا ﷺ کی شان میں گستاخی کرے اور اس کی نظروں کے سامنے زندہ رہے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نے نتھو رام کو قتل کیا ہے اور وہ جہنم کا ایندھن بن چکا ہے، اگر مجھے رہا کر دیا جائے تو میں رہا ہونے کے بعد ہر اس شخص کے خلاف جو میرے آقا کی شان میں گستاخی کرے گا، یہی کاروائی عمل میں لاؤں گا، جس کا مظاہرہ میں نے نتھو رام کو جہنم واصل کرنے میں کیا ہے۔

رائے کمال لکھتے ہیں، ”۱۳؍اکتوبر کو حسبِ توقع غازی عبدالقیوم کو کراچی کی عدالت سے سزائے موت کا مستحق قرار دیا گیا۔ آپ نے موت کی سزا نہایت صبر و تحمل اور خندہ پیشانی کے ساتھ سنی، جج اور جیوری کے ”منصفانہ“ فیصلے پر شکریہ ادا کیا اور بڑے سکون کے ساتھ کٹہرے سے ”اللہ اکبر اللہ اکبر“ کے نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ۱۴؍اکتوبر کی صبح دس بجے غازیؒ سے ان کے رشتہ داروں کی ایک ملاقات ہوئی تلاوت قرآن حکیم میں محو تھے اور بے حد ہشاش بشاش نظر آئے۔

والدہ محترمہ نے فرمایا ”بیٹا میں خوش ہوں کہ تم نے ناموس سرورِ کونین ﷺ پر اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے، اگر کچھ خیال ہے تو صرف اتنا کہ اگر تمہارے دل میں یہ جوشِ قربانی تھا تو تمہاری شادی جس کو قلیل عرصہ ہوا، نہ کرتی۔ غازی صاحب فقط ایک لحظہ رہ کر فرمانے لگے: ”ماں! جو لوگ رات کو شادی کرتے ہیں اور صبح مر جاتے ہیں، وہ بھی تو ہیں ناں!“ والدہ صاحبہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دعا کے لیے کہا، حضرت قبلہ غازی صاحب نے نہایت خشوع و خضوع سے بہ تعمیل حکم سب کے لیے دعا فرمائی“۔

آپ نے جملہ لواحقین کو تلقین صبر کی اور فرمایا کہ یہ جان ناتواں شمعِ رسالت ﷺ پر جب نثار ہو جائے اور میں شہید کر دیا جاؤں، تو آپ نہایت صبر اور حوصلے سے کام لیں، اگر تم میں سے کسی نے ایک آنسو بھی بہایا تو سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں اس سے دامن گیر ہوں گا۔

ازاں بعد طمانیت قلبی سے "السلام علیکم" کہہ کر آپ اپنے محبوب ترین مشغل دوامی تلاوتِ کلام اللہ العزیز میں مشغول ہو گئے"۔ (بحوالہ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد ۳۱ را کتوبر ۲۰۰۰ء)

عاشقِ رسول غازی عبدالرحمٰن شہید کا واقعہ

مانسہرہ میں قیامِ پاکستان سے پہلے ہندو کاروبار پر چھائے ہوئے تھے۔ ایک آدھ دُکان مسلمانوں کی تھی، اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ آئے دن کوئی نہ کوئی واقعہ برصغیر میں ظاہر ہوتا۔ ہندو رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کرتے' گڑ بڑ ہوتی، یہاں کشمیر روڈ پر بھی ایک سکھ تھا، جو انتہائی خودسر تھا۔ ۲۴ سال کا جوان تھا اکثر مسلمانوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتا تھا۔ غازی عبدالرحمٰن شہید نماز جمعہ پڑھنے کے لیے موضع صابر شاہ سے مانسہرہ آیا کرتا تھا۔ حسبِ معمول جب اپنے گھر سے نکلا تو اس کا بھانجا سنگار خان اپنی زمین میں مویشی چرا رہا تھا، اس کو اپنے پاس بلایا اور سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا بیٹا میرے لیے دعا کرنا، خدا مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ سنگار خان کہنے لگا کہ میں چونکہ اس وقت چھوٹا سا تھا، میں نہ پوچھ سکا کہ آپ کا کیا مقصد ہے۔ جب غازی صاحب روانہ ہوئے تو میں نے کہا مجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، وجہ یہی تھی غازی صاحب کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ جب غازی عبدالرحمٰن سکھ کی دُکان پر گئے، ہاتھ میں چھوٹی سی کلہاڑی ہوا کرتی تھی' جو بہت خوبصورت تھی، اس کو خوب تیز کیا ہوا تھا، اس سکھ سے کوئی سودا طلب کیا اور باتوں باتوں میں اس سکھ سے کہا کہ تمہارے بندے آئے دن زبان درازیاں کرتے ہیں، غازی نے سنا ہوا تھا کہ یہ بھی کچھ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے۔

چنانچہ اس سکھ نے کہا ہمارے لوگ جو کچھ کرتے ہیں، میں بھی کروں گا، غازی صاحب نے کہا اگر تم ایسی بات کرو گے تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔ اسی تو تکار میں اس نے رسول کریم ﷺ کے بارے میں کوئی بات کہہ دی، پس پھر کیا تھا غازی عبدالرحمٰن صاحب نے کلہاڑی سے اس سکھ پر لگاتار وار کیے، آگے آگے وہ سکھ بھاگ رہا تھا، پیچھے

غازی عبد الرحمٰن دوڑ رہے تھے، وہ سکھ اپنی برادری کی دکانوں میں داخل ہوا جو سودا کی دکانیں کرتے تھے، جگت سکھ اسکا بھائی تھا، وہ مشینوں کے نیچے جا کر کہیں گھس گیا، چونکہ وہ شدید زخمی تھا۔ وہاں جا کر گر گیا اور آناً فاناً بھگدڑ مچ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سکھ تو مر گیا، غازی عبد الرحمٰن نے پورے بازار کا چکر لگایا۔ پولیس اس کے قریب بھی نہیں آئی اور نہ غازی صاحب کو پولیس نے گرفتار کیا۔ اس وقت مانسہرہ کا اسسٹنٹ کمشنر عبد الرحیم خان صاحب تھا۔ جو یہاں ہری پور کا رہنے والا تھا۔ دو مقامی مسلمان بھائیوں زید اور احمد علی نے غازی صاحب کو پکڑ کر پولیس کے حوالہ کیا۔ غازی عبد الرحمٰن نہ ہی قتل کرنے کے بعد بھاگے اور نہ ہی کوئی حرکت کی، بالکل سکون سے رہے۔ اے سی رحیم خان نے ان دونوں کو ڈانٹ پلائی اور لعن طعن کیا کہ تم نے ایسے مجاہد پر کیوں ہاتھ ڈالا۔

قتل کے بعد غازی صاحب بازار ہی میں کہتے تھے کہ میں نے اپنے آقا و مولیٰ کی گستاخی کا بدلہ لے لیا۔ اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہے، میں تیاری کر کے آیا تھا کہ آج میں گھر واپس نہیں آؤں گا یا وہ سکھ گھر میں واپس نہیں جائے گا۔ پولیس نے غازی عبد الرحمٰن کا بیان تحریر کیا کہ میں نے بالکل ہوش و حواس میں یہ کام کیا ہے۔ کیونکہ اس نے میرے آقا کی توہین کی تھی، عدالت میں کیس چلا تو تین چار وکیل غازی صاحب کے دفاع میں پیش ہوئے انہوں نے کہا غازی آپ کہہ دیں کہ مجھے اشتعال میں کچھ ہوش و حواس نہ تھا۔

ہم آپ کو بچا لیں گے۔ غازی صاحب نے کہا میں اپنا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ جب ماتحت عدالت نے غازی کو پھانسی کی سزا دی تو وکلاء نے کہا ہم ہائی کورٹ میں اپیل کریں گے، غازی صاحب نے صاف کہہ دیا، میں اپیل نہیں کروں گا۔ چنانچہ غازی عبد الرحمٰن کو پھانسی دے دی گئی۔ جب پھانسی کے بعد اس پروانے کی میت صابر شاہ لائی گئی، بھیٹر کنڈ سے صابر شاہ تک راستہ کے دونوں کناروں تک عوام کا جم غفیر تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ برصغیر کے تمام مسلمان آج مانسہرہ کی سر زمین میں جمع ہو گئے۔ نہایت تزک و احتشام سے غازی صاحب کو صابر شاہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آج وہ صابر شاہ کے پرانے قبرستان

میں آسودۂ خاک ہیں بقولِ شاعر

ہم نے دیکھی تھی اداکل تیرے دیوانوں کی دھجیاں کچھ لیے بیٹھے تھے گریبانوں کی

فواجگان سے اگر آپ بفہ آئیں تو ترنگڑی بالا ہائی سکول کے مقامی سڑک کے دائیں ہاتھ چھوٹی سی مسجد ہے، اور مسجد کے ساتھ ہی غازی عبد الرحمٰن کی قبر ہے، جو شکستہ حالت میں ہے۔ (بحوالہ ہفت روزہ ختم نبوت ۱۱ تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

عاشقِ رسول ﷺ غازی مرید حسین شہید ؒ کا واقعہ

غازی مرید حسین موضع بھلہ کریالہ (چکوال) کے رہنے والے تھے۔ پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ ان کے دل میں سرور کونین ﷺ کی بے پناہ محبت موجزن تھی۔ اس کے نتیجے میں ایک رات خواب میں انہیں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور پاک ﷺ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس مرید کو ایک گستاخ زمانہ کافر کا حلیہ دکھایا، جسے انہوں نے اپنی ڈائری میں اچھی طرح نوٹ کر لیا۔ اس واقعہ کے بعد انکے دل میں زبردست انقلاب آ گیا اور وہ ماہی بے آب کی طرح بے تاب رہنے لگے۔

آخر کار قدرت نے اس عاشقِ صادق کو امتحان کا موقع فراہم کر دیا۔ ایک دن زمیندار اخبار میں ایک خبر ''پلول کا گدھا'' کے عنوان سے شائع ہوئی کہ ہندوستان کے ایک قصبہ پلول ضلع گوڑ گانواں کے ایک ہندو رام گوپال نے جو شفا خانہ حیوانات میں ڈاکٹر ہے، ہسپتال میں ایک گدھے کا نام محسن انسانیت ﷺ کے اسم گرامی پر رکھا ہوا ہے۔ (نعوذ باللہ) اس بدذات کی اس شرمناک جسارت کی خبر پورے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مسلمانوں نے آگ بگولہ ہو کر صدائے احتجاج بلند کی، جب فساد امن کا خطرہ بڑھا تو اس ڈاکٹر کا تبادلہ وہاں سے ضلع حصار کے قصبہ نارنوند میں کر دیا گیا۔

غازی مرید نے اصرار کر کے ماں سے اجازت لی کہ وہ ایک اہم کام پر جا رہے ہیں۔ بھیر پہنچ کر بھائی کو خط لکھا کہ میں ایک ضروری کام پر جا رہا ہوں، اس لیے سب کچھ اللہ

اور تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ بھیرہ ہی سے ایک دو دھارا خنجر خریدا اور چا چڑ شریف میں اپنے مرشد کے ہاں گئے۔ عرض مدعا کیا، راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ رخصت کے وقت پیر نے مرید کو گلے لگایا اور اس کے دل بسمل کی دھڑکنوں کو سُنا اور دعا کے طور پر کہا 'بسلامت روی و باز آئی۔

غازی مرید حسین واپس گھر پہنچے، وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے۔ وہ اس مقام پر کھڑے تھے جہاں ایک طرف بیوہ ماں کی شفقت، وفا شعار بیوی کی محبت، برادری کے بندھن، دنیاوی مصلحتیں، سینکڑوں کنال زمین، لہلہاتے کھیت اور تیار فصلیں تھیں اور دوسری طرف عشقِ رسول ﷺ کا امتحان تھا۔ عقل سوچتی رہ گئی، مگر عشق نے امتحان کے حق میں فیصلہ دے دیا ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

غازی سیدھے چکوال گئے اور ڈاک خانہ سے اپنی جمع شدہ رقم میں سے سات سو روپے نکلوائے اور کسی کو بتائے بغیر اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ چکوال سے آپ پہلے لاہور پہنچے، پھر سیدھے دہلی چلے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر رام گوپال پشاور چلا گیا ہے۔ آپ پھرتے پھراتے واپس پشاور پہنچ گئے، لیکن ڈاکٹر پشاور سے نارنوند جا چکا تھا۔ آپ اس کے تعاقب میں ۶/اگست ۱۹۳۶ء کو دوبارہ حصار پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے آپ اس ہسپتال میں جا پہنچے جہاں وہ گستاخ زمانہ رام گوپال متعین تھا۔ اسے غور سے دیکھا اور مخبر صادق ﷺ کے بتائے ہوئے حلیے کو ڈائری میں دیکھا، اسے ہو بہو درست پا کر دل خوشی سے بلیوں اُچھلنے لگا۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ دیکھی۔ حالات کا جائزہ لیا، پھر کسی مسلمان کا گھر تلاش کیا۔ ایک مسافر کی حیثیت سے نمازِ ظہر ادا کی اور دعا مانگی۔

اے میرے اللہ تیرے اس نحیف و نزار اور ناچیز بندے کو اپنے آبائی وطن سے سینکڑوں میل دور کافروں کی بستی نارنوند میں تیرے محبوب ﷺ کی محبت جس مقصد کے لیے کھینچ لائی ہے، اس میں کامیابی و کامرانی عطا فرما۔ اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی پڑ رہی

تھی۔ ڈاکٹر کی رہائش گاہ ہسپتال سے ملحق تھی، صحن میں قدم رکھا، تو سامنے درختوں کے گھنے سائے میں وہ ملعون سو رہا تھا، جس نے کروڑوں مسلمانوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔ قریب ہی دوسری چار پائی پر اس کی بیوی کشیدہ کاری میں مصروف تھی۔ بچے کچھ جاگ رہے تھے، کچھ سوئے ہوئے تھے، ہسپتال کا عملہ سب کا سب ہندو تھا اور وہ بھی زیادہ دور نہ تھا۔

مرید حسین نے جان ہتھیلی پر رکھ کر بے خوف وخطر نعرہ لگایا، اللہ اکبر، پھر اس ملعون ڈاکٹر کو مخاطب کر کے پکارا او گستاخِ زمانہ کافر اُٹھ، آج محمد ﷺ کا پروانہ آ ہی گیا ہے۔ بیوی نے بھی شوہر سے کہا، رام گوپال، اُٹھ کوئی مسلہ آ گیا ہے۔ رام گوپال آنکھیں ملتا اور دھوتی سنبھالتا اُٹھا، بیوی اور نوکر چاکر مرید حسین کو پکڑنے کے لیے لپکے، مگر انہوں نے آن کی آن میں خنجر موذی کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ وہ دھڑام سے ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھا۔ غازی مرید حسین نے خنجر قریبی تالاب میں پھینک دیا اور خود بھی اس میں چھلانگ لگا کر تیرنے لگا۔

پولیس کی جمعیت نے تالاب کو گھیرے میں لے لیا۔ غازی حسین نے پوچھا تم میں کوئی مسلمان ہے؟ اتفاق سے مقامی تھانیدار مسٹر احمد کیوٹ تھا۔ اس نے کہا میں مسلمان ہوں۔ مرید حسین تالاب سے باہر آئے اور خود کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا، میرا نام عاشقِ رسول ﷺ ہے میں نے ہی ڈاکٹر کو قتل کیا ہے، جس نے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں پر ڈاکہ ڈال کر ان کا امن وسکون لوٹ لیا تھا۔

مقدمے کی پیروی کے لیے غازی مرید حسین کے بھائی لاہور سے حصار کے ایک مشہور وکیل بیرسٹر جلال الدین قریشی کے نام زمیندار اخبار کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خان کے فرزند اختر علی خان کا ایک خط لے کر گئے تھے۔ اس کے ذکر پر غازی نے کہا۔ مجھے وکیل کی ضرورت نہیں میرا وکیل تو اللہ تعالیٰ ہے۔

قریشی صاحب سے وکالت کی گفتگو ہو رہی تھی، جو غالبًا اپنی انتخابی مصروفیات کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کے لیے تیار نہ تھے۔ اتنے میں ایک بزرگ صورت مولوی صاحب

تشریف لائے ۔قریشی صاحب نے تعارف کراتے ہوئے کہا،مولانا یہ چکوال سے آئے ہیں اور ''بدقسمت'' ملزم کے لواحقین ہیں، جس نے ڈاکٹر رام گوپال کو نارنوند میں قتل کر دیا ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب سخت جلال میں آ گئے اور کہا جلال الدین صاحب بدقسمت آپ ہیں ،بدقسمت میں ہوں ،بدقسمت ہمارا سارا علاقہ ہے ،بدقسمت ہندوستان کے کروڑوں مسلمان ہیں،جن کی موجودگی میں گستاخ زمانہ رام گوپال دندناتا پھرتا رہا۔ بدقسمت اور بے غیرت تو ہم ہیں ۔ان کی خوش قسمتی میں کیسے کلام ہوسکتا ہے ،جن کے نامور فرزند نے یہاں سے سینکڑوں میل دور علاقہ چکوال سے آ کر ناموسِ رسالت کی حفاظت کا حق ادا کر دیا ہے۔ کیا یہ ہر مسلمان کا فرض نہیں کہ وہ حبیبِ کبریا حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے؟

مولوی صاحب کی اس سرزنش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریشی صاحب نے بلا معاوضہ مقدمے کی پیروی کا ذمہ لے لیا۔ حصار کی ضلع کچہری میں مقدمے کی سماعت ایک مجسٹریٹ پنڈت لکشمی دت کے ہاں شروع ہوئی،لیکن ابتدائی سماعت کے بعد اس نے جلد ہی مقدمہ سیشن کے سپرد کر دیا۔ تین دن کی سماعت کے بعد چوتھے دن فیصلہ سناتے ہوئے جج نے کہا' میں تمہیں سزائے موت دیتا ہوں ۔لیکن ایک درخواست کے نتیجے میں دوبارہ سماعت کی گئی ،مگر سزائے موت برقرار رہی ۔اس پر ہائی کورٹ میں اپیل کی سماعت کی گئی ۔اس نے بھی اپیل خارج کر کے سزائے موت بحال رکھی۔

آخری ملاقات پر ماں نے بیٹے سے کہا کہ پھانسی کا پھندا وہ خود اپنے گلے میں ڈالے،کوئی بھنگی وغیرہ نہ ڈالے۔ غازی صاحب نے کہا ماں جی ٹھیک ہے۔ آخر خدا خدا کر کے ۲۴ رستمبر بمطابق ۱۸ رجب ۱۳۵۹ھ جمعۃ المبارک کی صبح آ پہنچی ،جس کا غازی مرید حسین بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ جیل سے باہر عاشقِ رسول ﷺ کے عاشقوں کا ایک جمِ غفیر جمع تھا اور جیل کے اندر پروانہ رسالت شمع رسالت پر جل مرنے کو بے تاب۔

جب شہادت کا وقت آیا تو آپ درود شریف پڑھ رہے تھے۔ ڈیوٹی مجسٹریٹ نے

کہا آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، انہوں نے کہا میں اپنا کام کر رہا ہوں، آپ اپنا کام کریں۔ چنانچہ غازی صاحب درود وسلام پڑھتے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے جام شہادت نوش کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ؎

جب طائر جان گلشن ہستی سے رواں ہو ہو نام محمد لب کیفی پہ الٰہی

آخر کار بعد نمازِ جمعہ آپ کو بھلا شریف کے نزدیک ''غازی محل'' میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ (از شہیدانِ ناموسِ رسالت)

شورش کاشمیری اپنی کتاب پس دیوار زنداں میں لکھتے ہیں: ''قصبہ پلول میں ہندو ایک سرکاری سرجن تھا، جس نے اپنے گدھے کا نام (خاکم بدہن) حضور کے نام پر رکھا۔ ایک مسلمان نوجوان نے اسے قتل کر ڈالا۔ عدالت نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا، جو آخر تک بحال رہا۔ اس کے پھانسی پانے سے ایک دن قبل میں اسے ملا۔ وہ چھریرے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان تھا بڑا مطمئن، مطلقاً پشیمان یا ہراساں نہ تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو رہا ہے۔ چنانچہ بڑی جواں مردی کے ساتھ دار کے تختہ پر گیا اور بڑے اطمینان کے ساتھ جان دے دی۔ مسلمانوں کو رسول اللہ (فداہ ابی اُمی) سے جو عشق ہے، وہ شاید کسی پیرو مذہب کو اپنے ہادی یا مذہب سے ہو''۔ (پس دیوار زنداں)

عاشقِ رسول ﷺ غازی میاں محمد شہیدؒ کا واقعہ

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی لکھتے ہیں، ضلع چکوال کی سرزمین اس لحاظ سے بڑی خوش قسمت ہے کہ اس نے دو عظیم جان نثارانِ رسول ﷺ پیدا کئے۔ پہلا عاشقِ رسول ﷺ غازی مرید حسین شہیدؒ ہے اور دوسرا فدائی غازی میاں محمد شہیدؒ ہے۔ جس نے چرن داس نامی ایک مردود ڈوگرے سپاہی کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

غازی میاں محمد ۱۹۱۵ء کو تلہ گنگ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام نامی صوبیدار غلام محمد تھا۔ اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ میاں محمد پانچ سال کے تھے، جب انہیں

پرائمری سکول میں داخل کرادیا گیا، پرائمری کے بعد ہائی سکول میں داخل ہوئے، لیکن ساتویں جماعت تک پڑھنے کے بعدان کا جی تعلیم سے اچاٹ ہوگیا۔۱۵ سال کے ہوئے تو ڈرائیوری سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازم ہوگئے۔اور تلہ گنگ سے میانوالی جانے والی ایک بس چلانے لگے۔لیکن بعد میں جلد اس سے بھی دل بھر گیا۔۱۹۳۱ء میں کوئٹہ چلے گئے اور ایک ٹھیکیدار کے ساتھ بطور منشی کام کرنے لگے۔یہ کام بھی پسند نہ آیا تو ۱۹۳۲ء میں گاؤں واپس آ گئے اور ۱۹۳۳ء میں انڈین نیوی میں بھرتی ہو گئے۔بعد ازاں انڈین آرمی کو چھوڑ کر ۱۹۳۵ء میں بلوچ رجمنٹ میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے اور ابتدائی ٹریننگ کراچی میں مکمل کرنے کے بعد اسی سال اکتوبر میں مدراس چھاؤنی بھیج دیے گئے۔یہی وہ جگہ تھی جہاں قدرت نے ان سے غیر معمولی کام لینا تھا۔

۱۶ مئی ۱۹۳۷ء کی شب کا ابھی آغاز ہوا تھا۔مدراس چھاؤنی میں ڈیوٹی سے فارغ فوجی سپاہی مختلف گروپوں میں بیٹھے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔انہی میں ایک طرف چند مسلمان نعتِ رسول کریم ﷺ سننے میں محو تھے، جو شخص نعت سنا رہا تھا۔وہ اتفاق سے ہندو تھا۔ وہ ہندو بڑی خوش الحانی اور عقیدت مندی کے ساتھ نعت سنا رہا تھا۔ایک ہندو ڈوگرے سپاہی نے جب ایک ہندو کو اس طرح عقیدت مندی کے ساتھ نعت پڑھتے سُنا تو وہ مارے تعصب کے جل کر تباہ ہوگیا۔اس نے بآواز بلند آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے نعت پڑھنے والے ہندو سے مخاطب ہو کر کہا محمدؐ ....کو....کر و کسی اور کا ذکر کرو، تو کیا ہندو ہے، تو تو ہندو دھرم کا مجرم ہے۔

غازی میاں محمد اپنے آقا کی شان میں یہ گستاخی سنکر تڑپ اُٹھے اور ڈوگرہ سپاہی سے کہا' تو یہاں سے چلا جا، خبر دار آئندہ ایسی بکواس نہ کرنا۔یہ سنکر ڈوگر سپاہی بولا، میں تو بار بار ایسا ہی کہوں گا تم سے جو ہوسکتا ہے، کرلو، یہ بے ہودہ جواب سنکر میاں محمد کا خون کھول اُٹھا، انہوں نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا' آئندہ اپنی ناپاک زبان سے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کا جملہ کہنے کی جرأت نہ کرنا، ورنہ یہ بدتمیزی تجھے بہت جلد

ذلت ناک موت سے دوچار کردے گی۔ بدقسمت ڈوگرے سپاہی نے پھر ویسا ہی تکلیف دہ جواب دیا اور کہا' مجھے ایسی گستاخی سے روکنے کا تمہیں کوئی حق نہیں' یہ سنکر میاں محمد سیدھے اپنے حوالدار کے پاس گئے یہ بھی ہندو تھا۔ آپ نے اس سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا اگر چرن داس (ہندو ڈوگرہ) نے برسر عام معافی نہ مانگی تو اپنی زندگی سے کھیلنا مجھ پر فرض ہو جاتا ہے۔ ہندو حوالدار نے اس نازک مسئلے پر کوئی خاص توجہ نہ دی، صرف یہی کہا کہ میں چرن داس کو سمجھا دوں گا۔

میاں محمد حوالدار کی یہ سرد مہری دیکھ کر سیدھے اپنی بیرک میں پہنچے۔ وہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر چکے تھے۔ انہوں نے نماز عشاء ادا کی اور پھر سجدے میں جا کر گڑ گڑاتے ہوئے دعا کی۔ میرے اللہ! میں نے تہیہ کر لیا کہ تیرے محبوب کی شان میں گستاخی کرنے والے کا کام تمام کر دوں۔ یا اللہ! مجھے حوصلہ عطا فرما، ثابت قدم رکھ، مجھے اپنے محبوب کے عاشقوں میں شامل کر لے۔ میری قربانی منظور فرما لے۔

نماز سے فارغ ہو کر میاں محمد گارڈ روم میں گئے۔ اپنی رائفل نکالی، میگزین لوڈ کیا اور باہر نکلتے ہی چرنداس کو للکار کر کہا، کم بخت اب بتا نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے پر میں باز پرس کا حق رکھتا ہوں یا نہیں' یہ سن کر شاتم رسول چرنداس نے بھی جو بندوق اٹھائے ڈیوٹی دے رہا تھا، پوزیشن سنبھالی اور رائفل کا رُخ میاں محمد کی طرف موڑا۔ لیکن اگلے ہی لمحے ناموس رسالت کے شیدائی کی گولی چرنداس کو ڈھیر کر چکی تھی۔ رائفل کی دس گولیاں اسکے جسم سے پار کرنے کے بعد غازی میاں محمد نے سنگین کی نوک سے اس کے منہ پر پے در پے وار کئے۔ سنگین سے وار کرتے ہوئے وہ کہتے جاتے تھے۔ اس ناپاک منہ سے تو نے پیارے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی۔

جب غازی کو مردود چرنداس کے جہنم واصل ہونے کا یقین ہو گیا، تو انہوں اپنے ہاتھ سے خطرے کی گھنٹی بجائی اور بگلر سے کہا وہ مسلسل بگل جائے۔ جب سب پلٹن جمع ہو گئی تو غازی نے کمانڈنگ افسر سے کہا کہ کسی مسلمان افسر کو بھیجو کہ میں رائفل پھینک کر خود کو

گرفتاری کے لیے پیش کروں۔ آپ کی گرفتاری کے لیے آپ ہی کے علاقے کے ایک مسلمان جمعدار عباس خان کو بھیجا گیا۔ گرفتاری کے بعد انگریز کے کمانڈنگ افسر نے غازی موصوف سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا، چرنداس نے ہمارے رسول کریم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدکلامی کی تھی۔ میں نے اس کو روکا لیکن وہ باز نہ آیا۔ میں نے اس کو ہلاک کردیا۔ اب آپ قانونی تقاضے پورے کریں۔

اگلے روز ۱۷ مئی ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو تفتیش کے لیے پولیس کے حوالے کردیا گیا۔ ابھی آپ دس دن پولیس کی حراست میں رہے تھے کہ کمانڈر انچیف (جی ایچ کیو دہلی) کا حکم آیا کہ میاں محمد پر فوجی قانون کے تحت مقدمہ چلا جائے۔ فوجی حکام چاہتے تھے کہ غازی صاحب کو ذہنی مریض قرار دے کر سزا دی جائے تا کہ کیس کو مذہبی رنگ نہ ملے اور ہندو بھی خوش ہو جائیں۔ اس مقصد کے تحت غازی صاحب کو گورنمنٹ مینٹل ہسپتال مدراس میں داخل کردیا گیا۔

ایک ماہ بعد ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ میں نے پورا مہینہ میاں محمد کو اپنی خصوصی نگرانی میں رکھا ہے۔ نفسیاتی جائزہ بھی لیا ہے، کئی بار چھپ کر معائنہ بھی کیا ہے، لیکن اس عرصہ میں ایک بار بھی میں نے انہیں فکرمند یا کسی سوچ میں گم نہیں پایا۔ ایک ماہ میں ان کا وزن بھی بڑھ گیا ہے، اگر ان کو یہ فکر ہوتی کہ قتل کے مقدمہ میں میرا کیا حشر ہوگا، تو اس کا وزن کم ہو جاتا، یہ کسی غم وفکر میں مبتلا نہیں۔ میرا میڈیکل تجزیہ یہی بتاتا ہے کہ میاں محمد نے قتل کا ارتکاب مذہبی جذبات مشتعل ہونے کی وجہ سے کیا ہے۔

۱۶ راگست کو غازی صاحب کا جنرل کورٹ مارشل شروع ہوا۔ پانچ دن کارروائی ہوتی رہی۔ کل اٹھارہ گواہوں کے بیانات ہوئے۔ تین ڈاکٹروں کی شہادت بھی ریکارڈ پر آئی۔ لیکن غازی صاحب اپنے ابتدائی بیان پر ڈٹے رہے، اور کہا میں نے جو کچھ کیا ہے خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے، یہی میرا فرض تھا۔ چرنداس نے میرے آقا و مولیٰ کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی۔ کورٹ مارشل کے دوران غازی صاحب کے وکیل نے رائے دی کہ وہ یہ

بیان دے دیں کہ میں نے گولی اپنی جان بچانے کی غرض سے چلائی تھی، کیونکہ چرنداس مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا، لیکن غازی نے سختی سے اس بیان کو مسترد کر دیا، اور کہا میری ایک جان تو کیا! ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو سرکارِ دوعالم ﷺ کی حرمت پر نچھاور کر دوں۔

میری ہزار جان ہو قربانِ مصطفیٰ　　میرے ہزار دل ہوں تصدق حضورؐ پر

۲۳ر ستمبر ۱۹۳۷ء کو غازی میاں محمد کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا، جس کا جواب غازی نے مسکرا کر دیا۔

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے　　اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

۵ر اکتوبر کو وائسرائے ہند کے پاس اپیل کی گئی جو مسترد ہو گئی، اپیلیں مسترد ہو جانے کے بعد فوجی حکام نے ۱۲ر اپریل ۱۹۳۸ء کو سزا پر عملدر آمد کا فیصلہ کیا۔ پھانسی کے انتظامات کا جائزہ لینے کے لیے ۱۰ر۳ بلوچ رجمنٹ کا ایک افسر کراچی سے مدراس پہنچا۔ اس نے غازی صاحب سے پوچھا، کوئی آخری خواہش ہو تو بتاؤ، فرمایا ساقی کوثر کے ہاتھوں سے جام پی کر سیراب ہونا چاہتا ہوں۔

جن لوگوں نے آخری وقت آپ کی زیارت کی، ان کا کہنا ہے کہ چہرے پر سرور اور تازگی پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی تھی۔ والدہ اپنے تیئیس سالہ جوان بیٹے کا دیوانہ وار کبھی سر چومتیں کبھی منہ، والد نے بہ ہزار مشکل اپنے آپ کو سنبھالے رکھا، اسی رات ۱۱ر اپریل کو انہیں مدراس جیل لے جایا گیا۔ رات بھر آپ عبادت میں مشغول رہے۔ تہجد کے بعد غسل فرمایا، سفید لباس زیبِ تن کیا۔ نمازِ فجر ادا کی، پھر آپ کو تختہ دار کی طرف لے جایا گیا۔ تختہ دار پر کھڑے ہوتے ہی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا۔

سرکار میں حاضر ہوں۔ پھانسی کا پھندا آپ کے گلے میں ڈال دیا گیا۔ تختہ دار کھینچ دیا گیا۔ دیکھنے والوں نے کہا کہ آپ کے چہرہ پر برستا ہوا نور کچھ اور افزوں ہو گیا' فضا کی عطر بیزی کچھ اور بڑھ گئی۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کر کے کہا، بے قرار روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہے۔ اگلے ہی لمحے ساقی کوثر کا دیوانہ حوضِ کوثر کے کنارے اپنی پیاس بجھا رہا تھا۔

پھانسی کی سزا ملنے سے قبل جب غازی جیل میں تھے۔عید کا موقع آیا تو غازی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ عید کی نماز عید گاہ میں مسلمانوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں ،بڑی مشکل سے اجازت ملی۔جب غازی عید گاہ پہنچے تو تمام مسلمان کھڑے ہوگئے۔غازی صاحب نے مسلمانوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، پیارے بھائیو! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو، میں پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کا ادنیٰ غلام ہوں۔مجھ میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ میرے ہاتھوں سے شانِ رسول پر ناروا حملہ کرنے والے ایک مردود کو قرار واقعی سزا ملی ہے۔تاجدارِ مدینہ کی شان میں ذرا سی توہین بھی برداشت نہیں کی جاسکتی۔ آئندہ بھی کسی گستاخ نے یہ حرکت کی تو ناموسِ رسالت پر فدا ہونے کے لیے ہزاروں جانثار مقتل کی طرف بڑھیں گے۔تمام بھائی دعا کریں کہ اللہ کریم راضی ہو اور بارگاہِ رسالت میں مجھ ناچیز کی جان جیسی حقیر قربانی قبول ہوجائے۔

عاشقِ رسول ﷺ دو دوستوں کی داستان عشق کا واقعہ

ایک دفعہ کلکتہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ،جس میں محبوبِ رب کائنات ﷺ کا کارٹون بنا کر چھاپ دیا گیا۔پشاور کے ایک نوجوان امیر احمد نے یہ کارٹون دیکھا تو غم سے نڈھال ہوگیا، ضیا حالوی نے اس واقعے کو بڑے دلنشین انداز میں یوں قلم بند کیا ہے۔موصوف رقم طراز ہیں:

’’ایک عجیب تصویر اس کی آنکھ سے گزری۔ایک غیر متوقع منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا۔اس نے دیکھا کے جس پیکرِ نور کو وہ مصورِ فطرت کا سب سے حسین شاہکار سمجھتا تھا ۔کاغذ کے ایک ٹکڑے پر مرتسم ہے۔گویا سمندر کوزے میں بند ہے اور بشریت کاغذ پر اتر آئی ہے۔اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ جس جسم لطیف کا سایہ تک نہ تھا ،اس کی کاغذ پر تصویر کیسے اتر سکتی ہے۔پھر اس نے وہ سطریں پڑھیں ،جو بطور تعارف قلم بند ہوئی تھیں ،وہ الفاظ پڑھے جو بطورِ القاب استعمال کیئے گئے تھے اور وہ دلخراش فقرہ پڑھا ،جس کو زیب

عنوان بنایا گیا تھا اور جس سے صاحبِ تصویر کی جلالت اسی کا پتہ چلتا تھا اور اب اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ کسی گستاخ نے اس کے محبوب ﷺ کا کارٹون بنایا ہے۔

وہ محبوب جو کائنات کی عظیم و جلیل شخصیت ہے، جو دنیا کا نجات دہندہ بھی ہے اور فرماں روائے گیتی بھی، جس نے انسانیت کی سب سے زیادہ خدمت کی اور جو دنیا والوں کو جینے کا سب سے اچھا سلیقہ سکھا گیا، اس کی شان میں گستاخی کی گئی تھی، اس کا مذاق اُڑایا گیا تھا امیر احمد غم سے نڈھال ہو گیا، وہ مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا، آج اس کے دل پر ایک چوٹ لگی تھی۔ اس کے قلب کو ایک صدمہ پہنچا تھا۔ اس کے دل کا سکون چھن گیا، اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سلب ہو گئی۔ کتاب اس کے سامنے تھی۔ اس پر چھپی ہوئی تصویر اسے برابر دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شدت درد سے چیخ اٹھا۔ گھاؤ گہرا تھا، اس لیے اس کی تکلیف بھی نا قابلِ برداشت تھی۔ اس کی روح زخم کی اس نا قابلِ برداشت اذیت سے بلبلا اُٹھی۔ اس کے ہاتھ سے پیمانہ صبر چھوٹ گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ جلد سے جلد کلکتہ پہنچے گا، جہاں سے وہ رسوائے زمانہ کتاب شائع ہوئی تھی۔

تانگہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا اسٹیشن کو جا رہا تھا۔ اس کا دوست عبداللہ اس کے ساتھ ہی تانگے پر سوار تھا۔ امیر احمد اس سے کہہ رہا تھا۔ میں نے زندگی کے آخری سانس تک تم سے دوستی نبھانے کی قسم کھائی تھی۔ میں نے تمام عمر رفاقت کا وعدہ کیا تھا اور میں نے زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دیا بھی، میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اور میرا پیار تمہارے لیے وقف رہا، لیکن آج پہلی بار میں تمہارا ساتھ چھوڑ رہا ہوں، میں نے طے کر لیا ہے کہ اپنے آقا ﷺ پر صدقے ہو جاؤں، ان کی عزت و حرمت پر کٹ مروں اور ان کی بارگاہ ناز میں نقد جان بھی نذر کروں۔ میں کلکتہ اسی مقصد سے جا رہا ہوں۔ شوقِ شہادت ہی مجھے وہاں لے جا رہا ہے۔ میرے بعد تم میری بوڑھی ماں کا خیال رکھنا۔ اگر تم سے ہو سکے تو میرے یتیم بھائیوں اور بے سہارا بہنوں کی خبر گیری کرنا۔ یہ میری آخری گذارش ہے۔

جب امیر احمد اپنی گفتگو تمام کر چکا تو عبداللہ نے کہا، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں

اسٹیشن تک چھوڑنے جا رہا ہوں تو یہ تمہاری بھول ہے' میں زندگی کی آخری منزل تک تمہارے ساتھ ہوں' کلکتہ تم تنہا نہیں جا رہے ہو، تمہارا عبداللہ بھی تمہارا رفیقِ سفر ہے' اپنے آقا ﷺ پر قربان ہو جانے کی تمنا اکیلے تمہارے ہی دل میں نہیں مچل رہی' اس میں میں بھی تمہارا شریک کار ہوں' شہادت کی تڑپ میرے دل میں بھی ہے۔ میں بھی اپنے آقا پر قربان ہونے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں' تمہارے آقا صرف تمہارے آقا نہیں ہیں، وہ ہم سب کے آقا ہیں' ان کے بارِ احسانات سے صرف تمہاری ہی گردن خم نہیں ہے ہم سب ان کے منت کش کرم ہیں' ان کا جمال دلفروز ہماری آنکھوں کو بھی فروغ بخش رہا ہے اور ان کی تجلیوں سے ہمارا خانہ دل بھی معمور ہے' میدانِ حشر کی تیز دھوپ میں ان کے سایہ رحمت کی تلاش تنہا تم ہی کو نہیں کرنی ہے' قبر کی منزل اور پل صراط کے سفر میں انکے سہارے کی ہمیں بھی ضرورت ہے' ان کے دامنِ رحمت میں ہمیں بھی پناہ لینی ہے اور انہی کی کرم فرمائیوں پر ہماری نجات بھی منحصر ہے' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو سعادت تم تنہا حاصل کرنا چاہ رہے ہو 'میں اس سے محروم ہو جاؤں' میں تمہارے ساتھ کلکتہ جا رہا ہوں ہم دونوں ایک ساتھ جامِ شہادت نوش کریں گے۔

زندگی میں بھی ہمارا تمہارا ساتھ رہا ہے، مرنے کے بعد ہم تمہارے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا تمہارا انجام بھی ایک ہو، قبر سے ہم دونوں ایک ساتھ اٹھیں، ساتھ ہی جنت کو چلیں اور ہم دونوں کے آقا ﷺ ہم دونوں کی قربانیوں کو قبول فرمالیں اور ایک ساتھ ہی ہم دونوں کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے دیں۔

ابھی عبداللہ کی بات پوری نہیں ہو پائی تھی کہ امیر احمد نے اسے ٹوک دیا۔ تم بھی چلے جاؤ گے، تو ہم دونوں کی بوڑھی ماؤں کا کیا ہوگا؟ کس کو ہماری بہنوں کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہوگی؟ کون ہمارے بھائیوں کی دستگیری کرے گا؟

عبداللہ ایک مرتبہ پھر گرجا تمہاری عقل ماری گئی ہے تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ کارساز مطلق کوئی اور ہے، بھلا سوچو تو، جو خدا رحمِ مادر میں جنین کی پرورش کرتا ہے، وہ جوانوں کی

تربیت سے کیسے غافل ہو جائے گا! پھر جان دینے والوں کو یہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے کہ ان کے بعد دنیا کا کیا حال ہوگا؟ جانِ دینے والے تو بس جان دینا ہی جانتے ہیں، ان کو اس سے کیا غرض کہ وہ اپنے پیچھے کتنے متعلقین چھوڑ رہے ہیں؟

کلکتہ دیکھنے کی آرزو دونوں کو ایک مدت سے تھی۔ آج ان کی ٹیکسی کلکتہ کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی۔ یہ سٹیشن سے سیدھے لور چیت پور روڈ آئے اور موسیٰ سیٹھ کے مسافر خانہ میں قیام پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہاں اپنا سامان اتار کر اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس محلّہ کی طرف چلے، جہاں سکون ان کا انتظار کر رہا تھا اور اطمانیت قلب ان کے لیے چشم براہ تھی۔

کلکتہ میں انہوں نے کتاب کے مصنف سے ملاقات کی، جس نے ان کا سکون غارت کیا تھا اور وفا کیشوں کے جذبہ محبت کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ اس کتاب کا ناشر ہی اس کا مصنف بھی تھا اور اس کے زیرِ اہتمام اس کی طباعت عمل میں آئی تھی۔ انہوں نے کتاب کے مصنف سے کہا کہ اپنی کتاب سے فلاں حصہ نکال دو۔ اس سے ہم مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور ایک معذرت نامہ شائع کر دو، تاکہ جن لوگوں کی تم نے دل آزاری کی ہے، اس کی کچھ تسکین ہو جائے۔

کتاب کے ناشر نے کہا ''کتاب میں ایک تصویر شائع ہوگئی تو کونسی قیامت آ گئی، تمہارے رسول کے خلاف ایک آدھ جملہ لکھ دیا تو کیا ہوگیا، تم کہتے ہو میں نے غلطی کی ہے، لیکن میں غلطی ماننے کے لیے تیار ہی نہیں، میں نے جو کچھ لکھا ہے، ٹھیک لکھا ہے، اگر میری تحریر سے کسی کی دل آزاری ہوتی ہے تو ہوا کرے، میں ایسا کبھی نہیں کر سکتا کہ معافی نامہ شائع کروں۔ میں اپنی غلطی کا ڈھنڈورہ نہیں پیٹ سکتا۔ تم جا سکتے ہو، میری دُکان سے نکل جاؤ۔ میرا دماغ مت چاٹو۔

امیر احمد کی آنکھیں شعلے اُگلنے لگیں، اس کا چہرہ گل نار ہوگیا، اس کی رگیں تن گئیں اور وہ بے قابو ہوگیا۔ غلطی اور اس پر اصرار؟ گستاخی اور وہ بھی آقا ﷺ کی شان میں؟ اس نے ایک جست کی، عبداللہ بھی اپنی جگہ سے اُچھلا۔ دونوں اس نامراد پر ٹوٹ پڑے، پھر ایک بجلی

تھی، چمک گئی، ایک خنجر تھا، جو کلیجہ میں اتر گیا۔ اب یہ دونوں سڑک پر کھڑی ٹریفک پولیس سے کہہ رہے تھے، میں نے خون کیا ہے، میں قاتل ہوں، مجھے گرفتار کرلو۔ پولیس خوف کے مارے بھاگ کھڑی ہوئی، پھر انہوں نے قریبی تھانے کو اطلاع دی اور دونوں گرفتار ہو گئے۔

عدالت میں دونوں کی پیشی ہوئی، تو ماہر قانون وکیلوں نے انہیں قانون کی زد سے بچانے کے لیے اپنی خدمات مفت پیش کیں۔ روسائے شہر نے ان کے مقدمہ کی پیروی کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔ بچوں نے کئی دنوں سے مٹھائی اور چاکلیٹ کے سارے پیسے، بچا بچا کر آج ہی کے لیے رکھ چھوڑے تھے۔ خواتین نے اپنے کانوں کی بالیاں آج ہی کے لیے اتار رکھی تھیں، سارا نگر یہ چاہتا تھا کہ یہ دونوں عدالت میں مجرم ثابت نہ ہوں، کسی طرح یہ قانون کی زد سے بچ جائیں۔ خود حاکم کو بھی ان دونوں کی معصومیت پر ترس آرہا تھا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ خلاصی پا جائیں، لیکن دشواری یہ تھی یہ دونوں ایسا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ شہادت کا شوق ان کے سروں میں سمایا ہوا تھا' وہ بزبانِ حال کہہ رہے تھے۔

تیرے دماغ تیرے دل تیری رگ رگ میں　　　نبی کے عشق کا سودا نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ دونوں جلد از جلد پھانسی کے تختے کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ آقا پر قربان ہو جانے کی تڑپ انہیں بے چین کیے جا رہی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ کم از کم اپنی زبان سے اقبالِ جرم نہ کریں۔ صرف ایک بار کہہ دیں کہ انہوں نے خون نہیں کیا، لیکن دونوں یہی کہتے رہے میں نے خون کیا ہے، میں ہی قاتل ہوں، میں نے ہی اس گستاخ کو اس کی گستاخی کی سزا دی ہے۔

آخر فیصلے کا دن آ ہی گیا۔ قانون کی نظر میں دونوں مجرم ثابت ہوئے اور دونوں ہی کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔ آج شہر کی ساری آبادی علی پور جیل کے گرد سمٹ آئی تھی۔ ہر کوئی اشکبار آنکھوں سے ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ چہرے جن پر تقدس برس رہا تھا، معصومیت قربان ہو رہی تھی۔ تقدس برستا رہا، معصومیت ٹوٹتی رہی اور لوگ ان کا آخری دیدار کرتے رہے۔ سارے لوگوں کی نگاہیں ان کی طرف تھیں، لیکن یہ

دونوں کسی اور طرف دیکھ رہے تھے، ان کی نگاہیں بار بار ایک طرف اٹھ جاتی تھیں، دفعتاً ان کے چہروں پر اضطراب کی ایک کیفیت نمودار ہوئی اور ان کا چہرہ اُتر گیا۔

ان دونوں کا آخری دیدار کرنے کے لیے ان دونوں کی مائیں بھی پشاور سے آ گئی تھیں اور اس وقت یہ دونوں بھی دیکھنے والوں کی صف میں کھڑی تھیں، جب انہوں نے ان دونوں کی اس حالت کا اندازہ کیا تو برس پڑیں۔ دمِ آخر چہروں پہ حزن و ملال کے آثار کیوں؟ زندگی جب اتنی ہی پیاری تھی تو موت کو دعوت کیوں دی تھی؟ کیا اللہ والوں کا یہ وطیرہ ہے؟ شیدائیانِ رسول ﷺ کا ایسا ہی کردار ہوتا ہے؟ سرفروش اس طرح جان دیتے ہیں؟ خبردار جو چہرے پر غم کی کیفیت پیدا ہونے دی۔ یاد رکھو اگر تم نے ہنستے ہوئے جان نہیں دی، اگر دار و رسن کا پرتپاک خیر مقدم نہ کیا، اگر مسکراتے ہوئے جامِ شہادت نہیں نوش کر سکے تو ہم تمہیں اپنا دودھ کبھی نہیں بخشیں گی، تم کو آج خوش ہونا چاہئے کہ آج تم اس سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہو، جو ہر کسی کا مقسوم نہیں! یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

امیر احمد اور عبد اللہ ایک ساتھ بول اُٹھے، چہروں پر جو اضطراب کی لکیر آپ کو نظر آ رہی ہے، وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم لوگ جان سے جا رہے ہیں، ہمارے چہروں پر غم کی گھٹا اس لیے نہیں چھائی کہ ہم تختہ دار پر چڑھنے ہی والے ہیں۔ ہماری پریشانیوں کی اصل وجہ یہ ہے کہ جامِ شہادت پیش کرنے میں یہ لوگ دیر کیوں کر رہے ہیں؟ ہماری نگاہیں اس وقت جو کچھ دیکھ رہی ہیں، اگر آپ دیکھ لیجئے، تو آپ بھی ہماری جگہ آنے کی کوشش کریں گی۔ آپ کے اطمینان کے لیے ہم اتنا کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ ہماری منزل ہمیں مل گئی ہے ہمارے آقا کالی کملی اوڑھے ہمارے سامنے کھڑے اپنے ہاتھوں کے اشارے سے ہمیں اپنے پاس بُلا رہے ہیں۔

پھانسی کا پھندا آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ ہنستے ہوئے جان دے رہے تھے، انہوں نے جان دے ڈالی، وہ دونوں شہید ہو گئے۔ رحمت کی گھٹائیں ان پر برس

پڑیں اور وہ ان میں سر سے پاؤں تک ڈوب گئے۔ جنت کے جانے والے! جنت کا سفر مبارک ہو، ان کی سرمدی راحتیں مبارک ہوں، ابدی نعمتیں مبارک ہوں، ان شہیدانِ محبت کی آخری آرام گاہ کلکتہ کے گورا قبرستان میں ساتھ ساتھ ہیں۔ (شہیدانِ ناموسِ رسالت)

عاشقِ رسولؐ حاجی مانک کے عشقِ رسول ﷺ کا واقعہ

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ نے ایک دفعہ اپنے خطاب میں حاجی مانک کا ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا۔ ذیل میں اس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

کرونڈی ضلع نواب شاہ تحصیل پڈعیدن سے پندرہ میل دور ایک بستی کا نام ہے، وہاں مرزائیوں نے چیلنج کیا کہ ہم مسلمانوں سے مناظرہ کریں گے۔ مولانا لال حسین اختر وہاں پہنچے۔ سندھ کے تمام بڑے علماء چیئرمین وہاں پہنچے۔ ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ مولانا لال حسین اختر نے اپنی پہلی ٹرم میں کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں آج ثابت کروں گا کہ مرزا جھوٹا تھا، کذاب تھا، اس کا دعویٰ بھی جھوٹا تھا، الہام بھی جھوٹے تھے، وحی بھی جھوٹی تھی، پیش گوئیاں بھی جھوٹی تھیں، وہ بھی جھوٹا تھا، اس کی تمام کتابیں جھوٹی تھیں۔

جو مرزائی مقابلہ میں تھا اس کا نام عبدالحق تھا۔ اس بد بخت کو اس لعین کو پتہ نہیں کیا خیال آیا۔ وہاں پر چونکہ اس کی زمین تھی، بہت سارے اس کے مزارع تھے۔ مرزائیوں کی ایک بستی تھی، وہ بندوقوں کے ساتھ آیا تھا، اس نے کھڑے ہو کر کہا میں بھی ثابت کروں گا کہ محمد بھی ایسا تھا۔ (نعوذ باللہ)

اس نے کہا میں بھی ثابت کروں گا تمہارا نبی ایسا تھا، شور پڑ گیا۔ اس نے جو الفاظ کہے، مسلمان جذبات میں کھڑے ہو گئے۔ دوسری طرف بندوقیں تھیں، کچھ حالات ایسے تھے، پولیس بھی تھی، بات ٹل گئی، لڑائی نہ ہوئی۔ مسلمان بڑے پریشان ہوئے۔ مرزائی چلے گئے۔ مناظرہ یہاں پر ختم ہوا کہ یہ جملہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔ وہ معافی مانگے، یہ اس نے ہمارے سینے پر مونگ دلے ہیں۔ ہمیں اس نے چھری سے ذبح کر دیا ہے۔ مسلمان

بے غیرت نہیں ہیں، یہ جملے اتنے سنگین ہیں کہ ہمیں موت آ جاتی۔ یہ جملے ہمیں برداشت نہ کرنے پڑتے۔ مسلمان روتے ہوئے گئے، مانک کہتا ہے کہ میں اپنے گھر گیا۔ (یہ ہماری) قوم کا شہر تھا۔ بلوچوں کی پانچ سولڑیاں ہیں۔ میں بھی بلوچ ہوں۔ بلوچوں میں جو سردار ہیں میرے لڑی ان میں ہے۔ جھنگ سے حضرت دین پوریؒ حج پر گئے۔ واپس آ کر دین پور میں ڈیرہ لگایا۔ اصل میں ہم بھی جھنگ کے ہیں۔ ہم آپ کے رشتہ دار ہیں۔ حضرت دین پوریؒ یہاں کے تھے۔ یہاں بلوچ تھے، یہاں سے جا کر دین پور کو آباد کیا۔ (دین پوری)

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں نے یہ بات سنی تو سر پکڑ لیا، میں روتا رہا۔ یہ بات ساری بستی میں پھیل گئی کہ عبدالحق نے اتنی گستاخی اور اتنی زبان درازی کی ہے' اتنی بے ادبی کی ہے، اتنی بکواس کی ہے، ہر مرد کی زبان پر یہی بات تھی۔ حاجی مانک کہتا ہے کہ میں گھر آیا تو میرا گھر بدلہ ہوا تھا۔ میری بچیاں رو رہی تھیں، میری بیوی کا رُخ ایک طرف تھا، میں نے مانی مانگا، بیوی نے نہ دیا، میں نے بیوی سے کہا پانی دو، وہ بات ہی نہ کرے۔

اندر سے کنڈی مار کر کہنے لگی، مانک تیری سفید داڑھی' اسی سال تو حج کر کے آیا ہے۔ گنبد خضراء پر تو روتا تھا، مجھے ساتھ لے گیا تھا۔ تو نے اپنے محبوب کریم کے متعلق یہ جملہ سنا، بے غیرت زندہ واپس آ گیا تو بھی محمد ﷺ کا اُمتی ہے؟ میں تیری بیوی نہیں ہوں، مجھے اجازت دے دے، میں میکے جا رہی ہوں۔ یہ بیٹیاں تیری بیٹیاں نہیں ہیں' میں اس بے غیرت کو اپنا خاوند نہیں بناتی، میری بیٹیاں تجھے ابا نہیں کہیں گی۔ اتنی بڑی تو نے داڑھی رکھی ہے اور مصطفیٰ کے خلاف یہ سن کر تو زندہ لوٹ آیا۔ مر نہیں گیا۔ حاجی مانک کہتا ہے اس جملے نے میرے اندر محمد ﷺ کی محبت کی سپرٹ بھر دی۔ مجھے کرنٹ سا لگا۔

حضور ﷺ کی زندگی کا سارا نقشہ میرے سامنے آ گیا۔ آقا ﷺ کی محبت نے جوش مارا میں پھر بے خود ہو گیا، میں نے کلہاڑی اٹھائی اور اس مرزائی عبدالحق کی طرف چل پڑا۔ (یہ واقعہ سنا کر آپ کا ایمان تازہ کر رہا ہوں۔ اس کی عمر پچاس برس تھی، چہرہ حسین سرخ' منہ پر نور ٹپکتا ہے' میں کروڑی کی طرف جب تقریر کے لیے جاتا ہوں، تو وہ صدارت کرتا ہے۔

میں اس کا ماتھا چومتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ بیسیوں دفعہ حضور ﷺ کی زیارت ہو چکی ہے۔ (سبحان اللہ)۔ (حضرت دین پوری)

کلہاڑی ہاتھ میں لے لی اور تو اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔ پستول، ریوالور وغیرہ اس کے پاس نہیں تھا۔ دل میں فیصلہ کر لیا کہ یا مصطفیٰ یا گستاخ' آج بھونکنے والا کتا زندہ رہے گا یا محمد ﷺ کا عاشق جان دے دیگا، سیدھا گیا، عبدالحق پھر رہا تھا، اس کو خیال بھی نہ آیا کہ یہ بوڑھا مجھے کچھ کہے گا۔ پچاس سال حاجی مانک کی عمر تھی۔ سفید داڑھی تھی۔ کہتا ہے کہ میں ویسے بوڑھا ہوں، مگر دل جوان تھا۔ خون میرا جوان تھا، رگوں میں جو خون تھا، وہ جوان تھا۔ میں نے عبدالحق کو قریب جا کر کہا او گستاخ او مرزائی کتے! او مرتد! آج تیرا آخری دن ہے تو بچ نہیں جائے گا، تگڑا ہو جا، محمد ﷺ کا عاشق تیرے پاس پہنچ چکا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں کلہاڑی دیکھی تو دوڑنے لگا۔ پاؤں میں ڈھیلا اٹکا تو منہ کے بل گرا۔ ڈھیلا نہیں اٹکا تھا، قدرت نے دھکا دیا۔ میں پاس پہنچ گیا۔ میں نے کلہاڑی کے وار کرنے شروع کر دیئے میں نے اس کو جوتے سے سیدھا کیا۔ میں نے اس کے سینے پر کلہاڑیاں ماریں۔ میں زور سے وہاں کہتا رہا کہ اس سینے میں نبی کا کینہ ہے، پھر میں نے دماغ پر کلہاڑی ماری، میں نے کہا تیرا دماغ خراب تھا، پھر میں نے زبان کو پکڑ کر کلہاڑی سے کاٹا۔ میں نے کہا یہ بھونکتی تھی، پھر میں نے انگلی کو لکڑی پر رکھ کر کاٹا، میں نے کہا جب تو نے گستاخی کی تھی، تو انگلی مدینے کی طرف اٹھائی، میں اس انگلی کو کاٹ دوں گا جو محمد ﷺ کی گستاخی کرے گی۔

حاجی مانک کہتا ہے کہ جب میں حیدرآباد جیل گیا، تو حضور ﷺ کی زیارت ہو گئی آپ ﷺ نے کہا بیٹے گھبرانہیں تو پھانسی کے تختے پر چڑھا تو تیری شہادت کی موت ہو گی۔

حاجی مانک کہتے ہیں کہ میں نے اس کو ختم کیا، میرے کپڑے اس کے خون سے خون آلود ہو گئے۔ پلید خون سے مرتد کے خون سے نفرت آ رہی تھی، بد بو آ رہی تھی، میں سیدھا تھانے چلا گیا، قریب تھانہ تھا۔ تھانیدار نے مجھے دیکھا کہ سر پر پگڑی نہیں، ہاتھ میں کلہاڑی ہے، کپڑے خون سے بھرے ہوئے ہیں، وہ تھانیدار مجھے جانتا تھا، میں شریف

آدمیوں میں شمار ہوتا تھا، میں کبھی کبھی مسجد میں اذان بھی دیتا تھا، تھانیدار نے کہا مانک خیر ہے؟ میں نے کہا کل جس کتے نے، جس مرتد نے، جس لعین نے، جس گستاخ نے گستاخی کی تھی، الحمد اللہ آج وہ زبان خاموش ہو چکی ہے۔ اس کے خون کو کتے چاٹ رہے ہیں۔ مجھے ہتھکڑی لگاؤ، مجھے گرفتار کرو۔ تھانیدار خود کانپنے لگا، رونے لگا، اپنی ٹوپی اتار کر میرے پاؤں میں ڈال دی، کہنے لگا میں تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں؟

پولیس والے دوڑ دوڑ کر حاجی مانک کے لیے دودھ لا رہے ہیں، رو رہے ہیں، کہتے ہیں ہم سے وہ کارنامہ نہ ہو سکا، جو ایک بوڑھے نے کر دیا ہے۔ حاجی مانک! ہم تجھے مجرم کہیں یا محمد کا عاشق کہیں، ہم تجھے ہتھکڑی لگا کر کل محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ ہو جائیں؟ میں حکومت کو پٹی اتار کر دے دوں گا، مگر تجھے گرفتار کر کے محمد ﷺ کے سامنے شرمندہ نہیں ہوں گا۔ میں اوپر اطلاع دیتا ہوں، مانک تو میرا مہمان ہے، تو قاتل نہیں تو محمد ﷺ کا عاشق ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک کہتا ہے، انہوں نے میری بڑی خدمت کی۔ سکھر پولیس کو اطلاع دی، وہ بھی آئے، میرے قریب کوئی نہ آیا۔ مجھے کہا کار میں بیٹھ جاؤ، وہ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے، کہنے لگے ہم عورتوں کو پکڑتے ہیں، آج تک ہم نے ڈاکو پکڑے' آج تک ہم نے چور پکڑے ہیں، آج اس کو لے جا رہے ہیں، جس کے دل میں محمد ﷺ کی محبت ہے۔

مانک کہتا ہے کہ میں سکھر جیل میں گیا تو تمام ڈاکو اکٹھے ہو گئے۔ دیکھ کر رونے لگ پڑے۔ کوئی کہنے لگا میں نے ماں کو قتل کیا، دوسرے نے کہا میں نے بہن کو قتل کیا، ایک نے کہا میں نے باپ کو قتل کیا، مانک! تیری قسمت کا کیا کہنا، محمد ﷺ کے دشمن کو قتل کر کے آیا ہے رونے لگے، کہنے لگے جیل تو یہ ہے کہ جس سے خدا بھی راضی ہے، مصطفیٰ بھی راضی ہے (سبحان اللہ) کوئی دودھ لا رہا ہے، کوئی فروٹ لا رہا ہے۔

پتہ چلا تو محمد علی جالندھریؒ وہاں پہنچے۔ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ وہاں پہنچے۔ قاضی صاحب روتے رہے۔ فرمایا، ہم تیری زیارت کے لیے آئے ہیں۔ میں خود

وہاں پہنچا، مولانا وہاں پہنچے، مولانا امروٹی وہاں پہنچے، کراچی سے لاہور تک اس کو لوگ دیکھنے آئے، جس نے اپنے بڑھاپے میں جوانی دکھائی تھی۔

مانک کہتا ہے کہ رات کو میں کوٹھڑی میں سویا۔ مصطفیٰ ﷺ کی مسکراتے ہوئے زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیری قربانی کا پیغام پہنچ چکا ہے، مانک نہ گھبرا، وکیل نہ کرنا، وکالت میں محمد ﷺ خود کروں گا۔

حاجی مانک! تیری غیرت محمد ﷺ کو پسند آ گئی۔ میں نبی تمہیں مبارک باد دیتا ہوں، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیری پیشانی میں چوم لوں تو نے ساری زندگی میں جو کارنامہ کیا ہے، فرشتے بھی اس پر رشک کر رہے ہیں مقدمہ ہوا، لندن تک کے وکیل آئے، پورا ربوہ (چناب نگر) جھونک دیا گیا۔ پیسوں کے انبار لگ گئے۔ یہ سارے جمع ہوئے۔ ادھر وکالت محمد نے کی۔ بیانات ہوئے، وکیلوں نے کہا کہ آپ یہ بیان دے دیں کہ میں نے یہ کام نہیں کیا۔ مانک نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے یہ کام کیا ہے، یہ کلہاڑی اب بھی موجود ہے، جو بھی میرے مصطفیٰ ﷺ کی گستاخی کرے گا، اس پر میں یہی کاروائی کروں گا۔

تین سال مقدمہ چلا۔ جج نے جو فیصلہ لکھا ہے، وہ سن لو، جج نے جب حالات سنے' اس نے فیصلہ لکھا کہ محمد ﷺ کا غلام نبی کا عاشق، پیغمبر کا امتی، محمد عربی کا دیوانہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، اپنے نبی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ جب عبد الحق نے نبی کی گستاخی کی، حاجی مانک دیوانہ بن گیا۔ حاجی مانک کی عقل ٹھکانے نہ رہی۔ حاجی آپے سے باہر ہو گیا، اس نے اس وقت قتل کیا جب اس کی عقل ٹھکانے نہیں تھی، جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو، اس پر قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہ نبی کا دیوانہ ہے۔ میں دیوانے پر کوئی قانون لاگو نہیں کرتا' اس نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے اور مرتد کی سزا بھی قتل ہے (سبحان اللہ) خدا کی قسم مانک زندہ رہا، ان میں پھرتا رہا۔ محمد ﷺ نے اتنی نگاہ ڈال دی ہے کہ آج تک بندوقوں والے اس کا بال بیکا نہیں کر سکے۔ محمد ﷺ کی ختم نبوت کی غلامی آج بھی حفاظت کر رہی ہے۔ (سبحان اللہ)

حاجی مانک ستر اسی سال کا اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے نہا کر آیا ہے۔ یہ سندھ کا واقعہ ہے۔ میں جب بھی اس علاقے میں جاتا ہوں، اس کو بلاتا ہوں، دیکھتا رہتا ہوں، روتا رہتا ہوں۔ مجھے کہتا ہے دین پوری میری طرف کیوں دیکھتے ہو؟ میں نے کہا میں ان آنکھوں کو دیکھتا ہوں، جنہوں نے محمد ﷺ کو دیکھا ہے۔ (سبحان اللہ)

کرونڈی سے جا کر تصدیق کریں۔ بات غلط ہو تو مجھے منبر سے اتار دینا۔ یہ کرونڈی پڈعیدن سے پندرہ کلومیٹر دور ہے۔ مانک وہاں رہتا ہے اس کو دور سے دیکھ کر آپ سمجھ جائیں گے۔ اس بستی میں کوئی اتنا حسین نہیں،، جس پر محمد ﷺ کی نگاہ پڑ چکی ہے۔ خدا کی قسم یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے خون ٹپکتا ہے۔ ستر سال کی عمر ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابھی حوضِ کوثر سے پانی پی کر نکلا ہے۔ (سبحان اللہ) کہتا ہے کہ آٹھ دفعہ جیل میں مجھے حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔ ہر آٹھویں دن آپ ﷺ کی زیارت ہو جاتی تھی۔ آپ ﷺ تسلی دیتے تھے کہ مانک نہ گھبرانا محمد ﷺ تیری وکالت کر رہا ہے۔ (سبحان اللہ) (بحوالہ خطبات ختم نبوت حصہ دوم)

عاشقِ رسول ؐ سلطان نور الدین زنگیؒ کا واقعہ

سلطان نور الدین ایک عابد شب بیدار تھا۔ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا ہونے کے باوجود ایسا مردِ درویش تھا، جس کی راتیں مصلیٰ پر گزرتی تھیں اور دن میدانِ جہاد میں۔ وہ عظمت و کردار کا ایک عظیم پیکر تھا، جس نے اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب لکھا۔ سلطان نور الدین زنگی رات کا بیشتر حصہ عبادات و مناجات میں گزارتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز عشاء کے بعد بکثرت نوافل پڑھتا اور پھر رسول اکرم ﷺ پر سینکڑوں مرتبہ درود بھیج کر تھوڑی دیر کے لیے بستر پر لیٹ جاتا۔ چند ساعتوں کے بعد پھر نماز تہجد کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا اور صبح تک نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مشغول رہتا۔

۵۵۷ھ، ۱۱۶۲ء کی ایک شب وہ اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا تو خواب

میں تین بار رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سلطان نے متواتر تین رات حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ ہر مرتبہ دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: نور الدین! یہ آدمی مجھے ستا رہے ہیں، ان کے شر کا استیصال کر، نور الدین یہ خواب دیکھ کر سخت مضطرب ہوا۔ بار بار استغفار پڑھتا اور رو رو کر کہتا میرے آقا و مولا کو میرے جیتے جی کوئی ستائے، یہ نہیں ہوسکتا۔ میری جان مال آل و اولاد سب آقائے مدنی پر نثار ہے۔ خدا اس دن کے لیے نور الدین کو زندہ نہ رکھے کہ حضور ﷺ غلام کو یاد فرمائیں اور وہ دمشق میں آرام سے بیٹھا رہے۔ سلطان نور الدین بے چین ہوگیا اور اسے یقین ہوگیا کہ مدینہ منورہ میں ضرور کوئی ایسا ناشدنی واقعہ ہوا ہے، جس سے سرورِ کونین کی روح اقدس کو تکلیف پہنچی ہے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی اس نے بیس اعیان دولت کو ساتھ لیا اور بہت سا خزانہ گھوڑوں پر لدوا کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اہل دمشق سلطان کے یکا یک عازم سفر ہونے سے بہت حیران ہوئے لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ اصل بات کیا ہے؟

دمشق سے مدینہ منورہ پہنچنے میں عام طور پر بیس پچیس دن لگتے تھے، لیکن سلطان نے یہ فاصلہ نہایت تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا اور سولہویں دن مدینہ منورہ جا پہنچا۔ اہل مدینہ اس کی اچانک آمد پر حیران رہ گئے۔ سلطان نے آتے ہی شہر میں آنے جانے کے دروازے بند کرا دیے، پھر منادی کرادی کہ آج تمام اہل مدینہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔ تمام اہل مدینہ نے نہایت خوشی سے سلطان کی دعوت قبول کی۔ اس طرح مدینہ منورہ کے تمام لوگ سلطان کی نظر سے گزر گئے، لیکن ان میں وہ آدمی نہیں تھے، جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھائی گئیں تھیں۔

سلطان نے اکابر شہر سے پوچھا کہ کوئی ایسا شخص تو باقی نہیں رہا، جو کسی وجہ سے دعوت میں شریک نہ ہوسکا ہو، انہوں نے عرض کی کہ اہل مدینہ میں سے تو کوئی شخص ایسا نہیں رہا، جو دعوت میں شریک نہ ہوا ہو۔ البتہ دو خدا رسیدہ مغربی جو مدت سے یہاں مقیم ہیں نہیں آئے۔ یہ دونوں بزرگ عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اگر کچھ وقت بچتا ہے تو جنت البقیع

میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔اس کے سوا وہ کسی سے ملتے ملاتے نہیں۔ سلطان نے حکم دیا ان دونوں کو بھی ضرور یہاں لاؤ، جب وہ دونوں سلطان کے سامنے حاضر کئے گئے، تو اس نے ایک نظر میں پہچان لیا کہ یہ وہی دو آدمی ہیں، جو اسے خواب میں دکھائے گئے تھے۔انہیں دیکھ کر سلطان کا خون کھول اُٹھا، لیکن تحقیقِ حال ضروری تھی، کیونکہ ان کا لباس زاہدانہ اور شکل وصورت مومنوں کی تھی۔سلطان نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں یہاں کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ روضہ اقدس کے قریب ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے اور اسی میں ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔سلطان نے ان دونوں کو وہیں اپنے آدمیوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اکابر شہر کے ہمراہ اس مکان میں جا پہنچا، یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا، جس میں نہایت مختصر سامان مکینوں کی زاہدانہ زندگی کی شہادت دے رہا تھا۔اہل شہر ان دونوں کی تعریف میں رطب اللسان تھے اور بظاہر کوئی چیز قابل اعتراض نظر نہیں آتی تھی، لیکن سلطان کا دل مطمئن نہیں تھا۔اس نے مکان کا فرش ٹھونک بجا کر دیکھنا شروع کیا۔یکا یک سلطان کو ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ چٹائی ہٹا کر دیکھا تو ایک چوڑی سِل تھی، اسے سرکایا گیا تو ایک خوف ناک انکشاف ہوا۔یہ ایک سرنگ تھی، جو روضہ اقدس کی طرف جاتی تھی۔سلطان سارا معاملہ آناً فاناً سمجھ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے صدق اللّٰہ و صدق رسوله النبی الکریم نکلا۔سادہ مزاج اہل مدینہ بھی ان بھیڑ نما بھیڑیوں کی یہ حرکت دیکھ کر ششدر رہ گئے، سلطان اب قہر وجلال کی مجسم تصویر بن گیا اور اس نے دونوں ملعونوں کو پابہ زنجیر کر کے اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، جب وہ سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو اس نے ان سے نہایت غضبناک لہجہ میں مخاطب ہو کر پوچھا سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟ اور اس ناپاک حرکت سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ دونوں ملعونوں نے نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی سے جواب دیا، اے بادشاہ ہم نصرانی ہیں (بعض روایتوں میں ہے کہ یہ دونوں یہودی تھے) اور اپنی قوم کی طرف سے تمہارے پیغمبر کی لاش چرانے پر مامور ہوئے ہیں۔ہمارے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی کارِ ثواب نہیں ہے، لیکن افسوس کہ عین اس

وقت جب ہمارا کام بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا، تم نے ہمیں گرفتار کرلیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ سرنگ حضرت عمر کے جسد مبارک تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ ان کا ایک پاؤں ننگا ہوگیا تھا۔ سلطان کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ اس نے تلوار کھینچ کر ان دونوں بد بختوں کی گردنیں اڑادیں اور ان کی لاشیں بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوادیں۔ یہ کام انجام دے کر سلطان پر رقت طاری ہوگئی اور شدت گریہ سے اس کی گھگی بندھ گئی، وہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں روتا گھومتا اور کہتا تھا ''زہے نصیب کہ اس خدمت کے لیے حضور ﷺ نے اس غلام کا انتخاب فرمایا'' جب ذرا قرار آیا تو سلطان نے حکم دیا کہ روضہ نبویؐ کے گرد ایک گہری خندق کھودی جائے اور اسے پگھلے ہوئے سیسے سے پاٹ دیا جائے۔ سلطان کے حکم کی تعمیل میں روضہ اطہر کے چاروں طرف اتنی گہری خندق کھودی گئی کہ زمین سے پانی نکل آیا، اس کے بعد اس میں سیسہ بھر دیا گیا تا کہ زمانہ کی دستبرد سے ہر طرح محفوظ رہے۔ یہ سیسے کی دیوار روضہ اقدس کے گرد آج بھی موجود ہے اور انشاء اللہ ابد تک قائم رہے گی۔ آج بھی اہل مدینہ سلطان نور الدین کا نام نہایت محبت اور احترام سے لیتے ہیں اور ان کا شمار ان نفوس قدسی میں کرتے ہیں، جن پر سید البشر نے خود اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کے محبِ رسول ہونے کی تصدیق فرمائی۔ یہ رُتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ (بحوالہ ''نور الدین محمود زنگی'' از طالب ہاشمی)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِم

❀❀❀

خصوصیت نمبر ۵۰

رسولِ اکرم ﷺ سے کبھی گناہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا

قابلِ احترام قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچاسویں خصوصیت پیش خدمت ہے جسکا عنوان ہے "رسولِ اکرم ﷺ سے کبھی گناہ نہیں ہوا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان کر دیا" الحمد اللہ ان سطور کو لکھتے وقت بھی میں "ریاض الجنة" میں بیٹھا ہوں، آقا ﷺ کا پیارا اور مقدس روضہ مبارک میرے سامنے ہے اور میں آقا ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں بلکہ یوں کہوں کہ صاحبِ خصوصیت ﷺ عین میرے سامنے آرام فرما ہیں اور میں مقدس روضہ مبارک کے سائے تلے اور جنت کے ٹکڑے میں بیٹھ کر انکی عظیم خصوصیت کو لکھ رہا ہوں، اگر چہ لوگوں کا اژدھام لکھنے کی اجازت نہیں دے رہا، بار بار ہاتھ ہلنے کی وجہ سے کافی مشکلات کا سامنا ہے لیکن دل آقا ﷺ کی محبت سے لبریز ہے اس لئے مجبور کر رہا ہے کہ کچھ بھی ہو لکھو کہ شاید جب قیامت کا دن ہوگا، نفسا نفسی کا عالم ہوگا ایسے کٹھن وقت میں آقا ﷺ فرما دیں: "یا اللہ اگر چہ یہ میرا امتی تھا تو بہت گناہ گار لیکن چونکہ اس نے میرے روضے کے سامنے اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر میرے خصوصیات پر کام کیا تھا اس لئے میں تیرا محبوب (ﷺ) اس حقیر اور ناقص بندے کی سفارش کرتا ہوں قبول فرما لیجئے۔" اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی سفارش کو رد نہیں کرے گا بس دل کو یہی تسلی ہے اور اسی تسلی کی وجہ سے یہ آبلہ پا قلم لکھتا چلا جا رہا ہے، دعا گو ہوں کہ یا رب قدوس میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل کی خصوصیت بھی ایک عجیب اور عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے آخری نبی ﷺ سے اس قدر محبت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے اپنے محبوب کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا اعلان فرمایا، باوجود اس کے کہ آپ ﷺ تو معصوم اور گناہوں سے پاک ہیں لیکن پھر بھی گناہ ہونے سے پہلے ہی مغفرت کا وعدہ، بے شک آپ ﷺ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے، جیسا کہ آنے والے صفحات میں آپ اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی کی صحیح صحیح قدر دانی کرنے اور آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العٰلمین۔
لیجئے محترم قارئین اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

پچاسویں خصوصیت کی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں

علامہ ابن عبدالسلام نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دینے کی خبر دے دی تھی جبکہ آپ سے پہلے نبیوں میں سے کسی کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت نہیں۔ کیونکہ اگر اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا تو بہت سے اسباب کی بناء پر وہ ضرور نقل کیا جاتا، بلکہ اس سے بھی زیادہ آپ ﷺ کا مقام اور خصوصیت تو یہ ہے کہ اگلے اور پچھلے خود گناہ کے وجود ہی کو معاف کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے اپنی خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے ایک خصوصیت کے بارے میں فرمایا کہ میرے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

یہاں حق تعالیٰ کے اس قول سے اس قول کی ممانعت نہیں ہوتی جس میں حضرت داؤدؑ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ! ''ہم نے ان کا یہ گناہ معاف کر دیا'' کیونکہ یہاں صرف ایک گناہ کی مغفرت کی گی ہے۔ علامہ ابن عبدالسلام کہتے ہیں بلکہ دوسرے نبیوں کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے جانے کے بارے میں ظاہر یہی ہے کہ ان کو اس کی کوئی خبر نہیں

دی گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں وہ بھی نفسی نفسی کہتے ہوں گے۔ بہر حال مزید وضاحت کے لئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ہم رحمۃ العٰلمین اور دیگر مستند کتب سے استفادے کے بعد آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

رسول اکرم ﷺ سے کبھی زندگی میں کوئی گناہ نہیں ہوا کیونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب نبی ﷺ کے لیے گناہوں سے مغفرت کا اعلان کیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنّا فَتَحنا لکَ فَتْحاً مُّبیناً. لِیغفرَ لکَ اللہُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِکَ و مَا تأَخَّرَ و یُتِمَّ نِعمتَہٗ عَلیکَ و یَھدِیَکَ صِراطاً مّستقیماً. و ینصُرَکَ اللہُ نصراً عزیزاً.

ترجمہ: ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے ترے گناہ اور جو پیچھے ہوئے، اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے اللہ تیری زبردست مدد۔

آیت کی تشریح

رحمۃ العٰلمین کے مصنف علامہ سلیمان منصور پوریؒ اپنی اس مایہ کتاب میں رقمطراز ہیں کہ علمائے کرام نے ذنب ماتقدم و ماتاخر پر خوب بحث کی ہے اور اُن کا غفران بتلایا ہے۔

الف۔ کسی نے ماتقدم و ماتاخر سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا ہے اور معنی یہ بتلائے کہ امور جاہلی کے غفران کی خبر دی گی ہے۔ امام سبکی کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو کبھی قبل از نبوت بھی امور جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے، لہٰذا ناکردہ فعل کے غفران کے معنی ہو سکتے ہیں۔

ب۔ زمخشری اور بیضاوی نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں اور بتایا ہے کہ رب العٰلمین نے ایسی حرکات کو بھی محل لطف و عنایت بنا دیا، امام سبکی کا اعتراض ہے کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں اور بالمقابل اس کے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ مسلمہ

ہے۔انبیاء سے نہ صدور کبائر ہوتا ہے نہ صدور صغائر۔لہٰذا یہ توجیہہ بھی نادرست ہے۔

ج۔سُبکی نے خود یہ معنی لکھے ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے انہی معنی کی تحسین وتعریف کی ہے کہ یہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی، بلکہ ازراہِ تشریف وتکریم یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی لغزش کا امکان وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثبات ذنب اور پھر غفران بعداز اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

د۔قاضی عیاضؒ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔

ہ۔تفسیر خازن میں عطاء خراسانی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ماتقدم سے مراد آدم و حوا علیہما السلام کا ذنب اور ذنب ماتاخر سے مراد اُمت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے ناظرین کو جو قول پسند ہو، اسے قبول کر سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ علماء کی اس قدر شرح وبیان کے بعد بھی کچھ باقی رہ جاتا ہے۔

آیت زیب عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے جسکی کچھ تشریح آپ بھی ملاحظہ فرمائیے

الف۔اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔

ب۔اس کے معنی الزام بھی ہیں اور الزام کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکام کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔جب ہم ذَنب کو (ب کے فتح کے ساتھ) دیکھتے ہیں، جس کے معنی ''دُم'' ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذَنْب بفتح وسکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہوجاتے ہیں۔یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔ذنوب بفتح اول، اُس ڈول کو کہتے ہیں جو رسّی کے سرے پر بندھا ہوا ہو، یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔لہٰذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ خدا کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو۔موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں۔ولھم علیّ ذَنبٌ فاخافُ اَنْ یَّقْتلُونِ ۔

انہوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا لہٰذا اس کا ترجمہ ''الزام'' بھی صحیح ہے۔ قانوناً لفظ ''الزام'' اور لفظ ''جرم'' کے معنی میں بہت تفاوت ہے ''الزام'' کا اطلاق اُس نسبت جرم پر کیا جاتا ہے کہ بادی النظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے مرتکب ہونے کی بابت گمان کیا جا سکے اور ''جرم'' کا اطلاق اس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونیوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا قتل وقصاص تھی۔ موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ سطحی دماغ سے نہ تو ''نیت'' کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً ہلاکت کا سبب ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اس کا ہلاک ہونے کا ظن غالب ہو سکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰ کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ ۳۲۳ تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے، جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا، اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

ج۔ حدیث میں ہے اذا تصافحا لم یبق بینھما ذنب، جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔ صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے ای غل و شحناء یعنی ذنب کے معنی یہاں کینہ اور تنگ دلی ہیں۔

د۔ قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے، وَ استغفر لذنبک و للمؤمنین یہاں نبی اور مومنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔ ان جملہ امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت زیب عنوان میں ذنب بمعنی الزام قوم ہے، اور ما تقدم سے مراد زمانہ قبل از

ہجرت اور ما تاخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے، علماء سیرت آگاہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے جو جو الزامات و اتہامات لگائے تھے وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔ مثلاً اتہامات قبل از ہجرت مندرجہ ذیل ہیں۔

یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے، اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پڑھنت پڑھتا رہتا ہے وغیرہ، وغیرہ۔

اور الزامات بعد از ہجرت یہ ہیں۔ یہ قوم میں پھوٹ ڈالنے والا ہے، مکہ کو اُجاڑنے والا ہے، بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو مائی سے، جُدا کرنے والا ہے، ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا، قومی انتظامات کو پراگندہ کر دیا۔ وغیرہ، وغیرہ۔

اور مؤمنین پر بھی ایسے الزامات لگائے جاتے تھے مثلاً، بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کمینے ہیں، غلام ہیں، نا قابل التفات ہیں۔ آیت تزدَرِی اَعْیُنُهُم میں انہی امور کی طرف اشارہ ہے۔ ابھی یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔ آیت لا تُنفِقُوا عَلٰی مَنْ عِند رسولِ اللهِ حَتّٰی ینفَضُّوا میں یہی بات اُن کو بتائی گی ہے۔ عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کے روبرو مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے اس کا جواب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے پچھلے الزامات اُٹھ جائیں گے، دب جائیں گے زیر خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غفر کے لغوی معنی بھی یہی ہیں، صداقتِ رسول آشکارا ہو گی، بصارت کھل جائے گی، بصیرت بیدار ہوگی، اتہامات و الزامات کی لغویت کا خود اُن لوگوں کو اقرار بہ ندامت وانفصال کرنا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح سے بہت جلد مرتب ہو گئے تھے

بشارت دوم وَ یُتِمَّ نِعمَتَهٗ عَلَیکَ ہے، یعنی صلح حدیبیہ کا ثمرِ دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جس کا سال نزول ۶ ہجری ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور آیت اَلیَومَ اَکمَلتُ لکم دِینَکُم وَ اَتمَمتُ علیکم نِعمتِی میں اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔

اتمام نعمت کے معنی میں تمام اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین متین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفاء کے اندر رکی ہوئی تھی، وہ روک اُٹھ گئی تھی، موانعات کے دُور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے، پھر پچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخلِ اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم وَ یَهدِیَکَ صِراطاً مستقیماً ہے، جو صلح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا، وہ صاف ہو جائے گی۔ اور حضور کو اپنی تعلیم پر چلانے اور سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔

بشارت چہارم وَ یَنصُرَکَ اللّٰہ نصراً عزیزاً ہے۔ جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا، یعنی نصرت الٰہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکارا ہوگی۔ قلوب میں کشش ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں، سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جویا، حقیقت کے طالب بن جائیں گے، حتیٰ کہ یدخلون فی دینِ اللہ اَفواجاً، کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔ نصرت الٰہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اِلَّا تَنصُرُوہُ فَقَد نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذ اَخرَجَهُ الَّذِینَ کَفَرُوا ثانِیَ اثنَینِ اِذ هُمَا فِی الغَارِ.

ترجمہ: اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا اور رسول اُس وقت دو میں سے تیسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار میں

تھے۔

ہاں نصرت الٰہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی اور صدیق دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار برسرِ غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں، مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے، یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو گے ہیں، غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا۔ قریش کے انعامات اور بُت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستے کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا، یہ تین سو میل کا راستہ سینکڑوں اعداءِ دین کا روکا ہوا تھا پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر بخوش اسلوبی طے ہو جاتا ہے۔ بنو کنانہ کے سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو مُنہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرۂ خدام میں منسلک ہو گیا حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اہل ایمان تک لے جاتا ہے اور اہل مدینہ اس نعمت خداداد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے، حتیٰ کہ یہود کی آنکھیں بھی اس نظارہ سے جس کی خبر حقوق نبی نے دی تھی، پتھرا جاتی ہیں۔ اب چھ سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی اُم القریٰ اور اس کے حوالی میں قدرتِ ربانیہ اور نصرت الٰہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھلانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہِ مستقیم اور نصرت وعزت کے معنی سیرت رسول پاک میں ہمیشہ سے مشکلاتِ اشاعت کی دوری اور موانعات تبلیغ کا اندفاع رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلائے کلمۃ الحق اور ظہور صداقت رہا ہے۔ بے شکُ یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پُورے فرمائے گے لہٰذا آیت زیب عنوان حضور ﷺ کی رفعت شان اور منصب عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کی مبرہن کرنے والی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نا سمجھنا چاہیئے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب

ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مداحِ علیا کی اور زیادہ وضاحت کُن ہے، اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فرما کر اہلِ عالم و عالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمتِ انبیاء کے کیا معنی رہ سکتے ہیں۔

میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں، منزلت وسیلہ کے سریر آرا ہیں، شفیع المذنبین ہیں، شفاعت کبریٰ حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے آدم و من دُونہ تحتَ لِوائی ولِوَاءُ الحمدِ بِیَدِی حضور ﷺ ہی کا مرتبہ ہر اُت کمال تک پہنچتا ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعت کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زیب عنوان سے ان معانی کا استفاضہ بھی ہو گیا کہ اعدائے دین نے جو الزامات سرورِ کائنات پر لگائے تھے، اُن کا ازالہ بھی حضور کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعت اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العنکبوت ثابت ہوئیں، قریش نے سمجھا تھا کہ جب نو مسلم لوگ اکسرا ڈیشن کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر و ستم اور بند و قید کے خوف سے آئندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہو گا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترکِ اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آکر جملہ حقوق شہریت سے متمتع رہ سکیں گے اور مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے، مگر یہ دونوں خیال جھوٹے نکلے اور صرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور علیم حکیم نے اسی معاہدہ کو فتح مبین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بے شک کوتاہ بین آنکھ تو یہ بھی نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جورات کی تاریکی میں

گھروں سے نکلے، اور غار کی تہہ میں چھپ کر رہے، یہی کل دنیائے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں، نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود عنسی اور مسیلمہ، اور سجاح کی نبوت کا ذبہ کے دعویدار ہلاکت میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں متاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشانِ قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بہ طور مجرم حاصل کیے جائیں گے، وہی لوگ حبس و زندان میں بیٹھے ہوئے مبلغِ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے، جو لوگ ''اسلام بزورِ شمشیر'' کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ان کی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بنتی ہے اور باایں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس سے اس حمایت وحفاظت وجنبہ داری کا فائدہ اُٹھایا ہو۔

المختصر۔آیات زیب عنوان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بخوبی آشکارا ہیں اور فی الحال مضمون ہٰذا کی مناسبت سے اسی قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ عَلٰی نبیّہٖ و حبیبِہٖ وَ اٰلِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیّاتِہٖ و بارِکْ وَسَلِّمْ. (بحوالہ جستہ جستہ از رحمۃ العلمین ج۔۳)

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

مآخذ ومراجع

کی تفصیلی فہرست جلد نمبر۴ کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

جزاک اللہ